مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ

ہم معتقدِ دعوۓ باطل نہیں ہوتے
سینے میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے

فسانۂ مبتلا

الملقب بہ

محصنات
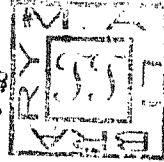
جس میں تعدد ازواج کے خراب نتیجوں کو ایک قصے کے پیرائے میں دکھایا گیا ہے

اور جس کو

مولوی حافظ محمد نذیر احمد خاں صاحب بہادر سابق ڈپٹی کلکٹر و ممبر بورڈ آف ریونیو

ریاست حیدرآباد دکن حال وظیفہ خوار سرکار عالی نظام

مصنف مرآۃ العروس و بنات النعش و توبۃ النصوح وغیرہ نے تصنیف کیا

مصنف کی نظر ثانی اور ترمیم و اصلاح اور تجدید رجسٹری کے بعد اول بار

مطبع انصاری واقع دہلی میں طبع ہوئی

دیباچۃ الکتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اللہ وہ بھی کیا دن تھے کہ سر ولیم میور ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر تھے اور مسٹر کیمپسن
تعلیم کے ڈائرکٹر تعلیم کے اعتبار سے یہ دونوں صاحب مسلمانوں کے گویا ہارون الرشید
اور منصور تھے۔ اور ہنود کے بکرماجیت اور بھوج۔ انگریزی جتنی پڑھی جائے تھوڑی ہے مگر کتنی ہی کیوں نہ پھیلے
ہندوستان کی ملکی زبان تو بن بیٹھنے سے رہی قوم من حیث القوم اور سو یہ جب کبھی ترقی کرے گی اپنی ہی زبان
میں پڑھنے لکھنے سے۔ سر ولیم میور کا یہی گر تھا۔ وہ زبان اردو کی پرداخت کے پیرائے میں ہماری فلاح کی
فکر میں تھے انھی کی قدردانی مجھے تصنیف و تالیف کی باعث ہوئی یہاں تک کہ عورتوں کی تعلیم کا سلسلہ
مرتب ہو گیا خانہ داری میں **مرآۃ العروس** معلومات ضروری میں **بنات النعش** خدا پرستی میں
توبۃ النصوح ان کتابوں نے ایسا رواج پایا کہ انگریزی۔ بنگالی۔ گجراتی بھاکا۔ مرہٹی پنجابی کشمیری
سات زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اس وقت تک بلا دفعات چالیس ہزار جلدیں چھپ چکیں۔ ان ہی دنوں مجھے یہ
خیال ہوا تھا کہ مسلمانوں کی معاشرہ میں عورتوں کی جہالت اور نکاح کے بارے میں مردوں کی آزادی دو بہت بڑے
نقص ہیں میں نے ایک نقص کے رفع کرنے میں (جہد المقل) کوشش کی ہے۔ تو دوسرے نقص کے رفع میں بھی کچھ کرنا
ضرور ہے قصے کا منصوبہ ذہن میں ٹھیرا چکا تھا کہ سر ولیم میور ولایت چلے گئے اور میں حیدرآباد۔ اب کہ خدمت سے علیحدہ
ہو کر خانہ نشین ہوا فرزند ارجمند اصلح و اسعد مولوی بشیر الدین احمد موقع پا کر متقاضی ہوئے اگر اس کتاب سے کوئی فائدہ
مترتب ہوا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگا تو لوگوں کو مجھ سے بڑھ کر مولوی بشیر الدین احمد کا شکر گزار ہونا چاہئے
کیونکہ انھوں نے اس کتاب کے لکھنے میں میری اس قدر مدد کی ہے کہ فی الواقع شریک تصنیف ہوئے اور شریک بھی
شریک غالب فقط۔ دہلی۔ ۲۲۔ اگست ۱۸۸۵ء نذیر احمد وفقہ اللہ التزود لغد
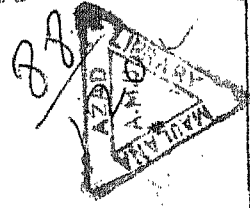
تمہید قصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[1] مبتلا تھا تو تخلص مگر چوں کہ پھبتا ہوا تھا ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام کو دور کے رشتہ دار تک بھی نہیں جانتے تھے اور مبتلا کے نام سے لڑکے شہر کے تمام گلی کوچوں میں جب تک اَمرُد رہا غزلیں اور واسوخت جوان ہوا تو گیت اور ٹھمریاں اور مرے پیچھے بھی مدتوں بعد تک مرثیے اور نوحے گاتے اور پڑھتے پڑے پھرتے تھے۔ ہمارے یہاں کی شاعری میں عشق بازی اور بے تہذیبی کے سوا ہے کیا۔ شریف خاندانوں کے نوجوان لڑکے اکثر اسی مکتب سے خرابی کے لچھن سیکھتے اور اسی اکھاڑے میں بُرے کوتکوں کی مشق بہم پہنچاتے ہیں جس شاعری سے ہم بحث کر رہے ہیں اُس کے تین درجے ہیں۔ سننا۔ سیکھنا۔ کہنا۔ ان میں سے پہلے دو درجے تو ہمارے طرزِ تعلیم میں داخل ہیں جس کا شمار پڑھے لکھوں میں ہے ممکن نہیں کہ حرف شناسی کے بعد اُس کا پہلا سبق یہ نہ ہو۔

[2] اے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را ؎ شرمندہ ساخت آہوے چشمت غزالہ را

---

[1] صرف عربی کی رو سے مبتلا کے الف مقصورہ کو ی کی صورت میں لکھنا چاہیے مگر ہم نے جان بوجھ کر صاحب تخلص کی نقل و تقلید کی ہے ۱۲ [2] محمود نامہ فارسی کی ایک مشہور کتاب مبتدیوں کو پڑھائی جاتی ہے یہ اس کا پہلا شعر ہے ۱۲۔

جن باتوں کی بھنک کا کان میں پڑنا نوجوانوں کے حق میں سم قاتل ہے سبقاً سبقاً ازبر کرائی جاتی ہیں اور جن خیالات کا ایک بار دل میں گزر جانا دنیا و دین دونوں کی تباہی کا موجب ہوسکتا ہے برسوں کی مشق و تمرین سے خاطر نشین کیئے جاتے ہیں تاکہ طبعی ہو جائیں ناممکن الزوال اور فطری بن جائیں جن کا نکلنا محال۔ بے چارہ مبتلا اس عموم سے مستثنےٰ اس کلیے سے خارج نہ تھا بلکہ اُس پر تو ایک دوسری خلقی بلا مسلط تھی کہ کم بخت صورۃ شکل کا اچھا رنگ کا گورا اعضا کا متناسب یعنی شعر کا موضوع لہ واقع ہوا تھا۔ یہ تو عقل میں نہیں آتا کہ تخلص تک نوبت پہنچی ہو اور شعر نہ کہا ہو مگر مخمس قصیدے اور مثنوی اور واسوخت اور غزل اور رباعی کا کیا مذکور ہم تک تو مبتلا کا کوئی مصرع بھی نہیں پہنچا قیاس چاہتا ہے کہ اگر اُس نے شعر گوئی کی ہوگی تو اوائل عمر میں کیوں کہ تیس برس کی عمر سے تو ہم اُس کو خانہ داری کی ایسی مصیبتوں میں پھنسا ہوا پاتے ہیں کہ ایسی حالت میں فراغ خاطر اور اجتماع حواس جو شرط شاعری ہے میسر ہو نہیں سکتا۔ مبتلا کے اوائل عمر کا کلام غالب ہے کہ حسن ادا اور شوخی اور نزاکت سے خالی نہ ہو اور اس میں تو شبہہ ہی نہیں کہ جب وہ مشاعرے میں غزل پڑھتا ہوگا تو میر انشاء اللہ خاں[1] کی طرح واہ واہ اور سبحان اللہ اور مکرر پڑھنے کی فرمائشوں کا بڑا غل ہوتا ہوگا۔ مبتلا کا زمانہ کچھ ایسا متقدم نہیں ہے کچھ نہیں تو سو دو سو اس کے دیکھنے والے اب بھی شہر میں زندہ اور موجود ہوں گے پس اگر ہم جست جو کرتے تو اس کا کلام تھوڑا بہت کسی نہ کسی جگہ سے ملتا پر ملتا مگر ہم نے اس کے قصے آگے اس کے کلام کا کچھ خیال نہیں کیا۔

پہلی فصل مبتلا کی ولادۃ اور طفولیۃ

تمول کے اعتبار سے مبتلا ایک خوش حال باپ کا بیٹا تھا اور چوں کہ آٹھ نو بیٹیوں پر جن میں سے پانچ زندہ تھیں باپ کے بڑھاپے میں بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد پیدا ہوا اس سے بڑھ کر اللہ آمین اور کس کی ہوگی

[1] میر انشاء اللہ خاں بھی بڑے خوب صورۃ اور طرح دار تھے داڑھی موچھ کا کہیں پتہ نہ تھا کہ شعر کہنے لگے مشاعروں میں آدھے سے زیادہ میر انشاء اللہ خاں کے ہوا خواہ ہوتے تھے ۱۲

بیٹے کا ارمان تو شروع ہی سے تھا۔ ہر مرتبہ ملنے جلنے دیکھنے بھالنے والے مولوی۔ ملا۔ نجومی رمال حتیٰ کہ دائی جی کے خوش کرنے کو کہہ دیا کرتے تھے کہ اب کے ضرور بیٹا ہوگا۔ مگر ایک عمر اسی میں گزر گئی توقع کی نا امیدی کے واسطے امید لگائی ناکامیابی کے لیے۔ مبتلا کی نوبت میں تو یاس اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ سارے گھر میں کسی کو بیٹے کا شان گمان تک بھی نہ تھا۔ دم کے پانی تعویذ گنڈے۔ ٹونے ٹوٹکے اور دوا درمن برسوں سے موقوف تھے۔ مبتلا پیدا ہوا تو سب سے پہلے دائی کو معلوم ہوا کہ بیٹا ہے اُس نے اتنی عقلمندی کی کہ لوگوں پر بیٹے کا ہونا فوراً ظاہر نہیں ہونے دیا ورنہ زچہ جس کو سکون اور قرار درکار تھا مارے خوشی کے پھولی نہ سماتی اور لینے کے دینے پڑ جاتے بارے بتدریج سب کو خبر ہوئی سنتے کے ساتھ جو کھڑا تھا تو کھڑا اور بیٹھا تھا تو بیٹھا سجدے میں گر پڑا کسی کے منہ سے دعا نکلی کوئی لگا بے ساختہ زچہ گیریاں گانے کسی نے دوڑ کر چٹا چٹ زچہ اور بچے کی بلائیں لے لیں غرض گھر کیا اُسی وقت سارے محلے میں غل مچ گیا اور صبح ہوتے ہوتے تو گلی میں ڈولیوں سے اور گھر میں بیبیوں سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہر چند بیٹے کا ارمان اس بلا کا تھا کہ کیسا ہی بدصورۃ بیٹا ہوتا چوم چاٹ کر ماتھے چڑھاتے مگر اس خاندان میں ہمیشہ سے صورتوں کی پرچول رہا کرتی تھی گھر میں جو آتا بچے کو دیکھنا چاہتا یہ لوگ پرچھاویں اور نظر کے ڈر سے اس کے دکھانے میں مضایقہ کرتے تھے جب بیبیوں کا بہت تقاضا ہوا اور گری پڑنے لگیں تو زچہ کے پاس گھر کی کوئی عورۃ بیٹھی تھی اُس نے کہا خدا کے لیے بیبیو ذرا ہوا کا رُخ چھوڑو کہ دم گھٹا جاتا ہے مردِ بچے کی صورۃ کیا دیکھنا ہے خدا عمر دے پروان چڑھائے آہی ماں باپ کا کلیجا ٹھنڈا رہے ایک بی بی باوجودے کہ خود بھی ہجوم کرنے والیوں میں تھیں بول اُٹھیں لو گو بھیڑ کیا لگائی ہے اللہ رکھے پانچ بہنوں کا بھائی ہے اُنیس بیس کے فرق سے اپنی بہنوں میں ملتا ہوا ہوگا۔ اتنے میں دائی اندر سے نکلی تو ساری بیبیوں نے

اُس کو گھیر لیا کیوں بوا بچہ پورے دنوں کا صحیح سلامتہ تو ہوا۔ دائی۔ ہاں۔ پورے دن بھی
کیسے خوب بھرپور ہاتھ پاؤں بال ناخن سب خاصے توانا ماشاء اللہ بڑے کا پٹرا اور ان کے
جتنے بچے ہوئے سب اسی طرح کے خدا کے فضل سے کوکھ بہت صاف ہے بیبیاں۔ کیوں بوا
بہنوں میں ملتا ہوا تو ہے۔ دائی۔ بہنوں کو اس سے کیا نسبتہ لڑکیاں بھی اچھی صورۃ کی ہائے مگر اس سے
پہلے کی دو لڑکیاں کہ ایک دو مہینے کی ہو کر اُٹھ گئی اور دوسری دو سوا دو برس کی
بس دونوں آفتاب ماہتاب تھیں اور یہ تو خدا جیتا رکھے نور کا پتلا ہے بڑی بڑی غلافی
آنکھیں اونچی اور ستی ہوئی ناک۔ پتلے ہونٹ۔ چھوٹا سا دہانہ چکنے ہوئے سیاہ گھونگر والے
بال۔ کتابی چہرہ۔ صراحی دار لمبی گردن۔ سانچے میں ڈھلا ہوا بدن میری اتنی عمر ہونے آئی
تیرہ برس کی بیاہی آئی تھی تب سے اپنی ساس کے ساتھ یہ کام کرنے لگی خدا جھوٹ نہ بلوائے اتنے بچے میرے
ہاتھ سے ہوئے کہ جن کا شمار نہیں مگر ایسا قبول[1] صورۃ بچہ میں نے تو بڑے بڑے نامی گرامی امیروں
کے ہاں بھی جن کے حسن کی آج بڑی دھاک ہے نہیں دیکھا بات یہ ہے کہ اللہ عمر دے اور بھاگوان
ہو۔ سب نے کہا آمین۔ مبتلا کے پیدا ہونے کی روداد جو ہم نے اوپر بیان کی اُس سے ہر شخص سمجھ
سکتا ہے کہ مبتلا کے ساتھ ماں باپ اور عزیز و اقارب نے کیا کچھ چوچلے نہ کیے ہوں گے غرض وہ
تمام خاندان اور سارے کنبے میں ایک انوکھی چیز سمجھا جاتا تھا اور حقیقۃ میں جس جس پہلو سے
دیکھیے وہ انوکھی چیز تھا بھی۔ جب سے پیدا ہوا سارے سارے دن ساری ساری رات گودوں
ہی میں رہتا نہالچے پر لٹانے کی نوبۃ نہ آتی تھی اپنے ہی گھر میں۔ ماں۔ نانی۔ خالہ۔ ممانی۔
ایک کم آدھی درجن سگی بہنیں اتنے آدمی لینے والے تھے کہ ایک سے ایک چھینے لیتا تھا باپ کا
یہ حال کہ جتنی دیر ممکن تھا گھر میں رہتے اور جتنی دیر گھر میں رہتے خود لیے رہتے یا پیش نظر
رکھتے مبتلا کے پہلے پانچ بلکہ سات آٹھ برس کی زندگی یعنی جب تک وہ محتاج پرورش[2]

[1] مقبول کی جگہ بولا جاتا ہے ۱۲

اس قابل ہے کہ مستقلاً اُن حالات کی ایک کتاب لکھی جائے مگر ہم کو تو اس کے دوسرے ہی معاملات
سے بحث کرنی ہے اس کی پرورش کے متعلق ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ خاندان کے لوگ
سب کے سب دین کے پابند نہ تھے مگر مبتلا کا باپ بڑا نمازی اور پرہیزگار آدمی تھا مولوی شاہ محمد صاحب
کے وعظ سے اس کو ایسا عشق تھا کہ آندھی جائے مینہ جائے طبیعت درست ہو نہ ہو جہاں سُنا کہ
مولوی صاحب کا وعظ ہے سب سے پہلے موجود گھر کی بڑی بوڑھیاں بھی نماز پڑھتی تھیں با ایں ہمہ جو
احتیاطیں مبتلا کی پرورش میں برتی جاتی تھیں اُن سے ایسا مستنبط ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے پندار میں
مبتلا کی تن درستی نہ صرف غذا سے اور آب و ہوا سے بلکہ مکان سے برسوں سے مہینوں سے دنوں سے
لیل و نہار کے خاص خاص اوقات سے اپنے بیگانے کی نگاہ سے آئے گئے کی پرچھائیں سے لوگوں
کی باتوں سے دلی خیالات سے تنہائی سے تاریکی سے چاندنی سے کسوف و خسوف سے کُتّے سے
بلّی سے چھپکلی سے دیو سے بھوت سے جن سے پری سے غرض ہر چیز سے جو واقعی ہے اور
ہر چیز سے جو ادعائی ہے معرض خطر میں ہے۔ ہم تو معاذ اللہ کسی کلمہ گو مسلمان پر کفر اور شرک کا
الزام کیوں لگانے لگے مگر بمجبوری اتنی بات کہنی پڑتی ہے کہ مبتلا کے ساتھ جو برتاؤ کیے جاتے تھے
واہمۂ شرک اور مظنۂ کفر سے خالی نہ تھے۔ یہ بات کہ جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے وہی ایک وقت مقرر
تک جس کا حال اسی کو معلوم ہے ہماری زندگی اور تن درستی کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جس طرح بدون اُس کے
فضل و کرم کے ہم دنیا میں آ نہیں سکتے تھے اُسی طرح بغیر اُس کی مدد اور حمایت کے ایک لمحہ دنیا میں
رہ بھی نہیں سکتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کہیں اور کسی حالت میں ہوں ہم اُس کی
پناہ میں ہیں اور اُس کا سایۂ رحمت ہمارے سر پر ہے وہ ہر مرض میں ہمارا طبیب ہے اور ہر مصیبت
میں ہمارا معین و مددگار۔ ہر تکلیف میں ہمارا غمگسار۔ بدون اُس کی مرضی کے نہ غذا میں
تقویت ہے۔ نہ دوا میں تاثیر۔ بغیر اُس کے حکم کے نہ زہر زہر ہے نہ اکسیر اکسیر غرض یہ بات اُن

لوگوں کے معتقدات میں تو ضرور رہی ہوگی جو مبتلا کو پال رہے تھے مگر اُن کے برتاؤ میں توکل
و دانائی کی کوئی بات ہمارے دیکھنے میں نہ آئی بلکہ ان کی تدبیریں سُن کر حیرت ہوتی تھی کہ مبتلا کا پلنا اور
پرورش پانا کیسا یہ گراں جان ان نادان دوستوں کے ہاتھ سے بچ کیوں کر گیا۔ کوئی دکھ کوئی روگ
نہ تھا کہ جس کو یہ لوگ اسباب غلط اور ادعائی نظر آسیب وغیرہ کی طرف منسوب نہ کرتے ہوں اور
چونکہ تشخیص میں غلطی ہوتی تھی اسی وجہ سے تدبیریں کی جاتی تھیں غلط در غلط مگر مبتلا خلقۃً
توانا پیدا ہوا تھا ہمیشہ اس کی طبیعت امراض پر غالب آتی رہی بہر کیف مبتلا کسی نہ کسی طرح
خدا کے فضل سے پل پلا کر بڑا ہوا۔ یہاں تک کہ اُن گنا[1] برس بھی خیریت کے ساتھ گزرا ابتلا
کی تعلیم و تربیت سے مستورات کو ظاہر میں تو کچھ سروکار نہ تھا۔ ہر چند وہ مکتب میں نہیں بیٹھا
کسی استاد سے اُس نے سبق نہیں لیا تاہم ہمارے نزدیک (اور ہمارے نزدیک کیا بلکہ واقع
میں) ایک اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت بہت کچھ ہو چکی تھی دنیا میں سارے لوگ پڑھے لکھے
نہیں ہوتے اور نہ پڑھنے لکھنے پر زندگی یا معاش کا انحصار ہے اصل چیز ہے عادات کی درستی
مزاج کی شائستگی طبیعت کی اصلاح سو جس وقت سے بچہ پیدا ہوتا ہے اُسی وقت سے وہ
اخذ[2] کر چلتا ہے اُن لوگوں کی خو بو جو اُس کو پالتے اُس کو اٹھاتے بٹھاتے۔ اُس کو سلاتے۔
اُس کو کھلاتے پلاتے ہیں ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بچے ایک مضغۂ گوشت کی طرح پڑے ہیں نادان
اور لایعقل۔ نہیں نہیں۔ وہ اپنے سارے حواس سے ظاہری ہوں یا باطنی بڑی کوشش کے
ساتھ کام لے رہے ہیں۔ چیزوں کو دیکھتے ٹٹولتے آوازوں کو سنتے اور جو دیکھتے سنتے ہیں
اُس کو حافظے میں رکھتے جاتے ہیں اس کی ایک آسان شناخت ہے کہ اگر بڑی عمر میں ہم کوئی دوسری زبان
سیکھنی چاہیں تو کس قدر کوشش کرنی ہوتی ہے بعض بعض اوقات سارے سارے دن رٹنا پڑتا ہے

[1] آٹھویں برس کو اُن گنا اور میٹھا برس کہتے ہیں ۱۲ [2] یعنی لے چلتا ہے اخذ بمعنی گرفتن ۱۲

اور ہم کو اپنی مادری[1] زبان سے لکھنا آتا ہے تو لکھنے سے اُس زبان کی صرف و نحو سے لغۃ سے
بھی بڑی مدد ملتی رہتی ہے تب ہم کو کہیں برسوں میں جا کر وہ زبان آتی ہے تاہم ناقص و ناتمام
بچے جن کو ہماری سہولتوں میں سے کوئی سہولۃ بھی حاصل نہیں کیا کچھ زحمۃ اٹھاتے ہوں گے کہ ذہین
ہوئے تو برس کے اندر ہی اندر ورنہ ڈھائی تین برس کی عمر میں تو مٹھے لدھڑ کند ذہن تک
طوطے کی طرح چرغنے لگتے ہیں کیا اتنی بات سے کہ کسی نے ہپّا - اور مما - اور ابّا - اور امّا -
دس بیس بار سکھانے کے طور پر ان کے سامنے کہہ دیا کوئی دعوی کر سکتا ہے کہ ہم نے اُن کو بولنا
سکھایا زبان کی تعلیم کی - نہیں یہ سب بچوں کی ذاتی کوشش ہے - پھر یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ بچوں
کی ساری ہمۃ صرف زبان کے سیکھنے میں مصروف رہتی ہے - ایک زبان کیا بھلا برا - آداب قاعدہ
نشست برخاست رغبۃ اور نفرۃ سود و زیاں دوست دشمن خویش و بیگانہ محبۃ اور عداوۃ
حیا اور غیرۃ غصہ اور لالچ حسد اور رشک - وغیرہ وغیرہ سارے سبق ان کو ایک ساتھ شروع
کرا دیئے جاتے ہیں - پس مبتلا جس کی عمر آٹھ برس کی ہو چکی تھی پڑھ چکا تھا جو کچھ اُس کو پڑھنا تھا
اور سیکھ چکا تھا جو کچھ اُس کو سیکھنا تھا ماں سے باپ سے نانی سے خالہ سے بہنوں سے گھر کے نوکروں
سے آئے گئے سے - عمر کے اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیۃ کی ایسی مثال تھی کہ جیسے کپڑا مول لیا گیا
درزی نے قطع کیا سیا اور کھڑا کرنے کے بعد اُس نے پہنا کر بھی دیکھ لیا صرف بخیہ کر دینا باقی ہے
اب اگر کپڑا بدرنگ یا گلا ہوا نکلے یا کہیں سے تنگ ہو جائے تو درزی اس میں کیا کمال کرے گا
کپڑا لیتے وقت یا قطع کراتے وقت یہ باتیں دیکھنے کی تھیں اور نہیں دیکھیں تو جھک مارو اور وہی
پہنو گلا ہوا کہ پہنا اور مسکا کچے رنگ کا جس میں پہلے ہی دن دھبے نمودار ہوں تنگ کہ پہنتے ہی
بدن میں بدھیاں پڑیں اور سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ جائے - اب دیکھنا چاہیئے کہ مبتلا پر

[1] وہ زبان جو ماں باپ اور پالنے پوسنے والے سکھاتے ہیں یعنی دیس کی زبان ۱۲

زنانخانے کی تعلیم کا کیا اثر مترتب ہوا تھا جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا ضدی۔ چڑچڑا۔ غصیلا
۔مچلا۔ ہٹیلا۔ زود رنج۔ مغرور۔ خود پسند۔ طماع۔ حریص۔ تنگ چشم۔ بودا۔ ڈرپوک۔ شوخ
شریر۔ بے ادب۔ گستاخ۔ کاہل۔ آرام طلب۔ جابر۔ سخت گیر۔ گھر گھسنا۔ زنانہ مزاج بنتا گیا۔
اُس کو دنیا و مافیہا[1] کی کچھ خبر تو تھی نہیں کبھی وہ بے رت کے پھلوں اور بے موسم کے میووں کے لیے
گھنٹوں لوٹتا اور پٹخنیاں کھاتا پہروں ایڑیاں رگڑتا اور آخر کو ایڑیوں کے بدلے اپنے چاہنے
والوں اور نازبرداروں سے ناک رگڑوا لیتا تب بمشکل چپ کرتا وہ جب جی چاہتا جو چیز چاہتا
جتنی چاہتا کھاتا اور اپنی بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں سے بیمار پڑتا اور اُلٹا ماں سے
لڑتا ایک مرتبہ سنا کہ وہ اس بات پر خوب رویا اور بہت بکھرا کہ ہائے بادل کیوں گرج
رہا ہے ہرچند سارا گھر اس بات کے اہتمام میں لگا رہتا تھا کہ کوئی امر اس کے خلاف مزاج
نہ ہو مگر اُس کو رونے اور بگڑنے کے لیے ہر وقت کوئی نہ کوئی بہانہ ایک نہ ایک حیلہ مل ہی
جاتا تھا۔ اس کی ناخوشی کا روکنا حقیقۃً میں انسان کے اختیار سے خارج اور آدمی کی قدرۃ
سے باہر تھا کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ وہ کس بات پر روٹھ جائے گا۔ اور روٹھے پیچھے کسی کو خبر
نہ تھی کہ وہ کیوں کر منے گا۔ لاکھ اللہ آمین کیوں نہ ہو کہاں تک برداشت کتنا تحمل آخر رفتہ رفتہ
لوگ اُس کے لاڈ پیار میں کمی کرنے لگے سب سے پہلے بڑی اور بیاہی ہوئی صاحب اولاد
بہنوں نے بے رخی ظاہر کی آخر تھیں تو اُسی کی بہنیں جب اُس کی شوخی و شرارۃ سے عاجز
آتیں جھڑک دیتیں اور گھرک بیٹھتیں بلکہ ایک تو ایسی جلے تن تھی کہ یہ اس کے پاس بھانجے کو
دق کرنے اور بوٹیاں توڑنے گیا اور اُس نے دور ہی سے ڈانٹا کہ خبردار جو میرے بچے
کو چھیڑا ہو گا میں ایسے چوچلے ایک نہیں سمجھتی دیکھ خدا کی قسم میں مار بیٹھوں گی ماں کا بھی

---

[1] یعنی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ۱۲

مبتلا کے ہاتھوں دم ناک میں تھا۔ مگر سچ کہا ہے حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[۱] وہ کھسیانی
تو ہوتی تھی مگر ادھر جوش آیا اور فوراً ٹھنڈی پڑ گئی تیوری پر بل پڑ چلا تھا کہ کھلکھلا کر ہنس دی
مبتلا کی برائیوں کو برائی سمجھنا تو درکنار وہ اس کی طرف سے ساری دنیا کے ساتھ ہر وقت لڑنے کو
طیار تھی ایک مرتبہ مبتلا خدا جانے کس بات پر پیچھے سے ماں کی چوٹی گھسیٹے جاتا تھا سب سے
بڑی بہن نے (جس کی پہلونٹی کی بیٹی مبتلا سے بھی دو برس بڑی تھی) دیکھ کر کہا سبحان اللہ
کیا ماں کا وقر ہے لاڈ پیار بہت دیکھے مگر اتنا ناہموار اس درجے بے تمیز جب ماں کا یہ ہڑا کر رکھا ہے
تو ہمارا تو سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گا۔ ہائے تو میرا بیٹا نہ ہوا تجھ کو ایسا ٹھیک بناتی کہ یاد ہی
تو کرتا۔ باوجودے کہ بیٹی نے نصیحت کی بات کہی تھی مگر ماں پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے لپٹی اور
سر ہو گئی۔ ماں کی پردہ داری کی وجہ سے باپ کو مبتلا کی شوخیوں کی پوری پوری خبر نہیں
ہونے پاتی تھی پھر بھی جس قدر حال چار و ناچار معلوم تھا اُس سے اُنھوں نے اتنا تو سمجھ لیا تھا کہ
اُس کا اُٹھان اچھا نہیں۔ مبتلا کو چھٹا سال لگا تھا باپ نے اس کو مکتب میں بٹھانا چاہا۔
عورتوں نے عذر کیا کہ آئے دن تو یہ بیمار رہتا ہے مکتب کی قید اور استاد کی تنبیہ سے ان کا نگوڑا
اتنا سا جی رہا سہا اور بھی اُداس ہو جائے گا ابھی جینے تو دو اور مبتلا کی ماں نے تو کھلم کھلا
کہہ دیا کہ جب تک اصل خیر سے آن گنا نہ گزر جائے میں تو اُس کو نہ پڑھاؤں نہ لکھاؤں غرض
عورتوں کی ہٹ اور ہیکڑی نے مبتلا کے پورے تین برس کھوئے مگر سچی بات یہ ہے کہ مبتلا
کا باپ اپنی طرف سے برابر اس کی کوشش میں لگا رہا اس پر بھی جو مبتلا تین برس تک آوارہ
ہوتا رہا تو یہ اس کے باپ کا مساہلہ اور ضعف تھا ماں کی نادانی اور حماقت اور خود مبتلا کی بدبختی اور کم بختی
اتنا تھا کہ جب باپ کو مبتلا کی کوئی بے حجابات معلوم ہوتی تو ڈرانے دھمکانے تو نہیں مگر نرمی اور دل جمعی

[۱] انسان کو ایک چیز کی محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

کے ساتھ اس کو سمجھا ضرور دیتے کہ بیٹا یہ حرکت بہت نامناسب ہے اور خود اس کے ساتھ ظاہری پیار اخلاص اتنا نہ رکھتے کہ ماں کی چوٹی کے ساتھ ان کی داڑھی بھی کھسوٹنے لگتا مبتلا کو باپ کا کسی طرح کا خوف تو نہ تھا مگر یوں کہو کہ زیادہ میل جول نہ ہونے کی وجہ سے ایک طور کی جھجک اور رکاوٹ تھی چاہو اس کو لحاظ سے تعبیر کر لو مگر کیا اتنا کرنے سے مبتلا کے باپ نے باپ ہونے کا فرض ادا کیا۔ ہرگز نہیں اُس نے عورتوں کو مبتلا کی شرارتوں کی پردہ داری کرنے دی اُس نے بیٹے کی حالات سے پوری پوری خبر نہ رکھی اُس نے جتنی خبر رکھی اُس کا بھی تدارک جیسا چاہیے تھا نہ کیا اُس نے مستورات ناقصات العقل کی بات سے میں آکر جلد سے جلد بیٹے کو پڑھنے کے لیے نہ بٹھایا اور اُس کے اکٹھے تین تین برس ضائع ہونے دیئے اتنا غنیمت ہوا کہ مبتلا کو اُس کی ماں نے اپنے وہم کے پیچھے اکیلا دوکیلا گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا ورنہ محلے میں دھوبی کنجڑے بھٹیارے قصائی تیلی اس قسم کے لوگ بھی رہتے تھے اگر کہیں مبتلا ان لوگوں کے لڑکوں میں کھیلنے کو دنے پاتا تو ساری خوبیاں جاکر ایک فی اتی شرافت باقی تھی وہ بھی گئی گزری ہوتی جب تک بیٹھا برس ختم ہو مبتلا کے مزاج کی تلخی اضعافاً مضاعفۃ بڑھ گئی تھی ادھر ابھی سالگرہ کو دو تین مہینے باقی تھے کہ باپ نے بسم اللہ اور مکتب کی چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ بارے اس مرتبہ عورتوں نے بھی چنداں مزاحمت نہیں کی اور سالگرہ اور بسم اللہ دونوں تقریبیں ایک ساتھ ہو گئیں

دوسری فصل مبتلا کی تعلیم مکتبی اور اُس کا اثر

اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے لیئے دروازے پر مکتب بٹھانا پڑا تو شروع شروع میں تو میاں جی کے پاس تک جانے اور مکتب میں بیٹھنے کے لیئے مبتلا نے خوب خوب فیل مچائے اور غضب بکھرا مگر آخر سودے کی چاٹ اور پیسوں کے لالچ اور ماں کے چمکارنے پچکارنے سے جانے اور بیٹھنے تو لگا بیٹھے پیچھے پڑھنا چنداں مشکل نہ تھا ذہن اور حافظہ دونوں خداداد اس

بلا کے تھے کہ جو دوسرے لڑکے ہفتوں میں کرتے تھے وہ بھی بڑی ریں ریں کے ساتھ مبتلا گھنٹوں میں کھیلتے کودتے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے کر لیتا کہتے ہیں کہ دو دن میں تو اُس نے الف بے کے حروف مفرد ایسی اچھی طرح پہچان لیئے تھے کہ کتابوں میں سے آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر بتاتا۔ پڑھنا تھا کہ اس کے ساتھ واہ واہ شاباش شروع ہوئی اس سے دل کی امنگ بڑھتی چلی اور ہردا کھلتا گیا۔ مبتلا نہ مطالعہ دیکھتا نہ سبق یاد کرتا نہ آموختہ پڑھتا مگر ایک ہی دفعہ کے دیکھ لینے سے وہ سب ہم سبقوں میں میر ہی رہتا تھا۔ بدشوقی اور شوخی اور شرارت کی نسبت جو چاہو سو کہو پڑھنے لکھنے کے متعلق تو میاں جی کو اس کی شکایت کرنے کا موقع ملا نہیں پرلے سرے کی بے توجہی اور حد درجے کی بدشوقی پر چھ برس میں اس کی فارسی کی استعداد ایسی ہو گئی تھی کہ مکتب کے لڑکے تو کیا خود میاں جی باوجودے کہ اچھے جیّد فارسی داں تھے اور درسی کتابیں بھی ان کو خوب مستحضر تھیں اس کو سبق دیتے ہوئے بھنّاتے تھے۔ مبتلا کو مکتب کی تعلیم نے اتنا فائدہ تو پہنچایا کہ اس کو ایک دوسرے ملک کی زبان جس کے بدون اُردو کی تکمیل نہیں ہو سکتی اچھی خاصی آ گئی مگر اس تعلیم سے اس کو ایک بہت بڑا نقصان بھی پہنچا جس کو اندر باہر کسی نے جانا پہچانا نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مبتلا کو اپنا حسین ہونا کب سے معلوم ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس خاندان میں صورۃً شکل کی بڑی پرچول رہتی تھی اس خاندان کی عورتوں کے نزدیک تو دنیا بھر کے ہنر سلیقے حسب نسب دولت تن درستی نیک مزاجی صاحب اولاد ہونا دین داری ساری نعمتیں اور برکتیں ایک طرف اور گورا رنگ اور نقشہ ایک طرف۔ صورۃً شکل تو انسان کے اختیار کی بات نہیں خدا جس کو جیسا چاہتا ہے بناتا ہے۔ ایک ہی ماں کے پیٹ سے دس بچے ہوتے ہیں اور کیا خدا کی قدرت ہے کہ دسوں کی دس شکلیں ورنہ ایک دوسرے سے ملتیں ہو کر کوئی پہچان نہ پڑے انسان کے چہرے کی بساط کیا اتنی ہی سی جگہ میں ہزاروں لاکھوں

کروروں مختلف نقشے یہ سب اُس کی قدرۃ کی دلیلیں ہیں آدمی اتنا سمجھے تو اپنے چہرے مُہرے پر
نہ ناز کرے نہ دوسرے پر ہنسے مگر مبتلا کے خاندان کو ایسے خیالات سے کیا واسطہ یہاں تو چھوٹے
بڑے بڈھے جوان بیاہے کوارے سب کو صورۃ شکل کا پٹنا تھا - آپس ہی میں اسی صورۃ
شکل کے پیچھے ایک کی ایک سے نہیں بنتی تھی - ایک ایک کو چڑاتی ایک ایک کی نقلیں کرتی
اور اگر اتفاق سے کنبے میں کوئی تقریب ہوتی اور یہ لوگ مہمان جاتے یا کہیں شامت کی
ماری کسی نئی دلہن کو دیکھ آتے تو بس مہینوں ان کو صورتوں کا جھگڑ لگا رہتا یہاں تک
کہ ان عورتوں کی ایسی عادتیں دیکھ کر لوگ ان سے ملنے میں مضایقہ کرنے لگے تھے مبتلا کا ایسے
خاندان میں پیدا ہونا اور پرورش پانا ہی اس بات کی دلیل ہی کہ جب اس کو بات کے
سمجھنے کا شعور ہوا تو شاید سب سے پہلی بات جو اُس نے سمجھی یہی ہوگی کہ حسن صورۃ اس کو کہتے
ہیں اور میں اس کا مصداق ہوں[1] مگر جب تک مبتلا زنان خانے کی نگرانی میں رہا اس کی عمر ہی
کیا تھی سات آٹھ برس اُس وقت تک وہ اتنا ہی سمجھ سکتا تھا کہ میٹھی چیز سب کو بھاتی ہی اور چونکہ وہ
اپنے ذائقے میں بھی اس کی لذۃ پاتا تھا اس نے سمجھا تھا کہ حقیقۃ میں بھانے کی چیز ہی - آگ کو چھوتے
ہوئے لوگ ڈرتے ہیں اور اس نے بھی شاید دو چار بار اس سے چرکا کھایا ہوا اس سے اُس کو معلوم
تھا کہ آگ سے جل جاتے ہیں - غرض جس چیز کی نسبۃ لوگوں کو کہتے سُنا کہ اچھی یا بُری ہی
آپ بھی تجربہ کیا تو ثابت ہوا کہ جس چیز سے آرام پونہچے دل کو خوشی ہو اچھی ہی اور جس سے ایذا
پونہچے تکلیف ہو بُری - حسن کی خوبی کی نسبۃ اُس کو ایسا یقین کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا
کیونکہ اُس کو حسن سے متلذذ ہونے کی اس وقت تک اہلیۃ ہی نہ تھی - مکتب میں بیٹھنے کے
بھی ایک مدۃ بعد اس میں جوانی کے ولولوں کی تحریک شروع ہوئی اور جوں جوں یہ تحریک قوۃ

[1] یعنی میری صورۃ اچھی ہی ۱۲

اور اشتداد پکڑتی گئی اس پر پسندیدگی حسن کی وجہ منکشف ہوتی گئی آسی کا تذکرہ گھر میں تھا اور اسی کا سبق مکتب میں اور اب لگا اندر سے دل بھی اسی کی گواہی دینے۔ مبتلا نے جو زبان فارسی کے سیکھنے میں غیر معمولی ترقی کی اس کا بھی سبب یہی تھا کہ اکثر کتابیں نظم جن کو مبتلا کی صورہ شکل کا آدمی بے مزامیر ذرا لَے سے پڑھے تو اچھے خاصے ثقہ مجرے کا مزا اسکے مضمون دیکھو تو جھڑ اعاشقی جس کے نام سے نوعمر آدمی کے مونہ میں رال بھر آئے۔ مادہ قابل طبیعۃ مناسب مبتلا کا تو حال یہ تھا کہ جو شعر عاشقانہ ایک بار بھی اس کی نظر سے گزرا دیکھتے کے ساتھ ہی کالنقش فی الحجر ہو گیا غرض فیضان مکتب سے حضرۃ میں ایک صفۃ اَور پیدا ہوئی یعنی عاشق مزاجی۔

تیسری فصل مبتلا کا مدرسے میں تعلیم پانا اور برے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہونا

مبتلا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسے میں بٹھایا جائے مگر عورتوں کو مبتلا کی اتنی مفارقۃ بھی گوارا نہ ہوئی ناچار پورے چھ برس میاں جی کو نوکر رکھ کر اس کو گھر ہی پر تعلیم کرایا اب میاں جی کا بھی سرمایۂ معلومات ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درسی متداول کتابیں سب مبتلا کی نظر سے نکل گئیں اور بات صاف تو یہ ہے کہ مبتلا کے سر میں اب اَور ہوا بھری ہوئی تھی اس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں یاروں کے جلسے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر میسر نہ تھیں باپ نے کچھ اَور سوچا مبتلا نے کچھ اَور غرض سب کی صلاح سے مبتلا مدرسے میں داخل ہوا۔ گو مبتلا نے چھ برس مکتب میں تعلیم پائی مگر مکتب کیا تھا برائے نام اس کا جی بہلنے کے لئے چار پانچ ریزگی لڑکے اَور بٹھا لیئے گئے تھے یعنی بحسابے[1] چودہ برس کی عمر تک مبتلا بھونرے میں پلا۔ اور دنیا کی کسی قسم

[1] بحسابے یعنی ایک حساب سے ۱۲—

کی ہوا اُس کو نہ لگنے پائی اب جو مدرسے کی عربی جماعۃ میں داخل ہوا تو اُس نے دیکھا لڑکوں کا جنگل کہ سات سات آٹھ آٹھ برس کی عمر سے لے کر بیس بائیس تئیس چوبیس برس تک کے اچھے خاصے جوان ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑھے چار سو لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اگرچہ انگریزی عربی فارسی سنسکرت ریاضی کی جماعتیں علی احدہ ہیں اور ہر جماعۃ کا کمرا الگ مگر اوقات درس کے علاوہ سب ایک دوسرے سے بلا امتیاز آزادانہ ملتے بات چیت کرتے اور کھیلتے ہیں مبتلا کو یہ حال دیکھ کر بلا مبالغہ ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی جانور کو قفس سے آزاد کر کے باغ میں چھوڑ دیا جائے اب تک وہ یہی جانتا تھا کہ میاں جی ہوئے مولوی ہوئے بڈھے ہی ہوتے ہوں گے کیوں کہ اس نے اپنے میاں جی کو دیکھا تھا پلکیں تک سفید تھیں۔ یہاں مدرسے میں آ کر دیکھا مدرس اکثر جوان کہ اب سے چار چار پانچ پانچ برس پہلے خود طالب العلم تھے امتحان دیا کامیاب ہوئے زمرۂ مدرسین میں داخل کر لیے گئے اس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرۃ ہوئی کہ بعض مدرس اپنی جماعۃ کے بعض بعض طالب العلموں سے بھی کم سن ہیں جس جماعۃ میں مبتلا داخل ہوا چوں کہ عربی کی سب سے چھوٹی جماعۃ تھی اس میں طالب العلموں کی بڑی کثرۃ تھی رجسٹر میں تو ستر لڑکوں کا نام تھا مگر پچاس پچپن ہمیشہ حاضر رہتے تھے ان میں سے ایک تہائی کے قریب مبتلا سے بہت بڑی عمر کے تھے اس جماعۃ کو جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے جیسے اُن کی جماعۃ سب جماعتوں میں چھوٹی تھی ویسے ہی تمام مدرسوں میں خود بھی سب سے چھوٹے تھے عمر میں قد و قامۃ میں وقعۃ و وجاہۃ میں یعنی قسمۃ سے مدرس بھی ملے تو یار استاد۔ لونڈا تھا نکیلا اور طرح دار مدرسے کے احاطے میں پاؤں کا دھرنا تھا کہ یاروں نے مبتلا کو ہاتھوں ہاتھ لیا بعضے تو ٹکٹکی باندھ باندھ کر ایسی بری طرح گھورتے تھے کہ گویا آنکھوں کے رستے کھائے جاتے ہیں

پہلے ہی سے لڑکوں میں بہت سی ٹولیاں تھیں اب ایک بڑی بھاری اور نئی ٹولی مبتلا کی قائم ہوئی۔ ایک جماعۃ بندی تو سرکاری تھی کہ جس قدر لڑکے ہم سبق ہوتے سب کے سب وقت واحد میں ایک اُستاد سے پڑھتے مگر ایک جماعۃ بندی لڑکوں نے آپس میں ٹھیرا رکھی تھی جس کو ہم نے ٹولی سے تعبیر کیا۔ جس طرح سرکاری جماعۃ بندی کے اوقات مقرر تھے کہ مثلاً جب ریاضی کا گھنٹہ آیا عربی اور فارسی اور سنسکرت کی جماعتوں سے جو جو ریاضی کا پڑھنے والا اُٹھا ماسٹر صاحب کی خدمت میں آحاضر ہوا اسی طرح ٹولیوں کے اجتماع کے بھی خاص خاص اوقات تھے مدرسے کے وقت سے ذرا پہلے لڑکے سویرے مدرسے میں آ پونہچتے یا جب ایک بجے نماز کے لیئے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوتی یا مدرسہ برخاست ہونے کے بعد ان تین وقتوں میں جو لڑکا جس ٹولی کا تھا اُس میں آملتا اور بعض نِکھٹّو بھی پڑے پھرتے تھے جو کسی ٹولی میں نہ تھے۔ یہ ٹولیاں ایک مجمع ناجائز تھیں اور ان کی اغراض مشترکہ تمام تر بیہودہ۔ مدرسے کے سارے انتظام اچھے تھے چیزیں وہ پڑھاتے جو دنیا میں بکار آمد ہوں شوق کے مشتعل کرنے کو امتحان کا قاعدہ نہایت عمدہ تھا فرداً فرداً ایک ایک لڑکے کو الگ الگ سبق پڑھانے سے جماعۃ جماعۃ کو پڑھانے کا نہایت مفید طریقہ تھا اس سے لڑکوں میں ایک طرح کی منافسۃ پیدا ہوتی تھی کہ ایک پر ایک سبقت لے جانی چاہتا تھا دوسرے ہم سبق ہونے سے ایک ایک کی مدد کر سکتا تھا تیسرے لڑکوں کی لیاقۃ کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی ہو سکتا تھا۔ لڑکوں کو حاضر باشی کا پابند کرنے کے لیئے ترتیب نشست کارد و بدل بھی بہت موثر تھا۔ پڑھائی اس قدر تھی کہ لڑکوں کے تمام وقت کو مشغول رکھنے کے لیئے بخوبی کافی تھی نوبۃ بنوبۃ مختلف مضامین کے پڑھانے سے طبیعۃ ملول اور کُند نہیں ہونے پاتی تھی غرض سبھی انتظام بھلے تھے مگر افسوس لڑکوں کے چال چلن اور اخلاق کی طرف کسی کو مطلق توجہ نہ تھی ہر مدرس اس فکر میں رہتا کہ جس چیز کا پڑھانا اُس سے

متعلق ہی اُس چیز کے امتحان میں لڑکے بُرے نہ رہیں جب تک کوئی لڑکا اس شرط کو پورا کئے جاتا ہی اگرچہ چوری چھپے ناجائز طور پر دوسروں سے مدد لے کر ہی کیوں نہ ہو کسی کو اُس کے کردار سے بحث نہیں۔ چوری کرو جھوٹ بولو سربازار جوتی پیزار لڑو گالیاں دو اور گالیاں کھاؤ شرافت کو بٹا لگاؤ بدمعاشوں میں رہو اور بدمعاش بنو گیڑیاں کھیلو پتنگ اڑاؤ اکھاڑے میں جا کر ڈنڑ پیلو مگدر ہلاؤ گاؤ بجاؤ غرض جو تمھارا جی چاہے سو کرو مگر جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں اُن میں امتحان اچھا دو تو سکالرشپ بھی ہی انعام بھی ہی سرٹیفکٹ دوئی بھی ہی۔ آفریں اور تحسین بھی ہی واہ واہ بھی ہی چھٹی بھی ہی سرٹیفکٹ بھی ہی اور آخر کار نوکری بھی ہی۔ مدرس خوش پرنسپل صاحب راضی۔ مبتلا کی افتاد تو روز پیدایش سے بگڑی ہوئی تھی زنان خانے میں پرورش پاتا تھا کہ اس کے دل میں بدی کا بیج بویا گیا مکتب میں تھا کہ بیج کا درخت ہوا اب مدرسے میں آکر وہ درخت پھولا اور پھلا گھر میں بچھڑا تھا۔ مکتب میں بچھڑے کا بیل ہوا اور مدرسے میں بیل کا سانڈ کسی قسم کی آوارگی نہ تھی جو اس سے بچی ہو اور کسی طرح کی بیہودگی نہ تھی جو اس نے نہ کی ہو جس طرح مبتلا مدرسے کے بُرے لڑکوں کی صحبت میں بانکا بنا چھیلا بنا طرحدار بنا مسخرہ بنا کوچہ گرد بنا ننگ خاندان بنا اور کیا کیا بنا۔ اسی طرح مبتلا تخلص رکھ کر شاعر بنا اور فضیحتیں تو رفتہ رفتہ بھولی بسری ہو گئیں شاعری کی یادگار اس کا منحوس تخلص رہ گیا۔ ہم کو تو اس کے نام سے اس قدر نفرت ہو گئی ہی کہ اس کے حالات کا دریافت کرنا کیسا سُننے کو بھی جی نہیں چاہتا مگر خیر مُونھ پر بات آئی رُک نہیں سکتی آٹھ برس یہ کم بخت مدرسے میں رہا آخر کچھ نہ کچھ تو پڑھتا ہی ہو گا کہ عربی کی دوسری جماعت تک اُس نے ترقی کی دس روپیہ مہینا وظیفہ پاتا تھا برس کے برس انعام بھی ملتے رہتے تھے ایک سال سنا کہ ایسا اچھا امتحان دیا کہ تمغا ملا یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اور نہ اس سے آوارگی کا الزام دفع ہو سکتا ہی ہم کو اس کی ذکاوت کا حال معلوم ہی

وہ اس بلا کا ذہین تھا کہ مدرسے کی پڑھائی کی اُس کے آگے کچھ حقیقت ہی نہ تھی برس میں ایک بار
تو امتحان ہوتا تھا اکثر انگریزوں کے بڑے دن سے پہلے پس امتحان کے مہینے ڈیڑھ مہینے
آگے سے وہ طیاری کر لیتا ہوگا۔ لیکن فرض کیا کہ وہ اچھی طرح پڑھتا ہی ہو تو بد وضع کو
پڑھنے سے فائدہ علم سے حاصل اس سے جاہل بمدارج بہتر اَن پڑھ کہیں بھلا مدرسے سے
پہر سوا پہر رات گئے بلکہ کبھی آدھی کبھی پچھلی رات کو تو اُس کا گھر میں آنے کا معمول شروع
تھا اور پھر اچھی طرح سورج نہیں نکلا کہ اُس کے شیاطین الانس لگے گھر پر آکر کنڈی
کھٹکھٹانے دستک دینے اور پکارنے سیٹی بجانے اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ تین
تین چار چار دن تک برابر غائب ماں کو یہ تمام تفصیلی حالات معلوم تھے مگر اب اس کی
محبت کا دوسرا رنگ تھا بیٹے سے اس قدر ڈرتی تھی جیسے قصائی سے گائے اس کے دل میں
آپ سے آپ یہ خوف سما گیا تھا کہ بیٹا ہی ماشاء اللہ جوان ایسا نہ ہو میری بات کا بُرا مان کر کہیں
کو نکل جائے یا اپنے تئیں ہلاک کرے تو پھر میں کدھر کی ہوئی اس ڈر کے مارے بے چاری
کبھی چوں نہیں کرتی تھی اور مبتلا نے اپنے تئیں اس کے نزدیک ایسا ہوّا بنا رکھا تھا کہ جب
اس کی صورت دیکھتی ہکا بکا ہو کر رہ جاتی پہلے سے بھی مبتلا کی شرارتوں کی باپ سے
پردہ داری کی جاتی تھی اب انہیں شرارتوں کی بدکرداریاں ہو گئی تھیں ادھر شرارتوں میں
ترقی ہوئی اُدھر پردہ داری میں زیادہ اہتمام ہونے لگا مگر باپ نے دھوپ میں داڑھی
سفید نہیں کی تھی بڈھا اس کی چال ڈھال سے اس کی گفتگو سے اس کی کن انکھیوں سے تاڑ لیتا تھا مگر بی بی کا
مغلوب تھا اور خوب جانتا تھا کہ اُس کو بیٹے کے ساتھ بلا کا شغف ہے اور یوں بھی ہر کام میں مساہلت کرنا اس کی
ہمیشہ کی عادت تھی اور انہیں وجوہ سے اُس نے مبتلا کی اصلاح کی طرف کبھی پوری توجہ نہ کی اب جوان بیٹے کے کیا مُونہ لگتا
ایک کہتا تو دس سنتا آخر اس کے سوائے اور کچھ نہ سوجھ پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس کو پابند کر دیا جائے

چوتھی فصل مبتلا کا بیاہ اور اس کا معاملہ بی بی کے ساتھ

یہ کب کی بات ہے کہ مبتلا کو مدرسے میں داخل ہوئے چوتھا برس شروع تھا۔ خوش حال باپ کا بیٹا صورۃ شکل کا اچھا بلکہ حد سے زیادہ اچھا پڑھا لکھا کماؤ دس روپیہ کا مدرسے میں وظیفہ دار اس و داد کے لڑکے کو بیٹیوں کی کیا کمی تھی قاعدے کے مطابق مبتلا کی طرف سے بیٹی والوں کے یہاں ابتداءً رقعہ جانا چاہیئے تھا مگر مبتلا کی ظاہری حالات دیکھ سن کر لوگ اس قدر ریجھے ہوئے تھے کہ کئی جگہ سے بیٹی والوں نے مونہ پھوڑ کر رقعہ منگوا بھیجا دستور کی بات ہے کہ خریداروں کی کثرت ہوتی ہے تو بیچنے والے کے نخرے چل جاتے ہیں۔ مبتلا کی ماں بہنوں کا یہ حال تھا کہ کہیں کی بات ان کے خاطر تلے آتی ہی نہ تھی ورنہ کیا مبتلا جیسا اللہ آمین کا بیٹا سترہ اٹھارہ برس کی عمر تک کوارا بیٹھتا اب تک تو اس کے ایک چھوڑ کبھی کے چار چار بیاہ ہو گئے ہوتے۔ اس گھر کی خوش حالی اتنی ہی تھی کہ قلعے کی تنخواہیں اسامیاں مکانات کا کرایہ ملا کر کل سو سوا سو روپے کی آمدنی تھی اور اس میں اتنا بڑا کنبہ مگر وہ تو مبتلا کا باپ ایسا منتظم اور کفایت شعار آدمی تھا کہ اس نے اپنے سلیقے سے گھر کا بھرم بنا رکھا تھا اس حالت پر جہاں کہیں سے پیام آیا چھوٹتے کے ساتھ ایک دم سے چاندی کا بھی نہیں سونے کے پلنگ کی فرمائش ایسے اصرار کے ساتھ ہوتی تھی گویا کہ نکاح کی شرط اعظم ہے اور پھر معاملے کی بات ہے جیسا لینا ویسا دینا ہیکڑی تو یہ تھی کہ لیں تو سنہرا پلنگ اور دینے کے نام بیاہ ہی کے خرچ کے لیئے ادھی نہیں کیوں کہ ہمارے خاندان کا دستور نہیں۔ مہر شرع محمدی سو روپے کا چوڑا سو روپے کا جھومر۔ صورۃ شکل اپنی اپنی جگہ سبھی تلاش کرتے ہیں اور سچ پوچھئے اور غور کیجئے تو اسکی تو یہ بات ہے کہ باوجودیکہ ہر شخص خوب صورتی کا خواہاں ہے مگر بری بھلی کالی گوری یہاں تک کہ کانڑی کھدری اللہ کی بندیاں سبھی کبھی چلی جاتی ہیں ہم نے تو اتنی عمر ہونے آئی کسی کو صورۃ کی وجہ سے کواری بیٹھے نہ دیکھا تاہم چوں کہ مبتلا ایک خوب صورۃ خاندان کا آدمی اور خود بھی بڑا

خوب صورت تھا اگر اس کے لیئے خوب صورت بی بی تلاش کی جاتی تھی تو کچھ بے جا بات نہ تھی مگر تلاش کرنے کے بھی طریقے ہوتے ہیں کہ عورتیں چوری چھپے حیلے بہانے کسی نہ کسی طرح لڑکی کو یا تو خود کسی وقت دیکھ آتی ہیں یا اپنے دیکھنے کا موقع نہیں بنتا تو کسی کو بھیج کر دکھلوا لیا کرتی ہیں یہاں تو یہ ضد کہ ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھ بھال کر کریں گے اور اپنے ہاتھوں سے لڑکی کے مونہ میں مصری کی ڈلی دیں گے کیسی کیسی جگہ سے پیام آئے کہاں کہاں رقعہ گیا مگر کہیں لین دین پر تکرار ہوئی کہیں صورت پسند نہ آئی کہیں دیکھنے بھالنے کی شرط نامنظور ہوئی غرض کوئی بات ٹھیری ٹھیرائی نہیں بچاسوں پیام مسترد اور بیسیوں جگہ سے رقعہ واپس۔ رشتے ناتے کی بات چیت ہوکر تھم تھما چھٹا ہو جانا یا رقعہ جا کر واپس آنا کچھ آسان نہیں ہے بیٹی والے اس میں اپنی ہتک سمجھتے ہیں اور اُن کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک جگہ کا رقعہ واپس جائے گا تو دوسروں کو خدا جانے کیا کیا خیالات پیدا ہوں گے اکثر ایسے موقع پر دلوں میں رنجش آجاتی ہے خیر ایک دو جگہ مجبوری ایسا اتفاق ہو تو مضائقہ نہیں کہ مبتلا کا رقعہ آج بھیجا اور رادبدا کر دس دن بعد ضرور اُلٹا منگوا لیا۔ جب متواتر واپسی رقعے کی نوبت پونچی تو سارے شہر میں ایک غل سا پڑ گیا اور جہاں جہاں سے رقعہ واپس منگوایا گیا ان کے ساتھ بیٹھے بٹھائے ایک طرح کی عداوت قائم ہوئی یہاں تک نوبت پونچی کہ جس مشاطہ سے کہتے کانوں پر ہاتھ دھرتے جہاں رقعہ بھیجتے وہ لوگ لانے والے کے اندر آنے تک کے روادار نہ ہوتے پس اس خاندان کے ناز بے جا نے مبتلا کو ایسا نکو بنا دیا کہ اب کوئی اس کی بات کی ہامی نہیں بھرتا تھا رقعے کا بے رد و کد واپس آنا تو ممکن ہی نہیں ایک گھر کا تو ہم کو حال معلوم ہے کہ وہاں پہلے مشاطہ کی معرفت زبانی بات چیت ہوئی وہ لوگ ان کے کنبہ دار بلکہ کچھ دور کے رشتہ دار بھی تھے مہینوں سوال و جواب ہوتے رہے اکثر باتیں طے ہو کر بعض کی نسبت کچھ تکرار در پیش تھی کہ یکایک ان کی طرف سے رقعہ جا موجود ہوا۔ بیٹی والے خوش ہوئے کہ گفت و شنود کے بعد جو رقعہ آیا تو

بس اسکے یہی معنی ہیں کہ منظور کر لیا چنانچہ یہی سمجھ کر رقعہ تو رکھ لیا اور جواب میں زبانی اتنا ہی کہلا بھیجا
کہ ہم کو بسر و چشم منظور ہے خدا انجام اچھا کرے ان شاء اللہ دو چار دن میں صلاح کر کے کوئی
اچھی سی تاریخ ٹھیرا کر کہلا بھیجیں گے سمدھنیں آ کر لڑکی کا منہ میٹھا کر جائیں پھر اللہ خیر
کرے جب اُن کی مرضی ہوگی بیاہ برات ہو رہے گا ہم تو اس وقت چاہیں تو اس وقت طیار
ہیں ہمارے یہاں ذرا دیر نہیں۔ جو عورت یہ پیام لے کر گئی تھی مبتلا والوں نے اُسی کے ہاتھ
کہلا بھیجا کہ پہلے ہماری شرطوں کے مطابق تحریری اقرار نامہ بھیج دیں تب تاریخ ٹھیرائی
جائے تاریخ کا ٹھیرانا ایسا کیا آسان ہے۔ یہ سن کر سب کو سخت تعجب ہوا اور اپنا سا منہ لے کے
رہ گئے آخر مبتلا والوں کی طرف سے واپسی رقعے کا تقاضا ہوا دن میں دو دو بار رقعے کے لیے
آدمی جاتا اور ایسی سخت سخت باتیں کہتا کہ گویا رقعہ کیا ہے مہاجن کا قرضہ ہے خیر ہار کر رقعہ واپس
تو کیا مگر اس طرح کہ مارے غصے کے نکال کر موہری پر پھینک دیا کم خواب کی تھیلی جس میں
رقعہ دستور کے مطابق لپیٹ کر آیا تھا تمام کیچڑ میں لت پت ہو گئی اور کہا کہ جاؤ اس کو شہد لگا کر چاٹو
اور دیکھو خبردار لڑکے کی اماں سے ضرور ضرور کہہ دینا کہ تمنے کنبے داری میں دو مہینے بات لگی
رکھ کر آپ ہی رقعہ بھیجا اور پھر آپ ہی اَنْہونی باتوں پر اصرار کر کے واپس منگوا لیا یہ کچھ بھلمنسات
کی بات نہیں ہے ہم نے مانا کہ ان کا بیٹا ان کے لیے چوہے کو ہلدی کی گرہ اللہ آمین کا ہے
مگر دوسروں نے بیٹیاں کوڑے پر پڑی نہیں پائیں ایسی شرطوں سے جو نہ سنیں
نہ دیکھیں ان کو شہر میں تو ان شاء اللہ بیٹی ملنے کی نہیں۔ سونے کا پلنگ ان کو مانگتے
ہوئے شرم نہیں آتی اس سے پہلے تین بیٹیاں بیاہ چکے ہیں اور ابھی اللہ رکھے دو اور موجود ہیں
بیٹیوں کو تو ڈھنگ کے نواڑی پلنگ بھی نہ جڑے بیٹے میں ایسا کیا سرخاب کا پر لگا ہے کہ بدون سونے کے پلنگ
کے اس کو نیند نہیں آتی ہے وہ لنگوڑا ہیجڑا ہے جس کو سارا شہر تھڑی تھڑی کر رہا ہے۔ خدا نہ کرے

جو کوئی بھلا مانس اُس کو بیٹی دے سونھ پر ہاتھ پھیر کر دیکھیں ناک رہی یا کٹ گئی ہمارے نزدیک
دنیا جہان کے نزدیک تو جڑ بنیاد سے کٹ گئی۔ جس گھر سے رقعے کی واپسی کا مذکور ہوا اس گھر کی
عورتیں ایسی ملنسار تھیں کہ سارے شہر میں ان کا حصہ بخرا چلتا تھا کہیں شادی بیاہ ہو کوئی دوسری
تقریب ہو ان کے یہاں ضرور بلاوا آتا اور یہ بھی اپنے یہاں کی چھوٹی بڑی تقریبات میں سبھی کو
بلاتے سبھی کو یکساں پوچھتے تھے ان عورتوں نے ضد میں آکر مبتلا کا اچھی طرح خاکہ اڑایا اور
سارے شہر میں خوب ڈھنڈورا پیٹا اور رسوا کیا غرض اس گھر کے بگاڑنے رہی سہی آدھی بھی آس
توڑ دی اب شہر میں مبتلا کی نسبت ناتے کا ہونا محال تھا بہت قریب کے رشتہ داروں میں جس قدر
بیٹیاں تھیں مبتلا تھے تو بڑے لاڈلے دودھ پی پی کر ان سب کو رضاعی بہنیں بنا چکے تھے
مبتلا کے نزدیک و دور کے رشتہ داروں میں وہی مثل تھی۔ ازیں سو رانده وزاں سو درمانده۔
اب صرف ایک گھر رہ گیا کہ ہو تو وہیں ہو ورنہ مبتلا ساری عمر کوارا پڑا پھرے۔ مبتلا کی پھوپھی
دلی سے دس بارہ کوس سید نگر میں بیاہی ہوئی تھیں وہ لوگ زمیندار تھے مگر زمینداروں میں
سربرآوردہ بڑے بڑے سالم چھ گانوں کے مالک اُن کے بزرگ تو مہمانداری اور مسافرنوازی
اور داد و دہش میں دور دور مشہور تھے مگر اب کثرت پٹی داری کے سبب نہ ویسی آمدنی تھی نہ وہ دل
قرب شہر کی وجہ سے رعایا شوخ حصہ داروں میں طرح طرح کی تکراریں غرض ہمیشہ ان میں کے
دو چار آدمی مقدموں کی پیروی کے لئے شہر میں موجود رہتے تھے۔ جس طرح دائم المرض اپنی
دوا کرتے کرتے حکیم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ مقدمے لڑتے لڑتے ایسے قانون داں ہو گئے تھے
کہ بیرسٹروں کو مات کرتے وکیلوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لڑائیاں مول
لیتے اور تلاش کر کر کے جھگڑے خریدتے قرب و جوار میں یہ لوگ ایسے لڑاکو اور
جھگڑالو مشہور تھے کہ لوگ ان سے رشتہ ناتا کرتے ڈرتے تھے رقعے کا پہنچنا

تو بہت بڑی بات تھی اگر ان کے یہاں جھوٹوں بھی تذکرہ ہوتا اور یہ چاہتے تو سچوں سر ہو جاتے اور کچھ ایسے قانونی اڑنگے لگاتے کہ کسی کی ایک نہ چلتی مگر مبتلا کو کوئی دوسرا گھر نہ تھا خدا نے ایسا ان کے غرور کو ڈھایا کہ کس کا پلنگ اور کہاں کا دیکھنا بھالنا مبتلا کی ماں گئیں اور منگنی ٹھیرا کان دبا کر چپکی چلی آئیں اور اگر ذرا بھی چیں چپڑ کرتیں تو فوجداری کے استغاثوں اور دیوانی کی نالشوں کے مارے ہوش بگڑ جاتے اب مبتلا کی منگنی کو منگنی نہ سمجھو بلکہ بیچ ڈالنا یا غلام بنا دینا یا عمر قید۔ سمدھیانے تو برابر ہی کے اچھے ہوتے ہیں خیر اٹھارہ بیس تک کے فرق کا بھی مضایقہ نہیں مگر یہاں تو سید نگر والوں کی اس قدر ہیبت چھا رہی تھی کہ جیسے کسی بڑے جابر کو تول کی۔ اُدھر سے حکم ہوتے تھے ادھر سے تعمیل اُدھر سے فرمائش ادھر سے بجا آوری اُدھر سے ناز ادھر سے نیاز لبا چندے اُنھوں نے کہلا بھیجا کہ اگلے مہینے کی دسویں کو اس طرح ساز و سامان کے ساتھ بارات یہاں پہنچے ویسا ہی ہوا بتیس ہزار روپیہ مہر باننا ہوگا اور مان لیا ہزار روپیہ جوڑے چڑھاوے کا نقد دینا ہوگا اور دیا پچیس روپئے مہینہ بیاری کا خرچ لکھوانا چاہا اور لکھوا لیا مگر بات یہ ہے کہ سید نگر والوں نے بیٹی کو دیا بھی تو اتنا کہ سونے کا پلنگ تو نہ تھا شاید ان کے یہاں کا دستور نہ ہوگا مگر گلے اور کانوں کا اور سر کا سارے کا سارا زیور دوہرا الا جڑاؤ الگ شادی بیاہ میں پہننے کا اور سادہ الگ ہر روز کے استعمال کا غرض سید نگر والوں نے بیٹی کا بیاہ اپنے نام کے مطابق کیا دلّی میں اتنا جہیز ملنا مشکل تھا لوگ باہر کی سو بھا اور مال و اسباب کی فہرست دیکھ کر پانچ ساڑھے پانچ ہزار کا جہیز آنکتے تھے اوپر کا خرچ الگ سو گھر کا دھڑیوں گھی اور سنوں غلہ زمینداروں کے یہاں اس کا حساب کیا۔ اُنیسویں برس مبتلا کا بیاہ ہوا جہیز کے اعتبار سے تو دُلہن بہت اچھی پائی ذات جماعت کچھ پوچھنی نہ تھی سگی پھوپھی کی بیٹی رہی صورۃ کوئی خاص چیز تو چنداں بُری نہ تھی بلکہ الگ الگ

دیکھو تو رنگ بھی گورا نہیں تو کھلتا ہوا چنپئی۔ آنکھ ناک دہانہ۔ ماتھا۔ مانگ۔ کسی میں کوئی خاص عیب نہ تھا ہاں چہرے کی مجموعی بناوٹ میں خدا جانے کیا بات تھی نزاکت اور جسم میں جامہ زیبی نہ تھی ہزار بیبیوں میں بیٹھی ہو تو صاف پہچان پڑتی کہ باہر کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مبتلا کے پہلو میں ہی ہی اور بھی بے رونق معلوم ہوتی تھی جن دنوں مبتلا کا بیاہ ہوا وہ اپنے آپے میں نہ تھا نشۂ شباب میں سرشار اور بدمست سیر تماشوں میں منہمک تھا اپنے بیاہ برات کی خبر سن کر خوش ہوتا تھا مگر صرف اس لیے کہ ناچ دیکھنے میں آئیں گے شادی کی تیاریاں دیکھ کر مسرۃ ظاہر کرتا تھا مگر فقط اس غرض سے کہ گانا سنیں گے وہ اگر سمجھ کو کام میں لاتا تو اس کی سمجھ رسا تھی اور جان سکتا تھا کہ بیاہ کیا چیز ہے اور بیاہ سے کس طرح کی ذمہ واریاں عائد ہوتی ہیں مگر وہ دنیا کے کام میں مطلق غور کرتا ہی نہ تھا اس لیے ایک لمحے کے لیے بھی بیاہ کے انجام کو نہ سوچا اس نے نکاح کے وقت قَبِلْتُ[1] کہا گویا کہ کھیل ہے اقرار نامہ پر دستخط کیے یعنی ہنسی ہے اس کو بی بی کی طرف ملتفت ہونا چاہیئے تھا اور ملتفت ہونے کی اس کی عمر بھی تھی مگر اس کی آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں ناز و کرشمہ غمزہ و ادا مٹک چٹک وہ شریف زادیوں میں کہاں اور خصوصاً دیہات کی شریف زادیوں میں پس اس نے بی بی کو دیکھا ناپسندیدگی سے استکراہ سے اور ناخوشی سے اور بی بی کے ساتھ اس کی لشتم پشتم گزرتی گئی اور آپس میں ویسی محبۃ و موانستہ پیدا نہ ہوئی جیسی نئے بیاہے ہوئے دولہا دلھن میں ہونی چاہیئے اور عموماً نہیں تو اکثر ہوا بھی کرتی ہے علاوہ اس کے مبتلا کو ابھی اپنی ہی پرداخت سے فرصۃ نہ تھی سو دلہنوں کی ایک دلہن تو وہ آپ تھا بناؤ سنگھار میں ہر دم مصروف زیب و زینۃ میں ہر لمحہ مشغول وہ خود اپنی حسن صورۃ پر اس قدر فریفتہ تھا کہ آئینہ دیکھنے سے کبھی اس کو سیری ہی نہیں ہوتی تھی اس کو یہاں تک خبط نے گھیر رکھا

[1] میں نے قبول کیا۔ نکاح کے وقت ایجاب و قبول اسی طرح ہوتا ہے ۱۲

تھا کر راستہ چلتا تو مڑ مڑ کر اپنے سائے کو دیکھتا جاتا۔

پانچویں فصل مبتلا کی مصیبتوں کا آغاز اور اُس کی بدکرداریاں

بیاہ تک مبتلا کی زندگی نہایت ہی بے فکری سے گزری اُس نے چودہ برس کی عمر تک گھر میں ایسے عیش و آرام کے ساتھ پرورش پائی کہ کم تر کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ مدرسے میں اس کے یار دوستوں نے ماں باپ سے بڑھ کر اس کی ناز برداریاں کیں مگر اب اس کے عیش کی مدۃ آرام کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور یہی حال ہے دنیا کی تمام حالتوں کا کہ راحت ہے تو ایک وقت خاص تک اور مصیبت ہے تو وہ بھی ایک میعاد مقرر تک نہ اُس کو ثبات اور نہ اس کو قیام وہ عارضی اور یہ چند روزہ جن کو خدا نے عقل سلیم دی ہے وہ ہر حالت کو اسی طور پر انگیز کرتے ہیں کہ اس کے زائل ہونے پر ان کو ملال نہ ہو تاسف نہ کرنا پڑے اتنا نہیں کھاتے کہ تخمہ ہو ایسے دوڑ کر نہیں چلتے کہ ٹھوکر لگے عادتوں کو طبیعت نہیں ہونے دیتے اور اُمور اتفاقی کو ضروری نہیں سمجھ لیتے۔ لیاقت یا ہنر یا صفت یا جوہر یا خوبی یا مابہ الامتیاز[۱] یا سرمایۂ فخر و ناز یا ذریعۂ تعریف یا وسیلۂ تقریب جو کچھ سمجھو مبتلا کے پاس ایک حسن صورۃ تھا اور بس یہی ایک چیز تھی جس کی وجہ سے وہ ہر دل عزیز تھا یہی عمل تھا یہی تسخیر تھی یہی کیمیا اور یہی اکسیر تھی مسیں تو اس کی سترھویں برس بھیگنے لگیں تھیں اٹھارہویں میں تو اس کی اچھی خاصی ڈاڑھی نکل آئی۔ شعر

گیا حسن خوبانِ دل خواہ کا	ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اور ڈاڑھی بھی نکلی تو اس کثرۃ سے کہ ماتھا اور ناک اور آنکھوں کی جگہ چھوڑ کر کہیں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی جب ڈاڑھی نکلنے کو ہوئی اگر مبتلا اُس کو اُس کے طور پر نکلنے دیتا تو برس سوا برس وہ اور بھی حسینوں کے زمرے میں گنا جاتا اور سبزۂ خط اُس کی گوری رنگت پر خوب کھلتا مگر اس نے غلطی یہ کی کہ روئیں نمودار ہوتے ہی استرا پھروا دیا اُسترے

[۱] یعنی جس کی وجہ سے اس کو ہم جنسوں میں امتیاز ہو۱۲۔

کا پھروانا تھا کہ پھدپھدا کر ایک کی جگہ دس روئیں اور روؤں کی جگہ کالے کرخت بال نکل پڑے
اور چہرے کی جلد پر جو ماء الشباب کا ایک قدرتی روغن تھا وہ بھی گیا گزرا ہوا اب روکھی
کھال رہ گئی اور اُس پر ہزار ہا بال یہ پہلی مصیبتہ تھی جو مبتلا پر نازل ہوئی اور اُس نے اُس
پہلی کیفیت کے اس قدر جلد زائل ہوجانے کا سخت رنج کیا اور جب اُس کے اُن دنوں کے خیالات پر نظر
کی جاتی ہے تو اُس کا رنج حق بجانب بھی تھا رفتہ رفتہ زوالِ حسن کا اثر اُس کی حالت پر مترتب ہونے
لگا جو لوگ اُس کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے نفرت اور جو در پے تھے گریز کرنے لگے سے
یار اغیار ہوگئے اللہ ہا کیا زمانے کا انقلاب ہوا ہا گرم صحبتوں کی جگہ صاحب سلامت رہ گئی
وہ بھی دور کی اختلاط کے عوض راہ گزر کی مٹ بھیڑ وہ بھی اتفاقی۔ اس کی طرز زیست نے
ادعائی ضرورتوں کو اور ادعائی ضرورتوں نے خرچ کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ مدرسے کا
وظیفہ اور اُس کا چہار چند اَور اُس کو بمشکل وفا کرتا اب ادھر تو اس کے اعوان و انصار
دست کش ہوئے اُدھر جو گھر سے مدد ملتی تھی اس میں بی بی نے حصہ بٹوانا شروع کیا
ضرورتیں اگر جائز اور واجبی ہوتیں گھر سے مدد ملتی مگر جا جتیں ناجائز اغراض بیہودہ گویم
مشکل وگرنہ گویم مشکل جی للچاتا اور ناچار ضبط کرتا طبیعت بھر بھراتی اور مجبوری پیٹ کو مارتا۔
انگریزی کی کہاوت ہے کہ مصیبتیں ایک ایک کرکے نہیں آتیں یعنی جب آنے کو ہوتی ہیں تو
بس ایک تار بندھ جاتا ہے۔ مبتلا کے بیاہ کے بعد سے تو گویا اس کہاوت کے سچا کرنے کو
موتیں کچھ ایسی تابڑ توڑ ہوئیں کہ پانچ برس کے اندر ہی اندر جتنے بزرگ تھے کیا مرد کیا
عورت ایک کے بعد ایک سبھی تو رخصت ہوئے بہنیں بیاہی جا کر اپنے اپنے گھروں میں آباد
تھیں بس اب تن تنہا مبتلا رہ گیا اور ایک بی بی کہ وہ بھی اُس کی بے التفاتی کی وجہ سے پہلے تو اکثر
میکے میں رہتی تھی چوتھے پانچویں مہینے مہمان داخل سسرال آگئی تو آگئی اب کوئی برس دن

ہوا تھا کہ ماں اور باپ دونوں کے مرجانے سے بھائیوں نے ترکے سے محروم کرنے کے لئے بلانا چلانا مطلقاً موقوف کر دیا تھا اور مجبوری نہایہ کس مپرسی کی حالۃ میں مبتلا کے یہاں ڈھئی دیئے پڑی تھی مبتلا پر مصیبتوں کا ایسا پہاڑ ٹوٹا تھا کہ اگر وہ ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہوتا تو ساری عمر اس تازیانے کو نہ بھولتا مگر اس کے دل پر تو مہر لگی ہوئی تھی اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا کیسی عبرۃ اور کس کا ڈر نا مطلق العنان ہوتے ہی لگا ڈلکی دوڑنے پو یہ بھاگنے یہاں تک کہ جن حرکتوں کو پہلے چرا تا چھپاتا اب کھلے خزانے ان کے کرنے میں ذرا بھی نہ شرماتا باپ کے مرتے ہی میدان خالی پاکر تعزیہ کے حیلے اور غم گساری کے بہانے سے دوست آشناؤں نے پھر اس کو آگھیرا اور وہی اپنی قدیم پٹی اس کو پڑھا چلے چہلم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ جلسے شروع ہو گئے۔

چھٹی فصل مبتلا کے چچا کا حج سے واپس آنا

مبتلا کے حقیقی چچا میر متقی ایک مدۃ سے نواب رام پور کی سرکار میں نوکر تھے اور وہیں ایک شریف خاندان میں انھوں نے اپنا نکاح بھی کر لیا تھا مبتلا ان دنوں مکتب میں پڑھتا تھا کہ میر متقی دلی ہو کر بھائی سے ملتے ہوئے حج کو گئے ارادہ تو صرف حرمین شریفین کی زیارۃ کا کر کے گئے تھے مگر وہاں پوہنچ کر یہ خیال ہوا کہ سالہا سال کے ارادے میں تو اب لمشکل گھر سے نکلنا ہوا کیا معلوم کہ اب زندگی میں پھر یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو لاؤ لگتے ہاتھوں جہاں تک ہو سکے زیارتیں تو کر لو۔ پورے تین برس تو زیارتوں میں لگے پھر تین برس تک متواتر ایسا اتفاق پیش آگیا کہ جب واپسی کا ارادہ کرتے تھے بیمار ہو ہو جاتے تھے غرض ساتویں برس لوٹے تو بمبئی میں پوہنچ کر انھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ بھوپال میں استاد سے احمد آباد میں پیر سے اور دہلی میں بھائی سے ملتا ہوا رام پور جاؤں گا۔ دہلی میں داخل ہوئے تو تھوڑی

رات گئی تھی سیدھے بھائی کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ پھاٹک بند اور طبلے کی تھاپ کی آواز اندر سے چلی آ رہی ہی سمجھے کہ ناچ ہو رہا ہی تھوڑی دیر میں بڑے زور کے قہقہے سنائی دیئے معلوم ہوا کہ بھانڈ نقلیں کر رہے ہیں۔ میر متقی کو پہلے ذرا سا دھوکا ہوا کہ میں نے گھر کی شناخت میں تو غلطی نہیں کی گلی کے نکڑ تک لوٹ کر گئے ادھر دیکھا اُدھر نگاہ کی بے شک سات برس کے عرصے میں تھوڑے بہت تغیرات بھی ہوئے تھے مگر نہ اس قدر کہ آدمی جہاں پیدا ہوا پرورش پائی بڑا ہوا رہا سہا اُس گھر کو نہ پہچانے پھر خیال ہوا کہ شاید بھائی نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہو اسی سوچ میں کھڑے تھے کہ ایک شخص گلی کی طرف لپکا ہوا چلا آ رہا تھا جب ان کے برابر آیا انھوں نے اُس سے پوچھا کیوں صاحب یہ کونسی گلی ہی وہ یہ کہتا ہوا اپنی دُھن میں چلا گیا کہ اس کو سادات کا کوچہ کہتے ہیں۔ اب ان کو اس کا تو یقین کامل ہو گیا کہ گھر کے پہچاننے میں مجھ سے غلطی نہیں ہوئی اب اتنی بات اور رہ گئی کہ بھائی اُس گھر میں ہیں یا نہیں اس شخص کی جلدی نے ان کو اس کے پوچھنے کی مہلت نہ دی اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھے سے آدمی بغل میں بچھونا دبائے لکڑی ٹیکتے ہوئے اندر گلی سے آہستہ آہستہ چلے آ رہے ہیں ان سے تھوڑی دور پیچھے ایک جوان سا آدمی ہی اور وہ ذرا تیز چل رہا ہی یہاں تک کہ جب بڑے میاں کے برابر آیا تو کہنے لگا کہ اے حضرت خیر ہی یہ اس وقت آپ بچھونا لیے ہوئے کہاں جا رہے ہیں لائیے بچھونا مجھ کو دیجیے میں پونہچا دوں۔ بڑے میاں نے کہا نہیں بھائی تم کیوں تکلیف اُٹھاؤ بچھونے میں ایسا کیا بوجھ ہی کیا کریں جب سے بے چارے میر مہدی مرے اُن کا لڑکا خدا اُس کو نیک ہدایت دے بری صحبت میں پڑ کر ایسا آوارہ ہو رہا ہی کہ سارے سارے دن اور ساری ساری رات گھر میں دھما چوکڑی مچی رہتی ہی ہم ٹھہرے دیوار بیچ ان کے پڑوسی اتنا نہیں بن پڑتا کہ گھر میں دو رکعت نماز اطمینان سے پڑھی جائے ناچار میں

تو اس مسجد میں چلا جاتا ہوں۔ متقی بھائی کے مرنے کی خبر سُن کر قریب تھا کہ چکّر کھا کر وہیں
زمین پر گر پڑے مگر آدمی تھا دین دار اُس نے [1] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہہ کر ضبط کیا اور اپنے
تئیں سنبھالا اور سوچا کہ اگر گھر چل کر دستک دوں پکاروں تو نقار خانے میں طوطی کی آواز
کون سُنے گا اور فرض کیا چیخنے چلّانے سے دروازہ کھلا بھی تو رات گئی ہے زیادہ سب کو تکلیف
ہوگی رونا پیٹنا مچے گا ماتم برپا ہوگا بہتر ہے کہ رات کو کہیں پڑ رہوں پھر خیال کیا کہ پاس کے
پاس اسی مسجد میں ٹھیر جانا مناسب ہے کہ بڑے میاں سے اَور حالات بھی دریافت ہوں گے
مسجد میں گیا اور وضو کر کے نماز پڑھی دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے بھائی سے اس کو محبت تھی
بہت یوں بھی ہمیشہ غائبانہ اس کے حق میں دعائے خیر کیا کرتا تھا اب جو حضرت موسیٰ کی دعا اس کو
یاد آئی اور اُس کے مُونہ سے نکلا [2] رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ
وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ جی بھر آیا اور بے اختیار اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ جس کے
دل کو یکایک اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہو اُس کو بھوک کیا لگے اور نیند کیوں کر آئے ساری رات
گزر گئی کہ صحن مسجد میں ننگے سر بیٹھا ہوا کبھی کچھ پڑھ پڑھ کر بھائی کی روح کو بخشتا تھا اور کبھی اس کی
مغفرۃ کے لیے خدا کی درگاہ میں زار نالی کرتا تھا۔ سفیدۂ صبح نمودار ہوتے ہی اول وقت فجر کی
نماز پڑھی اور پھر اشراق تک معمولی اوراد میں مشغول رہا جب نافلۂ اشراق [3] سے فارغ ہو
تو دیکھا کہ بڑے میاں بھی اپنا بچھونا لپیٹ لپاٹ کر گھر جانے کی تیاری کر رہے ہیں
اُن کو ضعیفی کے سبب ذرا دھندلا بھی نظر آتا تھا متقی نے اُن کو پہچان کر السلام علیک
کی اور قریب جا کر اپنے تئیں پہچنوایا اور رات کا ماجرا کہہ سنایا۔ ملتے تو میر مہذب کی

---

[1] ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کے پاس لوٹ کر جائیں گے ۱۲ [2] اے پروردگار مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش اور
ہم کو اپنی رحمت میں داخل کر اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ۱۲ [3] طلوع آفتاب کے بعد کی نماز نفل ۱۲

صحبتوں کو یاد کر کے بڑے میاں بھی آب دیدہ ہوئے اور متقی تو رات سے رو رہا تھا سفر کا
تکان ساری رات کا فاقہ جاگنا اور رونا آنکھیں سوج گئی تھیں مُونہ سے آواز نہیں نکلتی
تھی ہارے بڑے میاں نے بہت کچھ سمجھایا اور دنیا کے دستور کے مطابق صبر کی تعلیم کی اور کہا کہ
میاں مرحوم تو اللہ کے نیک بندے تھے یہاں بھی اپنی اچھی گزار گئے اور ان شاء اللہ وہاں بھی اُن کے لیے
اچھا ہی اچھا ہے وہ اگر مرے تو اپنی عمر سے مرے اور ایک نہ ایک دن سبھی کو مرنا ہے بڑا رونا اُن کے
فرزند ناخلف کا ہے کہ اپنے کردار ناسزا سے مرحوم کی روح کو ایذا دے رہا ہے اب تم باپ کی جگہ ہو
اُس کو سنبھالو اگر ہو سکے اُس کو روکو اگر بن پڑے۔ گھر کے نصیب اچھے ہیں کہ تم آپہنچے خدا کو کچھ
بھلا کرنا منظور ہے کہ تم کو بھیجا ابھی وقت ہے اگرچہ تنگ ہی موقع ہے گو جبر ہے اور تم یہاں مسجد میں
اکیلے بیٹھ کر کیا کروگے میرے ساتھ چلو تمھارے بھتیجے صاحب تو کہیں دوپہر تک اُٹھیں گے
وہ بھی اُٹھائے سے تب تک میرے گھر کچھ ناشتا کرو ہم بھی کوئی غیر نہیں ہیں تمھارے بھائی جب
خدا اُن کو جنت نصیب کرے ہم کو عزیزوں سے بڑھ کر سمجھتے تھے کیا تم کو یاد نہ ہو گا۔
غرض میر متقی بڑے میاں کے ساتھ ساتھ چلے تو سارے رستے بھائی کا تصور پیش نظر
تھا اور قدم قدم پر ایسا خیال ہوتا تھا کہ بھائی سامنے سے چلے آرہے ہیں پیچھے
سے پکار رہے ہیں اس دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے ہیں اُس دُکان والے سے
کچھ کہہ رہے ہیں کیوں کہ یہ اتفاقات متقی کو بھائی کی زندگی میں صدہا بار پیش آچکے تھے اُن ہی
باتوں کی یاد داشت اب تازہ ہو گئی۔ متقی رات سے بہتیرا رو بھی چکا تھا اور اُس نے ارادہ
کر لیا تھا کہ اب اگر رونا آئے گا بھی تو روکوں گا ضبط کروں گا مگر جوں جوں گھر کی طرف پاؤں
اُٹھتا تھا دل کی کیفیت متغیر ہوتی چلی جاتی تھی یہاں تک کہ دروازے پر پہنچ کر تو نہ تھم سکا
اور بے اختیار پکار کر رو پڑا رونے کی آواز سُن کر پاس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے پھاٹک تو

باہر کی طرف سے نہ کھلوا سکے اندر ہی اندر کھڑکی کی راہ پہلے زنان خانے میں اور پھر مردانے میں خبر پوہنچی مبتلا اور اُس کے جلسے کے شرکا ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کہروا[1] دیکھ اور بھیروین[2] سن کر سو رہے تھے۔ میر متقی کا آنا سُن کر سب کی نیندیں اُچاٹ ہوگئیں اور سب کے ہوش اُڑ گئے جو لوگ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بھانڈوں اور رنڈیوں کو نچوا رہے تھے آپ لگے آپ ناچے ناچے پڑے پھرنے چاہتے تھے کہ نکل بھاگیں مگر راستہ کہاں تھا پھاٹک پر تو خود میر متقی صاحب اور اُن کے ساتھ محلے کے چالیس پچاس آدمی کھڑے ہوئے تھے زنان خانے میں ہو کر جانا چاہتے تو پہلے مُہرے پر گھر والی تھی کہ وہ میاں کے سامنے تو لومڑی یا بھیگی بلّی جو کچھ تھی سو تھی مگر ان بدذاتوں کے حق میں خاص کر اِس وقت شیرنی سے کم نہ تھی اِس کے علاوہ زنان خانے سے اگر باہر جانے کا راستہ تھا تو دوسرے لوگوں کے گھروں میں سے ہو کر تھا وہ بھلے مانس ان بلاؤں کا اپنے یہاں سے ہو کر گزرنا کیوں جائز رکھتے غرض وہ سب کا سٹ پٹانا اور ایک کا ایک سے پوچھنا اور ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑنا ایک ایک کے پاؤں پڑنا ایک تماشا تھا قابلِ سیر ایک کیفیت تھی لائق دید کہ رنڈیاں جو اپنے حُسن کے غرور میں کسی کے ساتھ سیدھی بات تک نہیں کرتی تھیں اب ایک ایک کے آگے بچھی جاتی تھیں کہ خدا کے لیے کہیں ہم کو پناہ دو ایک ایک کے پیچھے لپٹی تھیں کہ ہمیں نکال کر کہیں لے چلو ایک پکارتی تھی میں انعام اکرام سے باز آئی مجھے راستہ بتاؤ دوسری چلاتی تھی مجھے مجرے کی کوڑی مت دو مگر کسی ڈھب سے گھر پوہنچاؤ رات کے جلسے میں ایک طائفہ چلبلا بھانڈ کا بھی تھا ان کم بختوں کو فی الوقت[3] خوب سوجھتی ہے۔ ادھر تو یہ تمام ہل چل مچی ہوئی تھی اور اُدھر چلبلا بے طلب بے فرمائش تیار ہوا اپنے ساتھیوں کو جمع کر لگا نقل کرنے (نقل) ایک ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر دوڑا دوڑا لوگوں کو ہٹاتا ہوا دباتا ہوا پھرنے لگا کہ کیا ہے بے کیا ہے کا ہے کا غُل ہے کیوں شور

[1] کہاروں کی طرح کا ناچ جو بازاری عورتیں مردانی ٹوپی اوڑھ کر ناچتی ہیں ۱۲ [2] صبح کا راگ ۱۲ [3] عین وقت

بچا رکھا ہے۔ دوسرا بولا ابے احمق تو نے نہیں سنا کہ حضرت کے چچا مکہ معظمہ سے تشریف لائے ہیں۔ پہلا۔ کون چچا
ابو جہل یا ابو لہب۔ دوسرا پہلے کے مونھ پر زور سے ایک طمانچہ مار کر۔ چپ مردود کیا کفر بکتا ہے ابے
حضرت پیغمبر صاحب کے چچا نہیں ہمارے (مبتلا کی طرف اشارہ کر کے) حضرت پیر و مرشد کے چچا۔ پہلا۔ ہاں
الحمد للہ۔ پھر دیر نا کیا ہے آؤ ہم سب مل کر بھی اُن کو چچا بنائیں۔ حج نصیب ہونے اور سلامتی سے
واپس آنے کی مبارکباد دیں ناچ دکھائیں گانا سنائیں۔ دوسرا پہلے کے مونھ پر ایک طمانچہ
مار کر ابے توبہ کر توبہ کہیں اوپر سے چھت نہ گر پڑے سید آل رسول مولوی حاجی جو ابھی خدا
کے گھر سے پھرے ہوئے چلے آ رہے ہیں کہیں ناچ دیکھتے ہیں (ناچ دیکھنا حرام) راگ کا نا سنتے ہیں یا
راگ کا نا سننا ممنوع۔ ان کے نزدیک رنڈیاں جہنم کی چھپٹیاں ہیں اور بھانڈ دوزخ کے کندے۔
پہلا۔ ہائے میرے اللہ رنڈیوں نے وہاں بھی بھانڈوں کو نہ چھوڑا نرے کندے ہوتے
تو ذرا دیر میں تو جلتے اور کیوں صاحب یہ سب لوگ (مبتلا اور اس کے ساتھیوں کی طرف
اشارہ کر کے) کیا ہوں گے۔ دوسرا ان کو کہتے ہیں کہ بھاڑ میں بھونے اور کڑھائی میں تلے اور بھٹی
میں جلائے جائیں گے۔ پہلا۔ (دونوں ہاتھوں کو گلوں پر ہولے ہولے تھپڑ مار کر اور خوف
زدہ آنکھیں بنا کر) الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔ خدا دوزخ کی آنچ سے بچائے اور بھانڈوں کو بھوت
بنائے آسیب بنائے جو چاہے سو کرے مگر دوزخ کے کندے نہ بنائے۔ پہلا پھر یہ حاجی صاحب
چاہتے کیا ہیں۔ دوسرا۔ چاہتے یہ ہیں کہ نمازیں پڑھو روزے رکھو خدا کی بندگی کرو۔ جو روپیہ
رنڈیوں اور بھانڈوں کو دیتے ہو غریبوں محتاجوں کو دو۔ پہلا۔ یہی بات تو اچھی ہے رنڈیوں
کا دینا تو محض فضول ہے۔ بے بھانڈ ان سے بڑھ کر غریب محتاج اور کون ہوگا۔ یہ کہہ کر عمامہ
باندھ پائنچے ٹخنوں سے اونچے کر جہاں کھڑا تھا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ تو لیے ہی مونھ میں
کچھ بڑبڑانے لگا گویا امام بنا اور نماز شروع ہو گئی مسخرہ پن تو یہ تھا کہ نیت باندھ چکا ہے ادھر

ایک طرف یہ کہہ رہا ہے کہ بس بجے تال بجیا ٹک کھول دو اور مولوی یا حافظ یا حاجی یا زوار یا واعظ جو
ہوں اُن کو آنے دو اور دوسری طرف سب کو اشارہ کر رہا ہے کہ میرے پیچھے مقتدی بن کر کھڑے ہو جاؤ
اور پھر بڑبڑانے لگا۔ طائفے کے جتنے بھانڈ تھے سب صف بستہ ہو کر مقتدی بنے اور اُس کے
پیچھے کھڑے ہوئے ذرا دیر گزری تھی کہ ایک نے صف میں سے نکل کر امام کی پیٹھ پر ایک دوہتڑ
مارا ایسے زور سے کہ تھوڑی دور آگے جا کر اوندھے مونہ گر پڑا اور کہا ابے بدبختی یہ کیسی بے وقت
اور بے رحی جماعۃ کی نماز پڑھا رہا ہے اگر مولوی اسمعیل کے مقلد سن پائیں تو مارے کفر کے
فتووں کے اُلّو کر دیں۔ امام۔ ابے تو کیا جانے یہ صلوٰۃ الخوف[1] ہے۔ اور پھر اُسی طرح اپنی جگہ جا کھڑا
ہوا گویا اتنی حرکت پر بھی نماز باطل نہیں ہوئی تھوڑی سی دیر کے بعد پیچھے کی صف سے پھر ایک
شخص آگے بڑھا اور اس نے امام کا عمامہ اُتار تڑاتڑ آٹھ دس ہیں لیترے رسید کیے امام سر سہلاتا
ہوا یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کفر کا فتویٰ آیا۔ تو یہ لیترے مارنے والا کیا کہتا ہے ابے ڈرمت فتویٰ نہیں
تیری عبادۃ کا صلہ ہے۔ امام بولا عبادۃ کا صلہ ہے تو اس میں مقتدیوں کا بھی حق ہے پھر تو اس
سرے سے اُس سرے تک بلا امتیاز جوتی کاری ہونے لگی۔ ورنڈیاں اور بھڑوے اور میر
محفل اور تماشائی سبھی پر آفت آئی۔ کہتے ہیں کہ چلبلا بھانڈ کے طائفے کا بیس روپیے روز معمول تھا
اور مبتلا اس طائفے کا ایسا گرویدہ تھا کہ اگر خرچ مساعدۃ کرتا تو ہر رات ان کا ناچ دیکھتا مگر اس
بھی کئی سو روپیے ان لوگوں کے چڑھ گئے تھے اب مبتلا کے چچا کا آنا سن کر بھانڈوں کو بالکل
ناامیدی ہو گئی اور ایسی نقل کی۔ نقل تو نہایت برجستہ تھی مگر طبیعت کس کی حاضر تھی اور دل کس کا
ٹھکانے تھا کہ مزہ لیتا اور داد دیتا۔ مبتلا کی تو ایسی سٹی بھولی کہ ننگے پاؤں کبھی اندر جاتا اور کبھی
باہر آتا مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی تھی آخر اس نے اپنے باپ کے پرانے نوکر وفادار کو آواز دی
یہ بوڑھا آدمی اسم بامسمی مبتلا کو بہت سمجھاتا رہتا تھا مگر نوکر کی بساط کیا جب وفادار نے باپ

[1] خوف کے عالم کی نماز جیسے لڑائی کے میدان میں ۱۲۔

بلیں

کہنا شروع کیا مبتلا نے اُس کو جھڑک جھڑک دیا وفادار نے دل شکستہ ہو کر مبتلا سے کنارہ کشی اختیار کی
مردانے میں اس کے رہنے کی ایک کوٹھڑی تھی رات دن اُسی کوٹھڑی میں پڑا رہتا اندر سے
کچھ فرمائش آتی تو اُس کی تعمیل کر دیتا مبتلا کے کسی کام کاج کو ہرگز ہاتھ نہ لگاتا آدمی تھا زمانہ
دیدہ سمجھ چکا تھا کہ یہ لیل و نہار اس طرح پر تو سدا چلنے والا نہیں یا تو یہ رسم و راہ نہیں اور رسم
و راہ ہے بھی تو بندۂ درگاہ نہیں وفادار اکیلا کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا دیکھتا نہیں تھا تو سنتا سب کی
تھا اس کو میر متقی کا آنا اور ان سب کا گھبرانا معلوم ہو چکا تھا خلاف عادۃ مبتلا کے بلانے کی
آواز سن کر مطلب تو سمجھا مگر جان بوجھ کر چادر تان لیٹ گیا مبتلا نے ایک بار پکارا دو بار پکارا تین
بار پکارا جواب ندارد اگر کبھی پہلے ایسا اتفاق ہوا ہوتا تو وفادار کی مجال تھی کہ مبتلا پکارے اور
پہلی آواز پر جواب نہ دے مگر میر متقی کا آنا تھا کہ باہر سے اندر تک سب کا رنگ بدل گیا جو ناچیز
تھے وہ اب عزیز تھے جو با اقتدار تھے وہ اب ذلیل و خوار تھے یہاں تک کہ مبتلا نے خود کوٹھڑی
کے دروازے پر آ کر پکارا میاں وفادار میاں وفادار جلدی اُٹھو چچا آئے۔ وفادار نے
گھبرا کر پوچھا کیا چھوٹے میاں حج سے تشریف لائے۔ مبتلا۔ ہاں۔ وفادار نے میر صاحب مرحوم
کو یاد کر کے ایک آہ کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور میر متقی کے صحیح و سلامت واپس آنے پر
خدا کا شکر کیا اور دروازے کھولنے کے ارادے سے دوڑا مبتلا نے لپک کر روکا کہ ذرا ٹھہر
ذرا ٹھہرو مبتلا نے چچا کو دیکھا تو تھا مگر سات برس میں صورت بھول گیا تھا وفادار سے کہا
کہ ذرا کواڑوں کی دراڑوں میں سے جھانک کر تو دیکھو وہی ہیں وفادار نے پہلی ہی نظر میں
پہچان لیا اور کہا کہ بے شک وہی ہیں اور اب تو عین بعین سرکار[1] معلوم ہوتے ہیں مگر داڑھی
میں تو اتنی سفیدی نہیں۔ مبتلا یہ سن کر وفادار کے گلے سے لپٹ گیا اور کہا کہ خدا کے لیے کسی

[1] سرکار سے مراد مبتلا کے والد میر مہذب مرحوم ہیں جو میر متقی کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔

طرح مجکو اس فضیحتہ سے بچاؤں میں ان کم بختوں کو کہاں لے جاؤں اور کس جگہ چھپاؤں وفادار کو مبتلا کا اضطرار دیکھ کر بہت ترس آیا اور اُس نے کہا کہ تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کو پاخانے میں کھڑا کر دیجیے چھوٹے میاں آخر اندر جائیں گے اس وقت ان کو نکال باہر کریں گے دفع میں اس کے سوا کوئی تدبیر ہی نہ تھی آخر یہی کیا کہ جھپا جھپ ان سب کو پاخانے میں اوپر تلے ٹھونس آگے پیچھے دھکیل کنڈی لگا باہر کا پھاٹک کھول دیا میر متقی نے دوڑ کر بھتیجے کو چھاتی سے لگایا اُس وقت کی کیفیت بھی جس جس نے دیکھی ساری عمر اُس کو نہیں بھول سکتا۔ بوڑھا اور چھوکرا نہیں مگر ادھیڑ اور جوان فرشتہ اور شیطان۔ یا رحمت اور قہر یا نیکی اور بدی یا تقوٰی اور رندی یا حاجی اور پاپی یا چچا اور بھتیجا دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے ہوئے کھڑے رو رہے تھے مبتلا تو دھاڑیں مار رہا تھا اور میر متقی کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور چونکہ سچ کو تکلف ضبط کرتے تھے بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی پچاس ساٹھ آدمی حلقہ باندھے ہوئے گرد و پیش تھے اور سب پر رقت طاری تھی۔ کال پاؤ گھنٹے کے بعد متقی نے مبتلا کو سینے سے جدا کیا اور سب کے ساتھ اس کو لے جا کر دالان میں بیٹھے تھوڑی دیر سب سکوت میں تھے آخر کسی نے میر صاحب مرحوم کا ذکر خیر نکالا پہلے اُن کے محامد[1] اخلاق کا مذکور رہا پھر علالت اور وفات کا آخر فاتحہ پڑھ کر لوگ رخصت ہوئے اور میر متقی زنان خانے میں گئے۔

ساتویں فصل مبتلا کے چچا میر متقی کا اپنی بھانجی یعنی مبتلا کی بی بی کے سامنے تعزیت کے طور پر وعظ کہنا

ماموں کا آنا سن کر بھانجی کو ماں باپ اور ساس سسرے کا مرنا بھائیوں کا ظلم اور سب سے بڑھ کر مبتلا کا اس سے بے تعلق رہنا اپنی بے کسی گھر کی تباہی آیندہ کی ناامیدی غرض ساری داستان مصیبت اول سے آخر تک یاد آگئی اور وہ دل ہی دل میں رونے کی تیاریاں کر چکی تھی جوں ماموں نے اندر قدم رکھا اور بھانجی کے ساتھ نظر دوچار ہوئی اُس نے

[1] بھلی عادتیں ۱۲

کسی طرح لڑکھڑاتے ہوئے کھڑے ہوکر سلام تو کر لیا اور پھر تو ایسی بلکی کہ غش کھا کر گر پڑی ہاتھ
پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے دانت بچی ہو گئے لخلخے سونگھائے مونھ پر گلاب کے چھینٹے دئے بارے
ہوش آیا تو اُس نے ایسی بین شروع کئے کہ سننے والوں کے کلیجے مونھ کو آنے لگے دل
دہل گئے۔ آخر متقی نے سر پر ہاتھ پھیرا اور سمجھایا کہ مصیبت میں اس قدر رنج کرنا عبودیت کی
شان نہیں ہے۔ رنج مصیبت کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ اُس کو ہلکا کر سکتا بلکہ اُلٹا مصیبت کو بڑھاتا ہے
جیسے محبت ماں کو اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے اس سے لاکھوں کروڑوں درجے بڑھی
ہوئی محبت خدا کو اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے آپ سے آپ
پیدا ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی کریں ایسا خیال کرنا تو کفر کے علاوہ غلط صریح
بھی ہے بندے سب چھوٹے اور بڑے امیر اور غریب قوی اور ضعیف حاکم اور محکوم بادشاہ اور رعیت
یہاں تک کہ ولی و پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بدون خدا کی مرضی کے ایک پتا
ہلانا چاہیں تو نہیں ہلا سکتے ایک ذرے کو جگہ سے سرکانا چاہیں تو نہیں سرکا سکتے کسی انسان
کا نفع و ضرر نہ خود اس کے اختیار میں ہے نہ کسی دوسرے انسان کے دنیا میں جب کسی کو جس
کسی کے ساتھ کسی طرح کی محبت ہے اس کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے
اُس کا فائدہ چاہتا ہے نہ یہ کہ اُس کو فائدہ پہنچاتا ہے یا پہنچا سکتا ہے اسی واسطے دنیا کی
ساری محبتیں از برائے نام ہیں ہیچ اور اصلی محبت خدا کی ہے کہ ساری نعمتیں اور ساری برکتیں
جو ہم کو حاصل ہیں یہاں تک کہ زندگی اُسی کی دی ہوئی ہے با ایں ہمہ انسان کو اس زندگی
میں ایذائیں بھی پہنچتی ہیں مگر ان میں ضرور انسان کا کوئی نہ کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے مثلاً
طبیب کہ وہ کسی مریض کا علاج کرتا ہے کبھی اُس کو کڑوی دوا پلاتا اور کبھی اس کی فصد لیتا
اور کبھی بیمار کے زخم کو شگاف دیتا اور کبھی شاید اس کے کسی عضو کو کاٹ بھی ڈالتا ہے مگر

ایسا کرنے سے کیا کوئی شبہ کرسکتا ہے کہ طبیب اپنے بیمار کے ساتھ عداوۃ رکھتا ہے اسی طرح جو
تکلیفیں ہم کو دنیا میں پہونچتی ہیں اور بلاشبہ خدا کی مقدس مرضی سے پہونچتی ہیں ظاہر میں تکلیف
ہیں اور باطن میں آرام ابتدا میں ایذا ہیں اور انجام میں راحۃ۔ اول تو اس کا فیصلہ کرنا مشکل
ہے کہ وہ تکلیف حقیقۃ میں بھی تکلیف ہے یا نہیں۔ فرض کرو کہ کسی عورۃ کا شوہر مرجاتے ظاہر میں
ہوگی ایک بڑی مصیبت ہوگی مگر کیا ممکن نہیں کہ مرد زندہ رہتا اور بیوی پر سوکن لاکر اس کو
زندہ درگور کرتا یا بیوی سے اس کا دل ایسا پھرتا کہ جب تک جیتا اس کو سخت ایذا دیتا یا
ایسے امراض میں مبتلا ہوتا کہ سارے گھر کی زندگی دشوار کردیتا اور اسی طرح کے اور بہت
سے احتمالات ہیں جن کی وجہ سے ایک عورۃ اپنی بیوگی کو ترجیح دے سکتی ہے سہاگ پر۔ پس جب
تک انسان کو علم مستقبلات یعنے علم غیب نہ ہو اور وہ اس کو نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا وہ کسی حالۃ کو
جو اس پر یا کسی پر طاری ہو برا کہہ نہیں سکتا۔ دنیا کے بہت سے واقعات کو ہم پسند کرتے ہیں
مگر جس طرح ہماری معلومات ناتمام ہیں اسی طرح جو نتیجے ہم اپنی معلومات سے نکالتے ہیں ناقص
ادھوری روداد اور اس پر فیصلہ ناکافی تحقیقات اور اس پر تجویز۔ اور مانا کہ جو تکلیف ہم کو
پہونچی حقیقۃ میں تکلیف ہے تو کیا شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو منصف اور رحم دل بادشاہ
اپنی عزیز رعیۃ کو تادیب یا تنبیہ یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ایذا نہیں پونہچاتا ہمیشہ ایسی
ایذائیں پہونچتی رہتی ہیں نہ فریاد نہ شکایۃ پس اگر خدا کی طرف سے ایک ایذا پونہچ جائے رجائے
دو اس کے بے شمار احسانوں کو اور بھول جاؤ اس کی نامحصور نعمتوں کو تو بندہ کیوں
منہ پھلائے کس لیئے بڑ بڑائے۔ سب سے بڑا فائدہ جو مصیبۃ سے انسان کو پونہچتا ہے یہ
ہے کہ مصیبۃ دل میں بالتخصیص عجز و انکسار کی صفۃ پیدا کرتی اور خدا کو یاد دلاتی ہے اور حقیقۃ
میں مصیبۃ کے وقت بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مصیبۃ نہیں رحمۃ ہے لیکن خدا کو یاد

کرنے اور اُس کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنے نہیں ہیں کہ شکایت کرو اور اُس سے ناراض
رہو بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اُس کی رحمت پر پورا بھروسا اور اعتماد کر کے صمیم قلب سے یقین
کر لو کہ جو کچھ ہوا خوب ہوا بہتر ہوا مناسب ہوا اور یوں ہی ہونا چاہیئے تھا یہ تو درجہ رضا
اور تسلیم کا ہے اور اسی کا نام صبر جمیل ہے اور آدمی کو جس کا عقیدہ ضعیف اور جس کا دل کمزور
اور جس کی ہمت کوتاہ اور جس کا ارادہ متزلزل ہے اس درجے پر پونہچنا دشوار ہے مگر اعلیٰ علیین
پر نہیں پونہچ سکتے تو ایک سیڑھی دو سیڑھی جتنا ہو سکے کچھ تو اُچکو کسی قدر تو اُبھرو کہ
اسفل السافلین کفران سے نکلو یوں کہنے کو تو مونہ سے سبھی کہتے ہیں کہ دنیا فانی ہے چند روزہ
ہے خواب ہے سراب ہے سایہ ہے سحاب ہے برق بے تاب ہے مگر مصیبت کے وقت بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے
کہ زبان ہمارے دل کا سچا ترجمان نہیں۔ کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کے لیئے اتنا غل مچاتا
اور اس قدر روتا پیٹتا ہے مصیبت پر جو منفعتیں ہم نے ہمیشہ مترتب ہوتے دیکھی وہ تو یہ ہے
کہ مصیبت آدمی کے مستقبل کو اُس کی ماضی سے ضرور بہتر کر دیتی ہے یعنے اگر انسان کاہل
تھا تو مصیبت کے بعد ضرور چست و چالاک ہو جاتا ہے آرام طلب تھا تو جفاکش بھولا تھا تو
سیانا مسرف تھا تو کفایت شعار بد پرہیز تھا تو محتاط جلد باز تھا تو دھیما آوارہ تھا تو نیک کردار
جس آدمی پر کبھی مصیبت نہیں پڑی نہ اُس کی عقل کا ٹھکانا نہ اُس کی رائے کا بھروسا
نہ اُس کا دین درست نہ اُس کے اخلاق شایستہ اس کے علاوہ آدمی کا دستور ہے کہ ایک
حالت کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو اگر ساری عمر یکسانی کے ساتھ چلی جائے تو اُس حالت کی
عمدگی کا احساس باقی نہیں رہتا بلکہ اُکتا کر خود اُس حالت سے نفرت کرنے لگتا ہے ایک
باورچی کو میں جانتا ہوں جو نمکین اور میٹھے چاولوں یعنے بریانی متنجن وغیرہ پکانے میں
کامل اُستاد تھا۔ شہر میں کہیں نہ کہیں شادی یا غمی کی کوئی نہ کوئی تقریب لگی ہی رہتی

تھی جس کسی کے یہاں چانولوں کی کھپت ہوتی اسی باورچی سے پکواتا اور اس کو مزدوری کے علاوہ دستور کے مطابق تہ دیگی کی چوٹی دار رکابی بھی ملتی وہ ایک رکابی ایسی ہوتی تھی کہ اُس کا سارا گھر اس کو کھا کر اٹل ہو جاتا پس ان لوگوں کو دونوں وقت عمدہ سے عمدہ بریانی اور بہتر سے بہتر متنجن کھانے کو ملتا تھا پس یہ ایک حالت تھی کہ اگر کسی غریب آدمی کے سامنے جو بریانی متنجن کو ترستا ہو بیان کیجئے تو سنتے کے ساتھ ہی رال ٹپک پڑے مگر اس باورچی اور اس کے اہل وعیال کا کیا حال تھا کہ منتیں کر کے بریانی متنجن کی رکابیاں ہمسائے کے لوگوں کو دیتے اور اُن سے روٹی چٹنی مانگ کر کھاتے۔ پس ہم نے تندرستی کی قدر بیماری سے جانی وطن کی پردیس سے تونگری کی مفلسی سے آرام کی دکھ سے راحت کی مصیبت سے تو جو شخص حقیقی راحت کا خواہاں ہو ضرور ہے کہ مصیبت کا بھی مزہ چکھے۔ مصیبت زدہ کے لیئے سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ وہ دوسرے مصیبت مندوں پر نظر کرے مثلاً اگر اس کو صرف بیوگی کی شکایت ہے تو پائے گی کہ اس جیسی اور اس سے بدتر لاکھوں بیوہ عورتیں اور بھی ہیں شاید یہ ایک مدۃ خانہ داری کرنے کے بعد بیوہ ہوئی ہے اور ہزارہا اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جنھوں نے شوہر کی صورت تک نہیں دیکھی پس وہ بیوگی کے علاوہ لاولد بھی ہیں اور شاید اُن کو روٹی کا بھی کہیں سے آسرا نہو پس بیوہ اور لاولد کے علاوہ محتاج بھی نگھری ندری بھی اور شاید دکھیا بیمار بھی اور شاید اندھی اور رلولی اور اپاہج بھی۔ کسی کو اگر کھجلی کی ایذا ہے تو وہ دیکھے گا اپنے ہی جیسے آدمی کوڑھی اور کوڑھ میں کیڑے اور کیڑوں کے ساتھ زخم اور زخموں میں سوزش العیاذ باللہ جس کی آنکھ میں ناخنہ ہے کیا اُس کو اس سے تسلی نہیں ہوگی کہ دوسروں کی آنکھ میں ٹینٹ یا دوسرے کا ڈھیلے بلکہ اندھے بھی ہیں۔ غرض دنیا کا حال یہی ہے کہ ایک سے ایک بہتر ہے پس کیوں کوئی مغرور ہو اور ایک سے ایک بدتر ہے تو کس لیئے کوئی ناصبور

ہو بیٹی میں یہ نہیں کہتا کہ تم پر مصیبت نہیں پڑی۔ پڑی مگر اس مصیبت پر جو تمھاری حالت ہے
شکر کے قابل ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے تن درست ہو عزت آبرو کے ساتھ گھر میں بیٹھی ہو
تم نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تم نے دروازے دروازے بھیک نہیں مانگی تم نے
پیٹ کے واسطے کسی کی خدمت نہیں کی ٹہل نہیں کی گو ماں باپ کو خدا نے اٹھا لیا مگر ابھی تمھارے
غم گسار تمھارے خبر گیر تمھارے سرپرست موجود ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں
کہ باپ جتنی نہیں کروں گا تو اس سے پورا اطمینان رکھو کہ ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر تمھارے
حال کی اصلاح تمھارے معاملات کی درستی میں کسی طرح کی کوتاہی بھی مجھ سے نہ ہوگی
لاؤ اسی شہر سے بلکہ اسی محلے سے بلکہ اسی کوچے سے بلکہ تمھارے پڑوس سے جتنی عورتیں
کہو میں بلا لاتا ہوں جن کو دیکھ کر تم ضرور رحم کرو گی اور سمجھو گی کہ یہ مجھ سے زیادہ دکھیا ہیں
ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں ہر شخص خوش ہے اس واسطے کہ وہ اپنی حالت کو کسی دوسرے کی
حالت کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتا جس دن پہلے پہل میں نے یہ بات کتاب میں لکھی دیکھی
تو میں فوراً اس پر کھٹکا پھر میں نے سوچا کہ اس کو میں اپنے ہی اوپر کیوں نہ آزماؤں تو میں نے
اپنی جان پہچان کے پانچ چھ آدمی تجویز کیے جن کی حالت کو بنظر ظاہر میں اپنی حالت سے بہتر
سمجھتا تھا لیکن اچھی طور پر جو غور کیا تو ایک لاولد تھے دوسرے بیٹے تو رکھتے تھے مگر نالائق
تیسرے دائم المرض چوتھے شدت سے کنجوس پانچویں بیوی کی بدمزاجی اور بدسلیقگی اور بدزبانی
سے عاجز چھٹے لامذہب[1] غرض کسی کو بے داغ نہ پایا تب اس حکیم کے مقولے کی تصدیق اور میرے
دل کی تشفی ہوئی اور پھر ایک بات اور بھی سوچنے کے قابل ہے کہ غم کیسا ہی سخت اور صدمہ کتنا ہی
بھاری کیوں نہ ہو رفتہ رفتہ خود بخود اس کا اثر مضمحل ہوتے ہوتے آخر کار محو ہو جاتا ہے
کبھی ہمارے باپ بھی مرے تھے ہم بھی ان کے فراق میں تمھاری طرح بہتیرا روئے

[1] لامذہب سے مراد وہی ملحد خدا کا منکر۔ کہیں بیچارے اہل حدیث مت خیال کر لینا جن کو معتزلہ التوحید براہ التشنہ وہابی اور

دھوئے غمگین اور اداس رہے آخر بھول بسر گئے غرض انسان کو جیا رونا چار صبر تو کرنا پڑتا ہے کیا کرے دیوار سے سر ٹکرا کر کوئیں میں گر کر افیون کھا کر حرام موت مرے ہے مگر اس کو صبر محمود نہیں کہتے صبر محمود وہی صبر ہے کہ نزول مصیبۃ کے وقت ہو جب کہ رنج دل کو نچوڑتا اور کلیجے کو کھرچتا ہے آنسو ہیں کہ نکلے چلے آتے ہیں اور سانس ہے کہ پیٹ میں نہیں سماتا وہ بندے کے لیے سخت آزمائش کا وقت ہے معاذ اللہ اگر خدا کی شان میں شکایت کا کوئی کلمہ اُس کے مونھ سے نکل گیا یا اُس کے دل میں خدا کی نسبۃ جل و علا شانہ بے رحمی یا بے انصافی کا خیال وسوسے کے طور پر بھی آگیا تو بس دنیا خراب عاقبۃ سب باد خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ[ل] وَذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔ متقی نے جو یہ باتیں عقل کی دین کی نصیحۃ کی بیان کیں تو بھاوجی پر ایسا اثر ہوا کہ گویا گرتی ہوئی دیوار کو تھونی لگا دی ڈوبتے ہوئے کو اچھال کر کنارے پونہچا یا مرجھائے ہوئے درخت کو پانی دیا۔

آٹھویں فصل میں متقی کا مبتلا کے امورِ خانہ داری کی اصلاح میں کوشش کرنا

متقی کا ارادہ تو یہ تھا کہ بھائی سے مل کر ہفتہ عشرہ رہ کر رام پور روانہ ہوں گا مگر سوچا کچھ اور ہوا کچھ۔ یہاں آکر دیکھا تو بھائی کو مرے ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے اور بھتیجے صاحب نے وہ اودھم مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ۔ دو تین مہینے بھی متقی کے پونہچنے میں دیر ہوتی تو تنخواہوں کا کرائے کا رہنے کے موروثی مکان کا خاندان کی عزۃ و آبرو کا بزرگوں کے نام و نمود کا سب کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ باپ کا بیمار پڑنا اور مبتلا کا مدرسے سے اُٹھنا وہ دن اور آج کا دن اُس بندۂ خدا نے بھول کر بھی تو مدرسے کو یاد نہ کیا شروع شروع میں دو چار ہم جماعۃ بلانے کو آئے بعض مدرسوں نے بھی کہلا

ل دنیا اور دین دونوں کا ٹوٹا اور یہی کھلا ہوا ٹوٹا ہے ۱۲

بھیجا۔ مبتلا کس کی سنتا تھا۔ رخصت کی غیر حاضری ہوئی اور غیر حاضر ہوتا تھا کہ ٹٹ سے نام
کٹ گیا۔ بیٹھے بٹھائے اچھا معقول وظیفہ کھویا اور بات کی بات میں آئندہ کی ساری امیدیں
ایک دم سے منقطع ہو گئیں۔ جن جن سرکاروں سے تنخواہیں مقرر تھیں ضرور تھا کہ پیروی
کر کے وارثوں کے نام اُن کا اجرا کرایا جائے مگر یہاں پیروی کرے تو مبتلا اور نہ کرے
تو مبتلا۔ اگر باپ کے مرنے پر مبتلا ان سرکاروں میں جاتا تو جن سرکاروں کا جیسا دستور تھا
کہیں سے ماتمی خلعت کہیں سے نقد کچھ نہ کچھ ملتا پڑتا اور تنخواہ بھی کہیں سے پوری کہیں
سے ادھوری جاری ہوتی ہی ہوتی مگر مبتلا کو اپنے مشاغل لایعنی سے اتنی فرصت کہاں
تھی کہ وہ ان باتوں کو سوچے اور خلعت یا نقد یا تنخواہ کے لیے سرکاروں میں دوڑ دھوپ کرے
غرض جتنے معمولات تھے سب بند ہو گئے اب آمدنی کے نام سے تو رہ گیا کیا صرف کرایہ اول
تو وہ تھا ہی کتنا مگر خیر جس قدر تھا اُس کا بھی یہ حال ہوا کہ کسی کے دو روپیے دینے ہیں
اُس نے مانگے نہ مہینا دیکھا نہ حساب نہ کتاب قلم اُٹھا کسی کرایہ دار کے نام چٹھی لکھ دی
کہ اس کو دو روپیے دے کر کرایہ میں مجرے کر لو۔ اب وہ چٹھی والا کرایہ دار کے سر ہوا ہر چند وہ
کہتا جاتا ہے کہ بھئی ابھی مہینا پورا نہیں ہوا یا میں نے اپنی گرہ سے مرمت کرائی ہے چٹھی والا ہے
کہ ایک نہیں سنتا۔ کرایہ داروں نے دیکھا کہ الٰہی شہر میں ہزار ہا مکان اور لاکھوں دکانیں
ہیں یہ چٹھی کا انوکھا اور نرالا دستور نہ دیکھا نہ سنا ایک میر صاحب[1] تھے اللہ بخشے کہ ایک مہینے کا کرایہ
دوسرے مہینے میں اور دوسرے کا تیسرے میں وصول ہوتا رہتا تھا۔ بیچارے کبھی ایک
سخن بھی تو زبان پر نہیں لائے۔ انہی کے صاحبزادے ہیں کہ بے حساب بیٹھے بیٹھے چٹھیاں
اُڑاتے ہیں گویا کوتوالی کے پروانے ہیں یا تھانے کے حکم نامے۔ غرض اکثروں نے بے دل

[1] یعنی مبتلا کے والد میر مہذب مرحوم ۱۲

ہو کر مکان خالی کر دیئے اور اٹھ کر کہیں اَور جا رہے اور جائداد اس قدر بدنام ہو گئی کہ
کوئی دوسرا کرایہ دار رخ نہیں کرتا۔ مبتلا کے ہاتھ لگ گیا تھا ماں کا زیور اُسی میں یہ تمام گل چھرّے
اُڑ رہے تھے۔ دو پونے دو ہزار کا زیور اُس مد کا تھا چھ مہینے میں سب خالصے لگ چکا
ایک مہینہ سوا مہینے سے اُدھار پر گزران تھی۔ متقی نے جو یہ حال بھائی کے گھر کا دیکھا تو کیونکر
ممکن تھا کہ ان لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر چلا جائے ناچار رام پور کا ارادہ سردست
فسخ کیا اور مبتلا کو ساتھ ساتھ سرکاروں میں لیے لیے پھرا پھر کسی کے کارپرداز سے
ساز باز کی کسی کے داروغہ کو جا گانٹھا سفارش کی جگہ سفارش پہنچائی اور سعی کے
مقام پر سعی کرائی بعض جگہ اپنی وجاہت سے کام نکالا اور جہاں موقع بن پڑا بھائی کے
حسن خدمات پر زور دیا۔ الغرض کئی مہینے کی دوا دوش سے اتنا تو ہوا کہ میر مہذب کے
زمان حیات میں جتنی تنخواہیں تھیں بلاکم و کاست پوری پوری کھل گئیں بلکہ بعض سیر چشم
سرکاروں نے پچھلے چھ مہینے کی چڑھی ہوئی تنخواہ بھی بلا وضعات دی میر متقی نے ایک پیش
بینی یہ کی کہ جس قدر ذاتی تنخواہ تھی یعنی بلا خدمت بطور مدد معاش ملتی تھی اپنی بھانجی غیرۃ
بیگم یعنی مبتلا کی بی بی کے نام جاری کرائی اور تنخواہ مشروط الخدمۃ مبتلا کے نام اس میں مصلحت
یہ تھی کہ بی بی کے آگے مبتلا کی ذرا کنّی دبی رہے تنخواہوں کا پچھلا چڑھا ہوا روپیہ جس قدر
ملا اس سے مکانات اور دکانات کی شکست ریخت کی درستی کرا کے کرایہ داروں کو بسا کر
اُن کے سرخط بھی آدھے کرائے کے مبتلا کے نام اور آدھے کے غیرۃ بیگم کے نام
لکھوا دیئے میر مہذب کے روز وفات سے آج تک بیوتات کا حساب بنئے کے یہاں سے
اُدھار چلا آتا تھا حساب کر کے اُس کا قرضہ چکایا اور آئندہ کے لیے اُچاپت کو مطلقاً بند
کر کے یہ قاعدہ باندھ دیا کہ جو چیز درکار ہو نقد بازار سے آ جایا کرے۔

نویں فصل میر متقی بڑی بھانجی سید حاضر کو سمجھاتے ہیں کہ بہن کو محروم الارث مت کرو

غیرۃ بیگم کو بھائیوں نے ترکہ پدری سے محروم کر رکھا تھا اور کس کی مجال تھی کہ اُن کے بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑے وہ اس بلا کے لوگ تھے کہ اگر نالش کی بھنک بھی اُن کے کان میں جا پڑتی تو کہاں کے ماموں اور کس کی بہن اور کیسا بہنوئی سب کی عزت کے لاگو ہو جاتے یہ ایک شعر جو مشہور ہے

بہر جا جمع مے آیند سادات ٭ فسادات فسادات فسادات

کہتے ہیں کسی نے سید نگر والوں ہی کی شان میں کہا تھا اور میر متقی کو وہاں کے لوگوں کے ہتھکنڈے بخوبی معلوم تھے اور ناصحانہ طور پر بھانجوں کے ساتھ پیش آنا اور اُن کے مقابلے میں مدعی یا مدعا علیہ ہونا گو بھانجی ہی کا حق طلب کرنے کے لیے کیوں نہ ہو نہ اُن کو شایاں تھا اور نہ غیرۃ بیگم کے حق میں مفید سید نگر کے سب لوگ زمیندار اور رعایا یہاں تک کہ خوش باش اس قدر مفسد تھے کہ جھوٹ بولنا جھوٹا حلف اُٹھا لینا جھوٹے گواہ جھوٹی رو داد اور جھوٹی دستاویزیں بنانا حاکم کو دھوکا دینا پرایا حق مار بیٹھنا لوگوں کو ناحق ستانا ان باتوں کو بڑا ہنر اور داخل ہوشیاری سمجھتے تھے اور جس طرح کوئی بڑا نامی جنرل اپنے دوستوں میں فخراً اپنی فتوحات کے واقعات کا بیان کرتا ہے یہ لوگ ہمیشہ دیوانی فوجداری کے مقدمات کے تذکرے کرتے رہتے تھے کوئی امیر اپنی ملح پر اتنا ناز نہ کرتا ہوگا جتنا اُن کو ڈگریوں اور فیصلوں کا تھا۔ ان لوگوں کی نظروں میں میر متقی صوفی و فقیہ تھے مگر سادہ لوح اور سفیہ عالم و فاضل تھے مگر احمق و لا یعقل۔ میر متقی کا چھوٹا بھانجا سید ناظر جو غیرۃ بیگم سے بھی عمر میں چھوٹا تھا کچہری دربار کا کام دیکھتا تھا اور

تمام معاملات مقدمات اُسی سے متعلق تھے پس یہ گھر کا عقل کل تھا۔ سید حاضر جو غیرۃ سے بڑا اور اکبر اولاد تھا سید نگر میں مکان کی خبر گیری کرتا تھا اور رعایا سے وصول تحصیل کرنا اور ۱؎ سیر کا جتوانا بوانا غرض گانوں کا سب کام کاج اُس کو سپرد تھا۔ ماموں کا آنا سن کر سید نگر سے سید حاضر تو فوراً اگلے ہی دن آ حاضر ہوا اور اُس نے اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ تعزیۃ کے لیے ماموں کی طرف سے تقدیم ہونی چاہیے لیکن جب وہ واپس جانے لگا تو میر متقی اُسی کے ساتھ اولے رسم تعزیۃ کے لیے سید نگر گئے ناظر وہاں نہ تھا معلوم نہیں کسی ضرورۃ سے غیر حاضر تھا یا قصداً ماموں کی آمد سن کر ٹل گیا تھا۔ میر متقی نے بتقریب تعزیۃ جہاں اَور بہت سی باتیں سید حاضر سے کیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ تم کو شرع کی خدا نے بڑا کیا کیونکہ تم بھائی صاحب مرحوم کی اولاد میں سب سے بڑے ہو لیکن تم پہلے صرف اُن کی نسل میں بڑے تھے اور اب خاندان اور برادری میں بھی بڑے ہو کیونکہ تم کو لوگ مرحوم کا جانشین سمجھتے ہیں اور تم اُن کے جانشین ہو بھی انسان کو خدا نے ایسے طور کا مخلوق بنایا ہی کہ تمدن اُس کو لازم ہی جس طرح تمدن اُس کے وجود کی شرط ہی کہ اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتے اور آدمی آدمی کے ساتھ مل کر نہ رہتا تو آگے کو اُن کی نسل نہ چلتی اسی طرح تمدن انسان کی حیاۃ بلکہ اُس کی ممات کی بھی شرط ہی تمدن نہ ہو تو انسان کی زندگی عذاب اور مرے پیچھے اُس کی مٹی خراب۔ تمدن کی ضرورۃ سے آدمی دو دو چار چار دس دس پچاس پچاس ہزار ہزار لاکھ لاکھ اور اس سے بھی زیادہ اکٹھے ہو کر رہتے ہیں اور خاندان قبیلے اور کنبے اور برادری اور گانوں اور قصبے اور شہر اسی تمدن کے مظاہر ہیں۔ تمدن سے لوگوں میں انواع و اقسام کے باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں ماں باپ بیٹا بیٹی میاں بی بی بھائی بہن اور جتنے طور کے دور و نزدیک

۱؎ زمیندار کی خود کاشت زمین کو سیر کہتے ہیں ۱۲

کے رشتہ دار ہیں اور ہم سایہ اور ہم وطن اور حاکم و محکوم اور بادشاہ و رعایا اور استاد
اور شاگرد اور آقا اور نوکر اور افسر اور ماتحت اور زمیندار اور کاشتکار اور بائع اور خریدار
وغیرہ یہہ سب نام ہیں لوگوں کے باہمی تعلقات کے ہر تعلق کے ساتھ کچھ حقوق ہوتے
ہیں اور کچھ ذمہ داریاں مثلاً باپ اور بیٹے میں ایک طرح کا تعلق ہے باپ کا حق ہے کہ بیٹا
اُس کا ادب کرے اُس کا حکم مانے اور اس کی ذمہ داری یا بالعبارۃ دیگر اُس کا فرض
یہ ہے کہ بیٹے کو شفقت کے ساتھ پالے تربیت کرے پڑھائے لکھائے ہنر سکھائے جو اُس
کے کام آئے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ تمدن کے حقوق اور فرائض میں اکثر بلکہ سب کے
سب الا ماشاء اللہ مُطَفِّف ہیں۔ مطفف عربی میں کہتے ہیں اُس شخص کو کہ اپنا لینا ہو تو
جھکتی ہوئی تول لے اور دوسرے کا دینا ہو تو اڑتی ہوئی دے ایسے ہی لوگوں کی
شان میں اللہ تعالے قرآن مجید میں فرماتا ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا
اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝
أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
افسوس ہے ڈنڈی ماروں پر کہ جب لوگوں سے ناپ کر لینا ہو تو پورا پورا لیں اور جب
لوگوں کو ناپ یا تول کر دینا پڑے تو اُن کو گھاٹا پونہچائیں کیا یہ لوگ اس بات کا خیال
نہیں کرتے کہ ایک بڑا دن آنے والا ہے اور اُس دن ان کو مر کر اُٹھنا ہوگا اُس دن
لوگ پروردگار عالم کے روبرو کھڑے ہوں گے اسی طرح دنیا میں کوئی شخص ایسا
نہیں الا ماشاء اللہ جو اپنے حق میں سے کسی بھائی کو رتی بھر چھوڑ دے لینے میں تو
ایسا سیانا اور سخت گیر اور دوسرے کے حقوق ضائع ہوں تلف ہوں کچھ پروا نہیں
ذرا دل پر میل نہیں دینے میں ایسا گھر کا بھولا اور شریر۔ اس کشمکش اور مفسدے کے روکنے

کے لیئے اللہ جل شانہ نے دوہرے دوہرے انتظام کیئے ایک سلطنتہ ظاہری کہ بادشاہ
ہے اور اُس کے پاس فوج ہے اور توپ ہے اور تلوار ہے اور قوۃ ہے اور پولیس ہے اور حاکموں
کا ایک گروہ ہے اور جلاد ہے اور جیلخانہ ہے اور بند ہے اور تازیانہ ہے اس انتظام کے
تفصیلی حالات تم کو مجھ سے بہتر معلوم ہیں دوسری ایک سلطنتہ الٰہی ہے جس کو دین یا
مذہب یا شرع کہتے ہیں اس میں توپ کا نام نہیں تلوار کا کام نہیں اعوان و انصار نہیں
فوج اور سپاہ درکار نہیں مگر دنیا میں جس قدر امن اور جتنی عافیتہ ہے اسی الٰہی سلطنتہ کی
بدولتہ ہے ظاہر بیں اور کوتاہ بیں ایسا سمجھتے ہیں کہ دنیا کا سارا انتظام حکام ظاہر
کرتے ہیں استغفر اللہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں ملک کی ساری پلٹنیں کالوں
کی اور گوروں کی اور سارے رسالے اور سارے توپخانے اور سارے پولیس کے
ملازم اور سارے حاکم سب کے مجموعے کو ملک کی مردم شماری پر پھیلا کر دیکھو تو کیا پڑتا پڑتا
ہے اگرچہ دس ہزار باشندوں پر ایک کا پڑتا بھی نہیں بیٹھے گا مگر فرض کرو کہ دس ہزار پیچھے
ایک تو کیا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے کہ ایک متنفس دس ہزار آدمی کے ضبط پر قادر ہو آدمی
تو آدمی اگر دس ہزار گدھے یا دس ہزار بھیڑ بکری بھی ہوں تو ایک چرواہا اُن کو ایک جگہ
کھڑا نہیں رکھ سکتا نہ یہ کہ اُن کو جس کروٹ اُٹھائے اُٹھیں اور جس کروٹ بٹھائے بیٹھیں
ہاں شاید تمہارے دل میں یہ بات خطور کرے گی کہ حاکم ایک کو سزا دیتا ہے تو دس ہزار
کو عبرۃ ہوتی ہے لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ جن کو سزا ہوئی اُنھیں کو کیا عبرۃ ہوئی
کہ دوسروں کو ہوتی ہم نے تو یوں سُنا ہے خدا جانے جھوٹ یا سچ کہ بدمعاش لوگ اول تو
گرفت ہی میں نہیں آتے اور اگر کوئی شامتہ کا مارا قضارا ماخوذ بھی ہوا تو سید نگر والے
وکیل مختار اس کو سزا نہیں ہونے دیتے اور سزا بھی ہوئی تو اُن کی عبرۃ اس سے

ظاہر ہے کہ چھوٹتے ہیں تو دوسرے قیدیوں کو وصیت کر آتے ہیں کہ دیکھنا بھائی
میرے چولھے کو ہاتھ نہ لگانا مہینا پورا نہیں ہونے پائے گا کہ میں پھر آتا ہوں۔ ہم کو تو کبھی
اتفاق نہیں ہوا اور خدا نہ کرے کہ ہو مگر اخباروں میں اکثر دیکھا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں خونی
کو فلاں تاریخ فلاں وقت پھانسی دی گئی دو ہزار آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ عبرت ہو تو ایسی ہو
یہ سب نالائق تماشائی تھے اور سنگدل قصائی۔ اس کے علاوہ ایک بدیہی دلیل ایسی ہے
کہ اس سے تو تم کو میری بات کا پورا یقین ہو جائے گا۔ یہ ہلواہا جو بیلوں کو تھان سے کھول کر
لیے جا رہا ہے اس کا کیا نام ہے۔ حاضر۔ اس کا نام غریبا۔ متقی۔ ذرا اس کو بلانا۔ حاضر نے بلایا
تو اس نے ہل تو کندھے پر سے اتار کر وہیں رکھ دیا اور اسی ہل سے بیلوں کو اٹکا
سامنے آکھڑا ہوا۔ متقی۔ کیوں میاں تمہارا کیا نام ہے۔ غریبا۔ میاں مجکو گریبا کہتے ہیں۔ متقی
کون ذات ہو۔ غریبا۔ گوجر۔ متقی۔ تم کتنی کھیتی کرتے ہو۔ غریبا۔ میری کھیتی الگ نہیں (سید
حاضر کی طرف اشارہ کر کے) ہاجر (حاضر) میاں کا ہلواہا ہوں اور کھادر میں ایک دو بیگھے
کا کھیت بھو بالو نیے کا ہے اس میں ادھواڑ کا بانٹیہ[1] دار ہوں۔ متقی۔ بال بچے کتنے ہیں
غریبا (مسکرا کر) بھگوان کی بڑی کرپا ہے۔ آٹھ۔ متقی۔ کسی کا بیاہ برات بھی کیا ہے۔ غریبا۔ ابھی
سب نیدان[2] ہیں۔ متقی۔ اتنے کنبے میں کیوں کر گزرتی ہو گی۔ غریبا۔ ہاجر (حاضر) میاں
کی دیا سے روکھی سوکھی سستی مہنگی دو وخت نہیں تو ایک وخت مل ہی جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے
انھی کی ٹہل میں لگے رہتے ہیں یہی سب کو پالتے ہیں جنبتر سے بڑی سہائتا رہتی ہے
متقی۔ (اشارے سے غریبا کو پاس بلا کر آہستہ سے) کیوں بے آج کل تو کھلیان تیار ہیں
رات بے رات موقع پا کر کھلیان پیچھے دو دو پولی بھی اٹھا لاتے تو کسی کو کیا معلوم اور
مزے میں تیرا کام ہو جائے۔ غریبا۔ (دو ور ہٹ کر) نا میاں بھگوان جبرا کرم نہ کرائے

[1] بیٹے آدھ۔ سیر کا ساجھی ہو گا۔ [2] لیٹے نادان ۱۲—

متقی۔ کیوں کیا جاگا چور کی مار سے ڈرتا ہی اُس کو ہم سمجھا دیں گے۔ غریبا۔ جاگا۔ (گالی)
کہاں کا سو رہا ہی ایک ڈپٹ بتاؤں تو (گالی) دہوتی ہیں... پر نہیں بُرا کام بُرا ہی ہی۔ متقی
۔ ایسے منہ سے کسی کو کانوں کان تو خبر ہونے کی نہیں یہ اچھا ہی کہ تن پر چیتھڑا نہیں پیٹ
کو ٹکڑا نہیں۔ غریبا۔ ماشاء اللہ[1] بڑا امت دیکھو بھگوان سے تو کچھ چھپا نہیں اُس کے بعد متقی
نے استمالت کی دو چار باتیں کر کے غریبا کو تو رخصت کیا اور سید حاضر سے کہا کیوں صاحب
آپ نے دیکھا یہی انتظام الٰہی ہی کہ یہ بیچارہ نہ تو پڑھا اور نہ لکھا اور نہ شاید ساری عمر
کسی پنڈت برہمن کی صحبت میں بیٹھا۔ ضرورۃ اس درجے کی کہ اگر سچ پوچھیے تو فَمَنِ اضْطُرَّ[2]
فِی مَخْمَصَۃٍ کا مصداق ہی اندیشۂ پاسبان سے مطمئن اور اس پر چوری کو سمجھتا ہی
کہ بُرا کام ہی۔ اصل میں بُرا سمجھنا اُس کو چوری کے ارتکاب کا مانع ہی اور یہ سمجھ لینے بُرے
بھلے کا امتیاز جو خدا نے مرد عورت لڑکے جوان بوڑھے خواندہ ناخواندہ ذہین غبی شہری
دیہاتی سب بنی آدم کو علیٰ قدر مراتب دیا ہی ایک پاسبان الٰہی ہی جو ہر ایک پر مسلط ہی
اس کو کراماً کاتبین[3] کہو یا نفس لوامہ[4] سمجھو یا جن الفاظ سے چاہو تعبیر کرو میرا عقیدہ تو یہ ہی
کہ جرموں کا انسداد لاکھ حصے سلطنۃ الٰہی کی تاثیر سے ہی تو شاید ایک حصے حکومۃ ظاہری کی
تدابیر سے۔ حکومۃ ظاہری میں ایک بڑا نقص یہ ہی کہ حاکم کیسا ہی منصف کیوں نہ ہو چونکہ
اُس کو معاملے کی اصل حقیقت سے تو آگہی ہوتی نہیں ناچار اُسے روداد کی پابندی کرنی
پڑتی ہی اور روداد کی کیفیت تو کوئی ہمارے سید نگری بھائیوں سے پوچھے کہ کہو تو

---

[1] یعنی انسان نہ دیکھے مگر خدا تو دیکھتا ہی ۱۲ [2] قرآن کی ایک آیۃ کا ٹکڑا ہی جس کے معنے یہ ہیں کہ اگر
کوئی شخص بھوک سے بے قرار ہو تو اُس کو مردار بھی حلال ہی [3] فرشتے جو مسلمانوں کے عقیدے کے
مطابق اعمال نامہ لکھتے ہیں ۱۲ [4] آدمی کا دل جو اُس کو بُرے کام پر ملامت کرتا ہی ۱۲

مکھی کو بھینسا بنا دیں اور فرماؤ تو بھینسے کو مچھر بنا کر اڑا دیں یہیں حاکم ظاہری کبھی پورا
پورا انصاف کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا فیصلہ اندھے کی لاٹھی ہے لگی لگی نہ لگی نہ لگی برخلاف
سلطنۃ الٰہی کے اُس کا نشانہ ممکن نہیں کہ خطا کرے۔ اُس کا مجرم ہو نہیں سکتا کہ سزا سے
بچ جائے۔ کس کی مجال ہے کہ اُس کی ڈگری کو روکے کس کی طاقت ہے کہ اُس کے حکم کو ٹالے
۔ اگرچہ خدائی فیصلوں کے لیئے ایک دن مقرر ہے یعنے روز قیامت کہ اُس دن اللہ جل وعلا
شانہ عدل و انصاف کے تخت پر اجلاس فرمائے گا اور نیک اور بد اور سخی اور سوم و ظالم
اور مظلوم سب کا آخیر چکوتا کرے گا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ[۱] مگر کبھی مصلحت الٰہی
اس کی بھی مقتضی ہوتی ہے کہ اسی دنیا میں بدلا مل جاتا ہے۔ یہی سید نگر ہے کہ اب سے بہت
زیادہ دور بھی نہیں شاید بیس برس پہلے دس بارہ ہاتھی سادات کے دروازوں پر کھڑے
جھولتے تھے اور اُن کی سخاوت اور داد و دہش اور مہمان نوازی اور مسافر پروری کی
کیا شہرت تھی کہ کربلا اور بغداد اور حرمین اور نجف اور کاظمین تک
زُوّار ہر سال نام سن کر آتے تھے میں اُن دنوں اچھا خاصہ ہوشیار تھا مجھ کو خوب یاد
ہے کہ اس بڑی مسجد میں دو ڈھائی سو طالب العلم رہتے تھے اور یہیں کے سادات اُن کے
کھانے کپڑے کتاب سب چیزوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ طالب العلموں کے پڑھانے کے لیئے
بیش قرار تنخواہوں کے پانچ یا چھ اچھے جید حافظ اور مولوی نوکر تھے سارے مہینے رمضان
کے اور دس دن محرم کے غربا اور مساکین کے لیئے اس قدر کھانے پکتے تھے کہ اُس کا
ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہے بارہ کوس کے گرد کی تمام خلقت ٹوٹتی تھی اور کیا نیتوں
کی برکت تھی کہ ہزار دو ہزار پانچ ہزار جتنے آدمی ہوتے ہر شخص کو دو خمیری روٹیاں ایک پیالا

---

[۱] ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں ۱۲-

قلیے کا اور ایک خوانچہ کھیر کا وقت پہ پونہچ جاتا میر بابا صاحب کا گھر اُن دنوں سب میں
بڑھا چڑھا تھا۔ ان کا حال سنا ہے کہ دونوں وقت گنے ہوئے پورے سو آدمی دسترخوان
پر میر صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور کیسی خدا کی مہربانی تھی کہ گلی میں دیکھو تو ٹوکریوں
لڑکے۔ سید نگر میں کبھی کسی سیدانی کو بانجھ اور چھ چھے سے کم کسی کے بچے سننے میں نہیں آئے
غلہ ہمیشہ ارزاں عام بیماری یا وبا کبھی سید نگر کے سوانے میں داخل نہیں ہوئی۔ ایک بار
گوجروں سے سوانے کی تکرار ہوئی لٹھ چلا طرفین سے آدمی مارے گئے بس اس رات
سے سید نگر پر تباہی آئی۔ یوں تو سادات اور گوجروں میں سدا سے چھیڑ چھاڑ ہوتی
چلی آئی تھی۔ مگر اس مقدمے میں سادات سراسر برسر ناحق تھے۔ ہمیشہ سے سید نگر کا
سوانا اس تیس ہزاری باغ کی مشرقی کھائی تھی یہ باغ عین سوانے پر اسی غرض سے
لگایا گیا تھا کہ گوجر حد سے متجاوز نہ ہوں تکرار اتنی ذرا سی بات پر ہوئی کہ میر بابا کے منجھلے
بیٹے میر مقتدر کے سائیسوں نے گوجروں کی رکھانت گھانس باغ کے پورب کاٹنی شروع
کی گوجروں نے مزاحمت کی یہاں تک کہ داتا سنگھ نے جو گوجروں کا سرگروہ اور میر بابا کا
مد مقابل تھا اپنا خاص کارندہ میر بابا کے پاس بھیجا وہ کارندہ میر صاحب تک پونہچنے نہیں
پایا کہ بیچ میں میر مقتدر نے اُس کو بہت کچھ سخت و سست کہا اور حق و ناحق ہزار ہا گالیاں
داتا سنگھ کو دیں۔ میر مقتدر بڑے غصیلے اور بڑے ظالم اور بڑے سخت گیر اور بڑے جفا
مشہور تھے کہتے ہیں کہ دو تین خون اُن کے ہاتھ سے ہوئے مگر دب دبا گئے اُنھوں
نے ظلماً کئی بھلے آدمیوں کی ناموس بگاڑی اور عزت ریزی کی۔ میر بابا کے خاندان میں
جو سید لوگ ناتا نہیں کرتے اصل میں اس کا سبب یہی ہے کہ میر مقتدر نے بلا امتیاز بہت
سی عورتوں کو جبراً گھر میں ڈال لیا تھا کوئی ہندنی تھی کوئی چماری کوئی گوجری غرض

میر مقتدر کے بعد سے اُن کے خاندان کے نسب کا اعتبار اُٹھ گیا۔ بیٹے کے زور ظلم نے میر بابا کی تمام نیکیوں کو بے قدر کر رکھا تھا نہیں معلوم دیدہ و دانستہ بیٹے کی حرکات ناشایستہ سے چشم پوشی کرتے تھے یا در اقع میں مقتدر پر ان کا کچھ اقتدار نہ تھا۔ میر مقتدر کا تمام علاقے میں ایسا زلزلہ تھا کہ کوئی بھلا آدمی سید نگر کی تھانہ داری پر آنے کے لیئے رضامند نہیں ہوتا تھا مجبور کیا جاتا تو نوکری سے استعفا دیتا مگر ادھر کا رُخ نہ کرتا۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ سید نگر کو مقتدر کے ظلموں نے تباہ کیا اور نزاع سوانے کا ایک بہانہ تھا جب مقتدر نے داتا سنگھ کے کارندے کو بُرا بھلا کہا اور اس کے مالک کو علے رؤس الاشہاد[1] مغلظات سنائیں وہ بیچارہ اپنا سا مونہہ لے کر لوٹ گیا اور داتا سنگھ کے آگے جا کر اپنی پگڑی زمین پر دے ماری اور کہا کہ تم نے مجھ کو بے عزت کرایا اور خود بھی بے عزت ہوئے آج میر بابا کے بیٹے نے بھری کچہری میں مجھ کو اور تم کو دونوں کو فضیحت کیا اور ایسی ایسی گالیاں دیں کہ کوئی چمار کو بھی نہیں دیتا۔ داتا سنگھ بڑی غیرت اور بڑے طنطنے کا آدمی تھا اور کسی بات میں میر بابا سے ہیٹا نہ تھا سن کر لال ہوگیا اور کہا کہ اس مسلمان کے چھوکرے کا اتنا مقدور خیر آب لڑائی ہی تو لڑائی ہی سہی داتا سنگھ کے مونہہ سے اتنی بات کا نکلنا تھا کہ ڈیڑھ دو ہزار گوجر بھاری بھاری لٹھ کندھوں پر دھر رکھانت پر جا موجود ہوئے۔ میر صاحب کے گھسیارے اُن کو دور سے دیکھ بھاگ کھڑے ہوئے سید نگر میں خبر ہوئی ادھر سے لشکر سادات نکلا دوپہر کامل لٹھ چلا دو پولنے دو سو آدمی زخمی ہوئے۔ چار گھڑی رات جاتے جاتے سرکاری فوج توپ لے کر آپونہچی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی تحقیقات ہونے لگی اور نتیجہ یہہ ہوا۔

[1] لوگوں کے روبرو ۱۲

	قید		قصاص
	دائم الحبس	میعادی	
گوجر	۵	۵۱	۷
سادات	۲۲	۱۰۱	۱۸

ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں اکثر سزا کا پلہ دونوں طرف برابر رہتا ہے مگر سیدوں نے
بڑا غضب یہ کیا کہ ادھر تو سوانے پر لڑائی ہو رہی تھی اُدھر ڈھائی تین سو آدمی سیدنگر
سے نکل کر کاٹ **گوجرپور** میں جا گھسے اور وہاں گوجروں کے مندروں کو توڑا پھوڑا
عورتوں کو بے عزۃ کیا یوں سیدوں کی طرف سے زیادتی بہت ہوئی اور سزا بھی
بہتوں نے پائی۔ میر بابا نے تو جس وقت سرکاری فوج کا آنا سنا اسی وقت زہر
کھا کر مر رہے۔ میر مقتدر کسی تدبیر سے بھاگ نکلے گھر بار ضبط ہوا اسباب نیلام ہوا بیٹیوں
میں تین یا چار نابالغ بچے تھے وہ تو بچے دو نے پھانسی پائی اور دو کالے پانی بھیجے گئے میر مقتدر
کے لیے پانسو روپے کا اشتہار رہا مگر پکڑے نہ گئے **رفیق** اُن کا ایک خانہ پرور ان کے
ساتھ بھاگا دس بارہ برس بعد اکیلا واپس آیا بڑا نمازی بڑا پرہیزگار وہ بیان کرتا تھا
اُن کی مصیبتیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے کہتا تھا کہ آخر کار کسی مقام پر بغداد
کے علاقے میں میر مقتدر مرض موت میں مبتلا ہوئے مگر ایسی سختی کی موت ہم نے تو دیکھی کیا
سنی بھی نہیں پورے پندرہ دن بول و براز بند تھا نہ مسہل اثر کرتا تھا نہ حقنہ نہ پچکاری
دن اور رات مچھلی کی طرح تڑپتے تھے اور کسی وقت تالو سے زبان نہیں لگتی تھی بول
و براز کے بند ہونے سے مادے میں سمیت پیدا ہوئی اور سمیت ظاہر جلد تک پھوٹ پڑی
باوجودیکہ نہایت گورے چٹے آدمی تھے اور اُن مصیبتوں میں بھی ایرانی معلوم ہوتے
تھے سمیت کی وجہ سے سارا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے سیہ تاب اور سوزش اس بلا کی کہ کیچڑ

میں لوٹے لوٹے پھرتے تھے مگر ایک لمحہ قرار نہ تھا۔ مرنے سے سات دن پہلے نہیں معلوم کیا بات تھی بے ہوشی میں وطن کے لوگوں کے نام لے لے کر کہتے تھے فلانا مجکو مارے ڈالتا ہی فلانا گرم سیخیں میرے پیٹ میں بھونکتا ہی فلانا مجکو تنور میں دھکا دیتا ہی فلانا میری کھال کھینچتا ہی رفیق کا مقولہ یہ تھا کہ جن لوگوں کے وہ نام لیتے تھے وہ تھے جن پر اُنھوں نے ظلم کیے تھے۔ رفیق یہ دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوا کہ گویا اُسی دن سے اُس نے ترک دنیا کیا۔ غرض وہ کم بخت سوانے کا مقدمہ کیا ہوا تھا کہ سید نگر کے حصے کی قیامت آگئی آبرو اور جان اور مال کا جو نقصان ہوا تھا سو ہوا تھا ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ سادات سے خیر بالکل اُٹھ گئی۔ اب اس نواح میں سید کے معنے ہیں مفسد لڑاکو جھگڑالو۔ مردم آزار۔ جھوٹا۔ جعلساز۔ مفتری۔ فتنہ پرداز۔ اور واقع میں لوگوں کے افعال و معاملات پر نظر کرتے ہیں تو جس قدر بدنامی ہو رہی ہی اُس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ گوجروں کے ساتھ لڑنے کا مزہ چکھ چکے تھے چاہیئے تھا کہ لڑائی کے پاس نہ پھٹکتے مگر اُلٹا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ بھائی بھائی سے لڑنے لگا باپ بیٹے سے بڈہا بال سے میاں بی بی سے پڑوسی پڑوسی سے حصہ دار حصہ دار سے زمین دار کاشتکار سے گویا لڑائی ان کے خمیر میں داخل ہی یا بے لڑے ان کو نیند نہیں آتی یا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شرافت نجابت کے دعوے اتنے لمبے چوڑے کہ کسی کو اپنا کفو نہیں سمجھتے مگر معاملات ایسے کہ پاجی سے پاجی کو شرم آئے اور کمینے سے کمینے کو عار۔ سید نگر کی کھیوٹ نکال کر دیکھو جھڑا عورتوں کے نام ہیں کسی کی جورو کسی کی بیٹی کسی کی بہن۔ دیوانی فوجداری میں مہر اور نان و نفقہ اور طلاق کے جتنے مقدمے ایک سید نگر کے ہوں گے شاید ساری لفٹنٹی کے نہ ہوں۔ مگر ان تمام فسادات کے نتیجے کیا ہیں تم لوگوں کے گھروں

میں سٹامپ کے بڑے بڑے پشتارے بہت نکلیں گے بیبیوں کے جسم پر چاندی کا تار نہیں باوجودیکہ دیہاتی پہناوا ہی گھڑی میں سلیقے کا کوئی کپڑا نہیں جو اُسا جرا سالو ان کو دون جو کچھ سیر میں پیدا ہوا اُسی پر تمھاری گزران ہی۔ تمھارا علاقہ شہد کی مکھیوں کا چھتا ہی جتنے پیدا ہوتے گئے اُسی میں بھرتے گئے۔ میں اگر تمھارے علاقے کا مہتمم بندوبست ہوتا تو بیگھہ بسوا بسوانسی کچوانسی سب موقوف کر کے کسور اعشاریہ میں تمھارا کھیوٹ بناتا۔ یہ حال تو تمھاری حصہ داریوں کا ہو گیا ہی اس پر طرّہ یہ ہی کہ جس حصے کو دیکھیے کثرۂ انتقالات سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ایک کباب ہی اور اُس میں ہزارہا چینوٹیاں۔ سید زادوں کو دیکھا تو اس سرے سے اُس سرے تک ایک ہوشیار نہیں کسی میں آیندہ کی فلاح کے آثار نہیں۔ یہ وبال یہ نکبت یہ ذلت یہ افلاس سب تمھارے ہی اعمال کی سزا ہی اور اگر یہ پوری سزا ہوتی تو تم سستے چھوٹ گئے تھے یقین جانو سزا نہیں ہی بلکہ تمہید سزا۔ جب سزا کا وقت آئے گا تو یہ تمھارا قانون اور قاعدہ کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ حقوق کے متعلق ایک بات اور ہی جس کو میں چاہتا ہوں کہ تم اُس کی طرف زیادہ توجہ کرو وہ یہ ہی کہ انسان کے ذمے دو طرح کے حقوق ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ لوگ حقوق العباد کی نسبتہً بڑی غلطی میں پڑے ہیں اور اُن کو آسان سمجھ لیا ہی حالانکہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہی اگر کسی آدمی سے اللہ کے حقوق ضائع ہوں اور سبھی سے ہوتے ہیں تو بندے کا خدا سے کیا مقابلہ حقوق الٰہی کا ضیاع اکثر سہو اور غفلت اور نادانی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ہوتا ہی اور امید ہی کہ خداوند غفور رحیم بندوں کے ضعف پر نظر فرما کر اُن کے قصور معاف کرے اور کرے گا مگر حقوق العباد کا یہ حال نہیں ہی اس میں ایک بندہ زور سے ظلم سے ہیکڑی سے زبردستی سے دوسرے بندے کو ستاتا اُس کا دل دکھاتا اُس کو ایذا پونہچاتا ہی اور اس قصور کا معاف کرنا نہ کرنا

اوسی بندۂ مظلوم کے اختیار میں ہے مگر انصاف کر و دنیا میں کتنے لوگ اس کی پروا کرتے
ہیں۔ لاکھوں مظلمے ہیں جن کو بندگان خدا مرتے وقت اپنے سروں پر لاد کر لے جاتے ہیں
بات یہ ہے کہ دین کو کھیل اور مذہب کو ہنسی سمجھ رکھا ہے مونہ سے کہتے ہیں کہ مرنا برحق نکیرین[1]
کے ساتھ سوال و جواب کا ہونا برحق عذاب قبر برحق قیامت برحق مرے بعد پھر زندہ ہونا
برحق رتی رتی کا حساب دینا برحق جنت برحق دوزخ برحق اور کردار حق تھو[2] سید حاضر مجھ
میں تم میں قرابت کا ایک تعلق ہے اور جیسا میں نے تم سے کہا تعلق سے پیدا ہوتے ہیں
حقوق اور فرائض ہیں اس کو اپنا فرض تعلق سمجھتا تھا کہ تمہارے فرائض کو تم پر اچھا
ظاہر کردوں سو میں نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ کہہ کر متقی بھانجے سے رخصت ہوا اور چلتے
چلتے کہہ گیا کہ افسوس ہے سید ناظر سے ملاقات نہ ہوئی انشاء اللہ پھر کسی دن آؤں گا۔ میر متقی
نے اچھے خاصے پہر سوا پہر سید حاضر کے ساتھ باتیں کیں اسی تمام وقت میں سید حاضر
کا یہ حال تھا کہ ماموں کے مونہ پر اس کی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی اور ہمہ تن گوش ہو کر
اون کی باتوں میں مستغرق تھا جو لفظ ماموں کے مونہ سے نکلتا اس کے دل میں
کالنقش فی الحجر بیٹھتا چلا جاتا۔ حاضر کے کان ایسی باتوں سے مطلق آشنا نہ تھے اس پر
میر متقی کا بیان کہ گویا ایک دریا ہے کہ موجیں مار رہا ہے یا ریل ہے کہ فی گھنٹہ سو میل کی
رفتار سے دوڑ رہی ہے یا بھری برسات میں ساون بھادوں کا بادل ہے کہ امڈا چلا
آرہا ہے اور پھر باتیں کھری سچی ستھری جن میں ذرا اونچ نیچ نہیں دنیا کے فائدوں کی ضامن
دین کی درستی کی کفیل بھلائی کی صلاح بہتری کا مشورہ سید حاضر بت کی طرح چپ بیٹھا
سنتا رہا اگرچہ گانوں کا کام کاج کرتا تھا مگر کونسا گانوں سید نگر جہاں کے پڑھے

۱ قبر کے فرشتوں کو نکیرین کہتے ہیں ۱۲ ۲ یعنے کردار تھو کہنے کے قابل ۱۲

ساہوکاروں کے شکمی کاشتکار تعلقہ داروں کے تھے جاہل محض لیاقت شعاروں کے۔ اہل مقدمہ وکیل مختاروں کے کان کترتے تھے مگر متقی نے اتنا کچھ کہا اور سید حاضر سے چوں کرتے نہ بن پڑی۔

دسویں فصل سید حاضر کا میر متقی کے وعظ سے متاثر اور متنبہ ہو کر بہن کو اُس کا حق دینے پر آمادہ ہونا اور دونوں بھائیوں کی اسی بات پر باہمی رنجش

میر متقی کے چلے جانے کے بعد بھی سید حاضر دیر تک سکتے کے عالم میں تھا اپنے یہاں کے معاملات میں سے جس معاملے پر نظر کرتا تھا کسی کو دغل فساد سے اتلاف حقوق العباد سے خالی نہیں پاتا تھا جن باتوں پر اُس کو بڑا ناز تھا اب اُس کی نظر میں نہایت ذلیل اور پاجی پن کی دلیل معلوم ہوتی تھیں۔ وہ گھبرایا ہوا اکیلا دالان میں ٹہل رہا تھا اور اس قدر بے قرار تھا کہ جاڑے کے دن اور شام کا وقت اُس کو پسینے پر پسینے چلے آتے تھے اور دیکھتا تھا کہ کھانا اور پینا اور اوڑھنا اور بچھونا اور ساز و سامان اور مال و متاع اور نقد و جنس حتیٰ کہ اپنا گوشت پوست کوئی چیز بھی لوث حرمت سے پاک نہیں پاتا تھا کہ بدکرداری اور بدمعاملگی ہماری برادری اور ہمارے خاندان میں اباً عن جدٍ[1] چلی آتی ہے۔ اگرچہ حاضر و ناظر دونوں باپ کے مرنے سے معاملات کرنے لگے تھے مگر حاضر نے احتساب کیا تو اتنے ہی دنوں میں صدہا مظلمے اُن کے نامۂ اعمال پر چڑھ چکے تھے اور اُن میں اکثر ایسے تھے جن کا تدارک محال تھا اور تلافی ناممکن۔ ہم کو حاضر کی اتنی ہی بات سے تعلق ہے کہ جہاں اُس کو اپنے وقت کے اور بہت سے معاملے یاد آئے اُن میں سے ایک معاملہ غیرۃ بیگم کا بھی تھا اگرچہ غیرۃ بیگم کے معاملے میں ابتدا

[1] یعنے یہ بطور میراث باپ دادا سے متوارث چلی آتی ہے ۱۲

تحریک ناظر کی طرف سے ہوئی اور اُسی کو اُس میں زیادہ اصرار بھی تھا مگر پھر بھی حاضر
کا اتنا قصور تو تھا ہی کہ بڑا بھائی ہو کر اُس نے ناظر کو سمجھایا نہیں غیرۃ بیگم کا خیال
آنا تھا کہ فوراً گھوڑا کسوا سوار ہو راتوں رات شہر میں ناظر کے مکان پر جا دستک دی
اگلے دن کسی مقدمے کی پیشی تھی اور ناظر آدھی رات تک گواہوں کی تعلیم اور کاغذات
کی درستی میں مصروف تھا ابھی اچھی طرح نیند بھری نہ تھی کہ بھائی کی آواز سن کر چونک
پڑا اور لگا پوچھنے خیر تو ہے آپ ایسے سویرے کیوں کر آئے۔ حاضر۔ خیر ہے تم باطمینان
وقتی ضرورتوں سے فارغ ہو لو تو میں اپنے آنے کی وجہ بیان کروں گھبرانے کی کوئی
بات نہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب دونوں بھائی یکجا ہوئے تو حاضر نے پوچھا چھوٹے ماموں
آئے ہیں تم اُن سے ملے۔ ناظر۔ ماموں کا آنا تو مجکو معلوم ہوا مگر میں ملا نہیں اور ملنے
کا ارادہ بھی نہیں۔ حاضر۔ کیوں۔ ناظر۔ میں جانتا ہوں وہ آپا کا جھگڑا ضرور نکالیں گے
اور مجکو کسی طرح آپا کا حصہ دینا منظور نہیں بے فائدہ باتوں ہی باتوں میں تکرار ہو
پڑے گی۔ حاضر۔ کیوں بیچاری غیرۃ نے ایسا قصور کیا کیا ہے کیا وہ ہماری حقیقی بہن اور
متروکہ پدری میں عنداللہ و عندالرسول حقدار نہیں ہے۔ حاضر کے مُونہ سے یہ
سوال سُن کر ناظر کے کان کھڑے ہوئے آدمی تھا معاملہ فہم معاملہ شناس فوراً تاڑ گیا کہ بھائی
ماموں سے ملے اور ماموں نے پٹی پڑھائی تو کہتا کیا ہے کہ اگر ماموں کوئی فتویٰ مکّے سے لکھوا
کر لائے ہوں تو اُس کو اپنی قدوری[1] میں چپکا رکھیں اُن کو شاید یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہاں
شریف مکہ کا حکم نہیں چلتا انگریز بہادر کی عملداری ہے میں نے برسوں کی جستجو میں پریوی
کونسل و عدالتہائے عالیہ ہائی کورٹ و چیف کورٹ اور جوڈیشل کمشنر کے فیصلوں
اور میکناٹن اور سر ہنری لا کی شرع محمدی سے وہ نظائر اور احکام چھانٹ کر رکھے ہیں

[1] علم فقہ کی ایک کتاب کا نام ہے ۱۲

کہ اگر آپا سے جہیز واپس نہ کرا لوں تو سید نہیں چمار۔ حاضر کو بھی بھائی کی اس قدر خشونت[1] دیکھ کر نہایت استعجاب ہوا کیوں کہ اُس نے آج تک حاضر کے رو در رو ایسی شوخ چشمی کے ساتھ کبھی بات نہیں کی تھی اور بولا کہ تم ماموں سے ناحق بدگمان ہوتے ہو ہیں اُن سے ملا بے شک اور وہ تعزیت کے لیے سید نگر تشریف لے گئے بلاشبہہ مگر عنیزہ بیگم کا نام تک اُن بے چارے نے نہیں لیا اور افسوس ہے کہ تم نے اُن کی شان میں خُرد ہو کر اس قدر گستاخی کی اور وہ بھی غائبانہ پس تم نے ایک بزرگ کا حق تلف کیا ناظر۔ اُنھوں نے آپا کا نام نہ لیا ہوگا اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ الصَّرَاحَۃِ[3] اور فرض کیا کہ میں نے گستاخی کی تو قانون نے صرف ایک ہی گستاخی کو جرم قرار دیا ہے یعنے حاکم عدالت کے ساتھ گستاخی کرنا جب وہ عدالت کا اجلاس کر رہا ہو اور ظاہر ہے کہ ماموں اُس کے مصداق نہیں ہو سکتے ناظر کے اس جواب سے حاضر کو سید متقی کی اس بات کی تصدیق ہوئی کہ حکام ظاہر کے انتظام سے پورے طور پر حقوق العباد کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ سید متقی کے وعظ سے سید حاضر کے خیالات دفعتًہ اس قدر متبدل ہو گئے تھے کہ دونوں بھائیوں میں التیام کا ہونا محال تھا۔ ناظر اپنے اُسی پُرانے موروثی ڈھرے پر چلتا تھا کہ قانونی گرفت بچا کر جہاں تک اور جس طرح ممکن ہو اپنا فائدہ کرنا چاہیے کسی کا حق تلف ہو تو مضایقہ نہیں کسی کا دل دکھے تو پروا نہیں عاقبت تباہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور سید حاضر کو اب اس بلا کا اہتمام تھا کہ ایک غیبت کو بھی وہ اتلاف حق سمجھا غرض یہ جو سُنا کرتے تھے کہ الدنیا والدین ضرتان۔ با ہم خداخواہی و ہم دنیائے دوں ٭ ایں خیال ست و محالست و جنوں اب وہ معاحل ہوا کہ حقیقت میں وہ دنیا جو دین کی دشمن ہے اور اُس کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی

[1] سختی [2] تعجب [3] یعنے بعض اوقات صراحت سے اشارہ زیادہ موثر ہوتا ہے [4] دنیا اور دین دو سوکنیں ہیں ۱۲

وہ یہ دنیا ہی کہ جیسی ناظر کی تھی جس میں حلال و حرام کا امتیاز نہیں جائز و ناجائز کا تفرقہ نہیں خدا و رسول کا خوف نہیں روز قیامت کا اندیشہ نہیں۔ ناظر کی اتنی ہی باتوں سے حاضر کو پورا تیقن ہو گیا کہ اس کو سمجھانا یا اس کے ساتھ بحث کرنا محض بے سود اور لاحاصل ہی اس پر قالون کی پھٹکار ہی اور اس کے سر پر چڑھا ہوا جن سوار اس لیئے زیادہ رد و کد مناسب نہ سمجھ کر اُس نے دو ٹوک بات ناظر کو شادی کہ تم اس کو ماموں کا اغوا سمجھو یا میرا حمق میں تو عمیرہ بیگم کا حق اب ایک لمحے کے لیئے بھی نہیں رکھ سکتا۔ ناظر دیکھیئے ایسا کیجیئے گا تو مجھ سے آپ سے لگاڑ ہو جائے گا۔ حاضر۔ اگر اتنی ہی بات ہے کہ میں ایک حق دار کا حق مارنا نہیں چاہتا تم مجھ سے بگڑو تو تمھاری خوشی اگرچہ تمھارے بگڑنے کا مجکو سخت افسوس ہوگا مگر اُس سے ہزار درجے زیادہ افسوس ہوگا اگر عمیرہ بیگم کا حق غصبًا میرے پاس رہے۔ ناظر۔ یہ آپا کی خصوصیت کیا ہی۔ حاضر۔ خصوصیت پوچھو تو وہ ہماری حقیقی بہن ہی مگر ایصال حق کے لیئے اُس کی مطلق خصوصیت نہیں ان شاء اللہ سب حق داروں کے ساتھ میں ایسا ہی معاملہ کروں گا۔ ناظر۔ تو آپ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ آپ ترک دنیا پر آمادہ ہیں۔ حاضر۔ اگر مغصوبات کا واپس کر دینا تمھارے نزدیک ترک دنیا ہی تو مجکو اس سے انکار نہیں۔ ناظر۔ بیٹھے بٹھائے یہ آپ کو ہوا کیا ہی پہلے تو میں ماموں کو مولوی اور حاجی اور جیسا ان کا نام ہی متقی سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تسخیر یا سحر کے بھی عامل ہیں۔ حاضر۔ ماموں کی شان میں تمھاری طرف سے یہ دوسری گستاخی اور دوسری غیبت اور دوسرا اتلاف حق ہی۔ ناظر۔ میں آپ کو آگاہ کیئے دیتا ہوں کہ یہ گھر کی تباہی کے سامان ہیں۔ حاضر۔ جس گھر کی آبادی دوسروں کے حقوق کے غصب کرنے پر موقوف ہو اُس کا تباہ ہونا ہی بہتر ہی۔ ناظر۔ آپ نے انجام کار پر بھی نظر کر لی ہی۔ حاضر۔ انجام کار پر نظر کرنا ہی

مجھ کو تو اس ارادے کا باعث ہوا ہے۔ ناظر۔ تو آپ مجھ کو بھی اپنے ساتھ برباد کرتے ہیں کیسی کیسی محنتوں اور کیسی کیسی تدبیروں سے میں نے ملکیت کو درست کیا اب ایک ڈھنگ پر آچلی تھی تو آپ ساری عمارۃ کو جڑ بنیاد سے ڈھائے دیتے ہیں۔ حاضر۔ کیا تم نے مجھ کو مجنوں قرار دیا ہے یا مخبوط الحواس سمجھا ہے دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا ہے جو دیدہ و دانستہ اپنے پانوں میں آپ کلہاڑی مارے یا سمجھ بوجھ کر اپنے رہنے کے مکان میں آپ آگ لگائے فرق صرف اتنا ہے کہ اس بات کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دوں اور جس دنیاوی فائدے میں دین کا ضرر ہے اس کی طمع نہ کروں اگر ایسا کرنے سے میری دنیا برباد ہوتی ہو تو ہوا اور اگر مجھ پر دنیاوی تباہی آتی ہے تو آئے جب میں نے دین کے خلاف دنیاوی فائدے کا لالچ نہ کیا تو دنیاوی نقصان کی میں کیا پروا کر سکتا ہوں ناظر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تمھارے فائدوں کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں مگر وہیں تک کہ وہ فائدے جائز طور پر حاصل کئے جائیں غصب اور ظلم اور دغا اور فساد اور اتلاف حقوق العباد کو نہ میں اپنے لئے جائز رکھتا ہوں اور نہ تمھارے لیے۔ ناظر۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ پر ماموں نے جادو کیا۔ حاضر۔ اگر تمھارے نزدیک یہ جادو ہے تو یہی جادو تمام پیغمبر صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین تمام اولیا تمام انبیا تمام اتقیا کرتے آئے ہیں مگر جادو ایک مکروہ لفظ ہے اس کا استعمال بزرگان دین کے حق میں میرے نزدیک تو درست نہیں ہے۔ ناظر۔ اچھا تو ایک کام کیجیے آپ اپنے حصے کا بٹوارہ کرا لیجیے اور علحدہ ہو جائیے۔ حاضر۔ میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا مگر اس صورۃ میں مشکل یہ ہے کہ جب تک ملکیت تمام مظالم سے پاک نہ ہو میں اس میں سے حصہ لے نہیں سکتا۔ ناظر۔ آپ نے ساری ملکیت کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ اپنے مذہب کے رو سے حصۂ پدری میں سے جتنا حصہ آپ اپنا سمجھتے ہوں الگ کر لیجئے۔ حاضر۔ والد مرحوم کی جگہ میرا اور تمھارا اور عبرۃ بیگم

تینوں کا نام لکھا جانا چاہیئے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ[1] ہم دونوں نے ناحق اور ناروا بہن کو محروم کرکے اپنے ہی نام چڑھوالے تو نصف نصف ہم دونوں کا ہوالیس سرکاری کاغذات میں میرا نصف حصہ لکھا ہے اسی میں بھی تو غیرۃ بیگم کا ایک عشر شامل ہے جس کو میں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ ناظر۔ آپ بٹوارے کی درخواست میں لکھ دیجئے کہ اگرچہ میرے نام نصف حصہ لکھا ہے مگر حقیقت میں میرا دو خمس ہوتا ہے اسی قدر کا میں بٹوارہ چاہتا ہوں۔ حاکم آپ کی درخواست تصدیق کرکے آپ کے دو خمس کا بٹوارہ کردے گا۔ حاضر۔ تو غیرۃ بیگم کا یہ ایک عشر بھی تمھاری طرف منتقل ہو جائے گا۔ ناظر۔ آپ کا اس میں حرج کیا ہے غیرۃ بیگم کا مطالبہ میرے سر رہے گا۔ حاضر۔ تو اس کے یہ معنے ہیں کہ میں غیرۃ بیگم کا ایک عشر جو میرے نام ہے تمھارے نام منتقل کردوں۔ ناظر۔ خیر معنے مطلب تو میں سمجھتا نہیں ایک راہ کی بات جو میں نے آپ کو بتائی اگر آپ کو مجھ سے پرخاش نہیں ہے تو جس طرح میں نے بیان کیا درخواست لکھیئے اور پیش حاکم اُس کو چل کر تصدیق کرایئے باقی مراتب میں دیکھ بھال لوں گا آپ کو وہی دو خمس ملے گا جو آپ چاہتے ہیں۔ حاضر۔ غیرۃ بیگم کا ایک عشر میں تمھارے نام تو منتقل نہیں کراسکتا وہ بھی تو ناجائز ہے حق دار کو تو اُس کا حق نہ ملا ہاں اگر کہو تو درخواست میں یہ بات بے شک لکھ دوں کہ میرے نام جو نصف حصہ لکھا ہے اُس میں دو خمس میرا ہے اور ایک عشر غیرۃ بیگم کا۔ ناظر۔ اس سے تو میری نصفی میں فتور پڑے گا۔ حاضر۔ پڑے گا تو تم جانو میرے اختیار کی بات نہیں۔ ناظر۔ آپ کے اس اصرار سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف تقاضائے دین داری نہیں ہے بلکہ ماموں کے سب فساد ہیں۔ حاضر۔ تم بار بار پھر پھر کر ماموں کو اُن کی پیٹھ پیچھے بُرا کہتے جاتے ہو

[1] مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے

مجھ کو اس بات سے سخت تکلیف ہوتی ہے میں نے تم سے کہا کہ ماموں نے غیرۃ بیگم کا نام تک
نہیں لیا اور تم نے میرے کہنے کو سچ نہ جانا فرض کرو ماموں ہی نے مجھکو غیرۃ بیگم کا حق مغصوب
واپس کر دینے پر آمادہ کیا تو کیا احقاق حق میں کوشش کرنا فساد ہے۔ ناظر یہ کہہ کر اٹھ کھڑا
ہوا بہت خوب معلوم ہوا آپ آپا کو اُن کا حصہ دیجئے اگر آپ سے دیا جائے اور وہ لیں اگر
اُن سے لیا جائے اور ماموں جس غرض سے بھانجی کی خوشامدیں لگے ہیں مجھکو معلوم ہے بتلا
بھائی کو اُنھوں نے دیکھ پایا ہے بھولا بے وقوف چاہتے ہیں کہ بھانجی کے نام سے بڑے
ماموں کی تمام املاک پر خود قابض ہو جائیں لیکن (موچھوں پر تاؤ دیکر) اگر ناظر کے دم میں
دم ہے تو ماموں کو ایسا مزا چکھاؤں کہ سات برس بعجع سے پھر کر آنا نصیب ہوا اب ان کو
ہجرۃ ہی کرنی پڑے تو سہی۔ آپا کا حصہ لینا ایسا کیا ہنسی کھیل ہے۔ حاضر بیچارہ اپنا سا مونہہ
لے کر سید نگر واپس گیا غمگین اداس کیا خدا کی شان ہے کہ کل شام موں شام سید متقی کے وعظ
سے حاضر متنبہ ہوا تو بہ کی تلافی مافات پر آمادہ ہوا الّوں رات بھاگا ہوا بھائی پاس آیا
ابھی جی کھول کر بھائی سے باتیں نہیں کرنے پایا تھا کہ سخت امتحان میں پڑ گیا وہ خوب
واقف تھا کہ ناظر ایک سانپ ہے اس بلا کا زہریلا کہ اس کا کاٹا پانی نہ مانگے اس کا ڈسا ہوا
پھٹکا نہ کھائے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ناظر اگر بگڑا اور اب اس کے بگڑنے میں کسر ہی کیا
باقی تھی تو کیسی زمینداری اور کس کی حصہ داری گانوں کا رہنا دشوار کر دے گا اور اس
کے ہاتھوں سے زندگی دبال دوش ہو جائے گی۔ یہ خیال کر کے وہ جی ہی جی میں اپنے
آپ کو سمجھاتا تھا کہ مجھ کو بھائی کے ساتھ بگاڑنا کیا ضرور ہے اگر وہ غیرۃ بیگم کا حصہ نہیں
دیتا نہ دے وہ جانے اس کا کام جانے اپنا اپنا کرنا اپنا اپنا بھرنا غیرۃ بیگم کو حصہ لینا ہو گا
تو آپ سے آپ نالش کریں گی۔ ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند۔ میری طرف سے تنا

میری طرف سے اتنا کافی ہے کہ ابھی سے عفیرہ بیگم کے حصّے سے دست بردار ہو جاؤں اور اگر نالش ہو تو دعوی کی تردید نہ کروں پھر سوچتا تھا کہ اب تک جو عفیرہ بیگم حصے سے بے دخل رہیں اس کا وبال جیسا ناظر پر ویسا مجھ پر کیوں کہ ہم دونوں نے مل کر عفیرہ بیگم کو محروم کیا بلکہ ایک اعتبار سے مجھ پر زیادہ اور ناظر پر کم کیوں کہ میں پٹی کا نمبردار ہوں اور پٹی کی تحصیل وصول میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے علاوہ اس کے کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم دونوں بھائی تو بے زحمت اپنے حقوق پر قابض ہوں اور عفیرہ بیگم کو نالش کرنے پر مجبور کریں صرف اس وجہ سے کہ وہ عورت ہے پردہ نشین اور کوئی اُس کے حق کی حفاظت کرنے والا نہیں دنیا میں آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی تو خدا کو کیا جواب دیں گے اور مانا کہ میں عفیرہ بیگم کے حصّے سے دست بردار بیٹھا تو وہی بات پھر آئی کہ میں نے نہ لیا ناظر کو لینے دیا عفیرہ بیگم کو تو اُس کا حق نہ پہنچا علاوہ بریں آج تک تو ایک عفیرہ بیگم کا معاملہ ہے اُس میں یہ حجت ہے ابھی تو ایسے ایسے صدہا معاملے نکلیں گے غربا کے ضعفا کے اور ایسے لوگوں کے جن کو سوا خدا کے کہیں پناہ نہیں اور ناظر کا منشا تو معلوم ہو چکا کہ وہ تو سوا قانون کے خدا اور رسول کسی سے ڈرنے دبنے والا نہیں تو بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی بھائی سے تو ایک نہ ایک دن بگڑے ہی گی اور آج اگر عفیرہ بیگم کے معاملے میں میں نے ذرا بھی اپنا ضعف ظاہر کیا پھر تو ناظر کی جیت ہے غرض یہ تنزل ٹھیک نہیں بلکہ وسوسہ شیطانی ہے۔

گیارھویں فصل سید حاضر نے بتقاضائے دین داری علی رغم اُلفِ سید ناظر اپنی بہن کو اُس کا حق دلایا

ایسے ابتلا کے وقت میں خدا نے حاضر کی مدد کی۔ اس کو معلوم تھا کہ ناظر کے پاس سادہ[1] سٹامپ کا ایک بستہ ہے آخر ڈھونڈھنے سے ملا کھول کر دیکھتا ہے تو اُس میں پرانے پچھلے

[1] بر خلاف ۱۲

سفوں کے متعدد قطعات ہیں سمجھا کہ ناظر نے کسی ارادۂ فاسد سے اُن کو بہم پونہچایا ہے۔ اُس نے اٹھنّی کا ایک قطعہ نیا سا دیکھ کر تو لے لیا اور باقی اِس فساد کی پوٹ کو چولہے میں جھونک دیا جو قطعہ اُس نے نکال لیا تھا اُس پر ایک درخواست لکھی جس کی عبارت یہ تھی (نقل درخواست) کہ میں اور سید ناظر اور غیرۃ بیگم تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں غیرۃ بیگم کا نام پٹی داری میں داخل ہونے سے رہ گیا میں پٹی کا نمبردار ہوں اور میرے ہاتھوں پٹی کی تحصیل وصول ہوتی ہے غیرۃ بیگم کے حق اور قبضے کو میں تصدیق کرتا ہوں اس لیے غیرۃ بیگم کا نام ایک خمس حصے پر چڑھا دیا جائے اور اُسی وقت درخواست کو رجسٹری کرا حاکم پرگنہ کے نام روانہ کر دیا وہاں سے معمول کے مطابق اشتہار جاری ہوا اشتہار کا آنا تھا کہ سیّد ناظر نے عذرداری کی مقدمہ لڑنے لگا۔ کلکٹری میں تو سرسری کارروائی ہوتی ہے۔ اور صرف قبضہ دیکھا جاتا ہے چوں کہ نمبردار پٹی نے جس کے ہاتھ میں پٹی کی تحصیل وصول تھی غیرۃ بیگم کے قبضے کی تصدیق کی اس سبب سے ناظر کی عذرداری نامنظور اور غیرۃ بیگم کا نام ایک خمس پر داخل ہونے کا حکم ہو گیا مگر سید ناظر محکمۂ کلکٹری کو کیا مال سمجھتا تھا جس وقت داخل خارج کا حکم پونہچا تو اس کے مختار نے تسلی کے طور پر اس سے کہا کہ نمبردار کے بیان مجرد پر حکم ہو گیا ہے یہ حاکم کی رائے ہے اپیل کی بڑی گنجائش ہے ناظر نے کہا ارے میاں کہاں کی اپیل اور کس کا مرافعہ کل تو نہیں پرسوں تم کو والد کا تحریری وصیت نامہ لا کر دیتا ہوں اُس کی بنیاد پر اثبات حقیت کا دعویٰ از خاک از نو در کلاں بر دارم دیوانی میں دائر کر دو تو نمبردار صاحب کی ساری شیخی کرکری ہو جائے گی۔ ناظر وصیت نامہ لینے گھر دوڑا ہوا آیا اور سٹامپ کے بستے کی تلاش میں سید حا کو ٹھڑی میں گھسا بستہ نہ دارد اس کا ماتھا ٹھنکا معلوم ہوا کہ ایک بستہ تو بڑے[1] میاں کوئی ڈیڑھ مہینا ہوا جلا چکے ہیں یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا حاضر ناظر کا جھگڑا ہمارے قصے سے

[1] یعنے سید حاضر ۱۲

متعلق نہیں ہے خلاصہ یہ کہ دونوں بھائیوں میں ایسی چلی ایسی چلی کہ سید نگر والوں میں کبھی جو سنتا تھا دانتوں میں انگلی رکھ لیتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ سید حاضر کے ساتھ غیرہ بیگم اور غیرۃ بیگم کی لپیٹ میں سید متقی کی بھی شامت آئی

بارھویں فصل سیّد ناظر کے فسادات۔ میر متقی کی نسبت عرضی گمنام۔ میر متقی کے سمجھانے سے اصلاح ذات البین کا ہونا۔

۔ ناظر کو شروع میں صرف اسی پر اصرار تھا کہ غیرہ بیگم کو حصہ نہ دوں شامت کے لینے کا جلانا حسن کردہ بھائی پر نہایت برافروختہ ہوا اور اس نے دیوانی میں سالم حقیت پدری کا دعوی دائر کیا اس بیان سے کہ نہ حاضر میر باقر کا بیٹا ہے اور نہ غیرہ بیگم میر باقر کی بیٹی اس نے بات یہ بنائی کہ میر باقر کا اکلوتا بیٹا میں ہوں میرے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو میر باقر لے پالک کے طور پر حاضر کی پرورش اور پرداخت کرنے لگے اور اس بیان کی تائید میں سٹامپ کے کاغذ پر ایک وصیت نامہ پیش کیا جس پر میر باقر کی مہر تھی اور اس کا سواد خط بھی میر صاحب کے خط سے اشبہ میر متقی کی نسبت ایک گمنام عرضی لفٹنٹی میں پونہچی کہ سلطان روم کی طرف سے جاسوس بن کر آئے ہیں اور لوگوں کو چپکے چپکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور عن قریب ہندو مسلمانوں میں ان کے اغوا سے فساد عظیم ہونے والا ہے۔ سید حاضر کو جب دیوانی کے دعوے کا حال معلوم ہوا تو عرضی دعوے کی نقل لے کر سید متقی کے پاس دوڑا ہوا آیا۔ سید متقی کو اس وقت تک داخل خارج کے سوا کچھ حال معلوم نہ تھا دور سے حاضر کو دیکھتے ہی خوش ہو کر لگے تحسین و رضا کی باتیں کرنے۔ حاضر نے پاس آکر ناظر کے عرضی دعوے کی نقل دکھائی تو انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر ایسے سناٹے میں گئے کہ بہت دیر ہو گئی اور پھلا یا ہوا کوئی ہی لفظ منہ سے نہ نکالا تو حاضر نے خود ابتدا کی اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا

سلہ باسمی صلیح (۱)

کہ میں تو نہ پنے میں ناظر کے مقابلے کی طاقت نہیں پاتا عزت کو آبرو کو سچائی کو دین کو ایمان کو
خوف خدا کو سب کو ایک دم سے بالائے طاق رکھ دوں تو ناظر کے ساتھ لڑنے کا نام لوں اور
یہ مجھ سے اب ہو نہیں سکتا ہر چند ہر کہ غصہ آتا ہی اور بے اختیار جی چاہتا ہی کہ اس مردک کو
اسی قانون سے جس پر اس کو بڑا گھمنڈ ہی اس کے کیئے کی ایسی سزا دلواؤں کہ ساری عمر
اس کو قید سے نجات نہ ہو اور اس کی تدبیریں سمجھ میں آتی ہیں اور میرے اختیار کی بھی ہیں
ناظر کتنا ہی قاعدہ دان اور ضابطہ شناس کیوں نہ ہو مگر آخر ہی تو مجھ سے چھوٹا لیکن آپ کے
ارشاد کے مطابق میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ دنیا کے لیئے دین کو نہیں بگاڑوں گا اب
دنیا میں ایک فضیحت نہیں ہزار فضیحت اور ایک نقصان نہیں ہزار نقصان کیوں نہ ہو جائیں
اس عہد کو تو میں توڑ نہیں سکتا مگر ناظر کے حملے سے بچنے کے لیئے میں نے ایک تدبیر سوچی
ہی کہ میر غالب کو آپ جانتے ہوں گے وہ بھی ان دنوں سید نگر کے بڑے چلتے ہوؤں میں
ہیں سید نگر خاص میں ان کا بھی تھوڑا سا حصہ ہی ان کی وکالت آج کل بڑے زور و شور
پر ہی چند روز ہوئے مجھ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی حصہ بکتا ہو تو مجھ کو خبر دینا تو میں نے یہ تجویز سوچی
ہی کہ اپنا حصہ ان کے ہاتھ فروخت کر دوں جواب ترکی بترکی وہ ناظر سے سمجھ
بوجھ لیں گے اتنا ہی خیال ہی کہ گانوں میں حصہ ہی تو رعایا پر سو طرح کی حکومت ہی مگر جس طرز
پر مجھ کو آیندہ زندگی کرنی منظور ہی اس کے لیئے مجھ کو حکومت درکار نہیں آپ سے اتنی بات پوچھنی
تھی کہ اگر آپ کی صلاح ہو تو غیرۃ بیگم کے حصے کی بھی بات چیت میر غالب سے کی جائے میں
نہیں سمجھتا کہ غیرۃ بیگم کو ناظر چین لینے دے گا یہ سن کر میر متقی نے کہا کہ ان معاملات کو
تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو قرابت کے اعتبار سے بھی تم نزدیک تر ہو اور تمھارے معاملے
کی سچائی کا یہی ثبوت ہی کہ تم نے بے فریاد بے نالش غیرۃ بیگم کو اس کا حق دیا اور دلوایا اور

بلکہ حق کے واسطے تم نے بھائی سے بگاڑی اور اُس بگاڑ کے نتائج کی پہلی قسط یہ عرضی ہے جو
تم نے مجھ کو دکھائی خدا حق ہے اور وہ حق سے راضی ہوتا ہے اور وہی حق داروں کی حمایت کرنے
والا ہے اور ان شاء اللہ آخر حق کو غلبہ ہے اَلْحَقُّ یَعْلُوْ اس بات میں تم اپنی بہن سے مشورہ کر دیکھو لیکن
اگر میری رائے پوچھتے ہو تو شروع سے تم نے غلطی کی تم نے وہ کیا اور آئندہ بھی وہی کرنا چاہیے
ہو جو دنیا میں سبھی راست معاملہ کیا کرتے ہیں اور بلاشبہ شرع کی رو سے تم پر کوئی الزام نہیں
مگر الزام کے عائد نہ ہونے سے تم کسی تحسین کے بھی مستحق نہیں ہو سکتے مجھ سے اگر تم نے پہلے
پوچھا ہوتا تو میں یہ صلاح دیتا اور اب بھی تم کو اور عزیزہ بیگم دونوں کو صلاح دیتا ہوں کہ اگر کر سکو
تو اپنے اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤ ایسی کون سی بڑی مالیت ہے خدا نے تم کو بہت کچھ دے
رکھا ہے ناظر کو موروثی کچھ انسیاں مبارک لے کر وہی بڑے آدمی نہیں آخر وہ بھی تو کوئی غیر
نہیں گھی کہاں گیا کھچڑی میں تین بہن بھائیوں کے پاس نہ رہا ایک کے پاس رہا بلاشبہ حصہ
گو کتنا ہی جزدی کیوں نہ ہو چھوڑنا مشکل ہے خصوصاً جب کہ موروثی ہو اور اُسی گاؤں کا
ہو جس میں رہنا سہنا ہے اور چھوڑنا بھی اس حالت میں کہ گالی گلوچ تک کی نوبت پہنچ چکی
ہو لیکن تم خود کہتے ہو کہ اب بدون فضیحتے کے اُس کا سنبھالنا ممکن نہیں۔ حصہ منتقل کر دینے
کی تجویز جو تم نے سوچی ہے صرف من سمجھوتی ہے آخر اس کی تحقیقات تو ہوگی کہ تمہارے مقابلے
میں ہو یا خریدار کے کہ تم دونوں میر باقر کی اولاد ہو جیسا کہ واقعی ہے یا نہیں ہو جیسا کہ
ناظر نے عرضی دعوے میں لکھا ہے اگرچہ کامل یقین ہے کہ آخر کار تم کو ناظر کے مقابلے میں
ظفر ہوگی لیکن پھر ہمیشہ کے لیے وہ تم سے چھوٹ جائے گا اور تم اس سے اور مدۃ العمر
تم کو باہمی خرخشوں سے نجات ملنے کی امید نہیں مگر جو تدبیر میں بتاتا ہوں اُس کا انجام جہاں
تک میری سمجھ میں آتا ہے ان شاء اللہ یہی ہوتا ہے کہ حصے کا حصہ تمہارے پاس رہے گا اور

تم بھائی بہن پھر ایک کے ایک ہو جاؤ گے تھوڑی دیر کے لیے فرض کرو کہ ناظر نے کل حصّہ لیا
مگر اس طرح پر کہ وہ لینا چاہتا ہے بصورت بدل کر جعل بنا کر بھائی کو بہن کو ماں کو باپ کو یعنی
اپنے آپ کو رسوا اور فضیحت کر کے ایسا صاف صاف گالیاں دے کر تو ناظر یہ حصّہ لے کر تم کو تو
خیر چھوڑ ہی دے گا مگر کیا بیوی بچے رشتہ دار کنبہ دار قبیلہ برادری خاندان دوست آشنا
جان پہچان ایک دم سے ساری دنیا کو چھوڑ دے گا ایسا تو نہیں ہو سکتا مگر سمجھتے ہو
کہ دنیا اُس کو کیا کہے گی لعنت کرے گی نکّو بنائے اور بیگانہ سب اُس کے منہ پر تھوکیں گے
لڑکے اُس کے پیچھے تالیاں پیٹیں گے سب کی نظروں میں وہ خوار اور بے اعتبار اور نکّو اور
انگشت نما ہو گا در و دیوار اور کوچہ و بازار سے اس پر پھٹکار برسے گی یہ حصّہ ڈھاک کے
کوئلے کا ایک دہکتا ہوا انگارا ہو گا کہ وہ ہرگز اُس کو مٹھی میں سنبھال نہ سکے گا مشکل سے
مشکل مقدمات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں تم ایک مختار یا وکیل کے کہنے پر عمل
کرتے ہو اس ایک بات میں خدا کی صلاح پر بھی چل کر دیکھو کہ کیا نتیجہ ہوتا ہے خدا کی صلاح کیا ہے
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ
یعنی اگر تجھ سے کوئی بُرائی کرے تو بھلائی کے ساتھ اُس کا توڑ کر اور پھر دیکھ کہ یا تو تجھ میں
اور اُس میں دشمنی تھی یا بات کی بات میں وہ تیرے ساتھ گرم جوشی کرنے لگا حقیقت میں جیسی
میر متقی نے پیشین گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا حاضر اور بخیرہ بیگم کی طرف سے ناظر کے دعوی کی
کچھ تردید نہ ہوئی قاعدے کے مطابق دعوی یکطرفہ ڈگری ہو گیا مگر کیسی ڈگری کہ حاکم
اور عملے اور اہل معاملہ اور چپراسی اور مذکوری سبھی نے تو ناظر کو ملامت کی جہاں گیا اُس نے
لتاڑا اور جس سے ملا اُس نے لتھیڑا اور آخر کار ہار کر جھک مار کر کلنک کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر جس
قدر گالیاں تقدیر میں تھیں سُن کر جتنی بدنامی قسمت میں تھی بھگت کر بصد منت و بہزار خوشا

ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑ کر وہی دو خمس حصہ حاضر کوا دروہی ایک خمس غیرۃ بیگم کو دیا اور ساری عمر کے لیئے ناحق بیٹھے بٹھائے بھائی بہن کا کنونڈا اپنا پڑا سو الگ۔

تیرھویں فصل میر متقی کا مبتلا کو سمجھانا اور اُس کی اصلاح حال میں کوشش کرنا

پچھلے بیانات سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہو گا کہ غیرۃ بیگم کے جتنے معاملات تھے سبھی تو خدا نے میر متقی کے ہاتھ سے درست کرائے اور کیسی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہ لڑائی نہ جھگڑا نہ فضیہ نہ فساد نہ غل نہ شور تنخواہیں بھی جاری ہو گئیں مکانات اور دکانات کا بھی انتظام ہو گیا خاطر جیسے موذی کے پنجے سے حصۂ زمینداری بھی چھٹا جس کے چھوٹنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا مگر ابھی غیرۃ بیگم کا سب سے بڑا معاملہ باقی تھا یعنے اُس کے شوہر مبتلا کی اصلاح اُس کی آوارگی کا علاج اُس کی بد وضعی کی روک تھام عورۃ جب بیاہی گئی تو میاں ہی سے اُس کا عیش ہے اور میاں ہی سے اُس کا آرام میاں ہی سے اُس کی توقیر ہے اور میاں ہی سے اُس کا اعزاز و احترام آپس میں پیار اخلاص ہو تو دنیا کی ساری مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور جہاں دلوں میں محبۃ نہیں پہننے میں مزہ اور کھانے میں لذۃ نہیں دل میں امنگ نہیں سنگھار میں بہار نہیں پھولوں میں باس نہیں مہندی میں رنگ نہیں میر متقی کچھ اس سے غافل نہ تھے مگر مبتلا کے بارے میں اُن کو بڑی مشکل یہ پیش آ رہی تھی کہ اُن میں اور مبتلا میں کسی سبب سے اختلاط اور وابستگی کا ہونا ممکن نہ تھا اول تو رشتہ کہ میر متقی مبتلا کے چچا باپ کی جگہ دوسرے عمروں کی بڑائی چھٹائی کہاں میر متقی پچاس پچپن برس کے بڈھے اور کہاں مبتلا بیس برس کا پٹھا تیسرے مبتلا کے ہوش میں میر متقی کو دہلی آتے ہوئے یہ تیسرا پھیرا تھا ایسی صورۃ میں اجنبیۃ تو ہونی ہی چاہیئے چوتھے وضع میں عادات میں خیالات میں ایک دوسرے سے مطلق مناسبۃ نہیں پس حال یہ تھا کہ میر متقی مردانے میں ہیں تو مبتلا زنان خانے میں ادھر میر متقی نے زنان خانے میں قدم رکھا ادھر مبتلا آہٹ پاتے ہی جھٹ باہر نکل آیا

رات دن میں صرف دو بار چچا بھتیجے بضرورۃ کھانے کے لئے دسترخوان پر جمع ہوتے تھے وہ
بھی کس طرح کہ مبتلا نے چچا کے سامنے جانے کے لیئے ٹوپی اور کپڑے اور جوتی سب چیزیں سادہ
بھلے مانسوں کے استعمال کی الگ کر رکھی تھیں کھانے کے لیئے طلبی آئی اور اس نے جلدی
جلدی رگڑ رگڑ کر مونہہ دھویا مونچھوں کو جن پر سارے سارے دن اینٹھن رہتی تھی بل
نکال کر سیدھا کیا پٹیوں کو ابھارا بالوں کی بیچ میچ کو بگاڑا۔ کھانے کے نہیں چچا کے سامنے
جانے کے کپڑے پہنے اور گربہ مسکین بن کر جھکے ہوئے نیچی نظر مؤدب دسترخوان پر جا بیٹھے
پھر میر متقی کا کھانا کوئی انگریزی ڈنر تو ہوتا ہی نہ تھا کہ کھانا میز پر آیا اور جتنے کھانے والے
تھے اپنی اپنی کرسیوں پر چپڑ غنے لگے دنیا بھر کی بکواس شروع ہوئی اور یہ بھی نہیں کہ کھانے
کے ضمن میں باتیں کرتے جاتے ہوں بلکہ یوں کہو کہ باتوں کے ضمن میں کھانا بھی کھائے
جاتے ہیں۔ میر متقی مولوی آدمی دور سے کھانا آتا ہوا دیکھ کسی شغل میں ہوں چھوڑ
چھاڑ پونہچوں تک ہاتھ دھو بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر اکڑوں ہو بیٹھے کھانا کھایا مگر اس
کو بھی عبادۃ سمجھ کر خیال یہ کہ آداب الطعام میں سے کوئی ادب متروک نہ ہو پس ان کے
دسترخوان پر بات چیت کا کیا موقع۔ میر متقی مستعجل کہ کم کھاؤں مبتلا منتظر کہ اٹھ جاؤں
الغرض ایسا کوئی موقع ہی نہیں پڑتا تھا کہ چچا بھتیجے میں جی کھول کر باتیں ہوں مگر میر متقی
بلا کے تاڑنے والے تھے انھوں نے اتنی ہی دیر کی صحبت میں مبتلا کی حرکات و سکنات
سے اس کی نشست و برخاست سے اس کی طرز عادات سے اتنا جان لیا اور ایسا پہچان
لیا کہ مبتلا کے لنگوٹیے یار اور اس کے بھیدی اور رازدار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے
مبتلا اگرچہ چچا کے سامنے اپنے آپ کو بہت ضبط کیئے رہتا تھا مگر اسی دن کے لیئے کہتے ہیں
کہ آدمی بری لت نہ ڈالے اور عادۃ کو بگڑنے نہ دے۔ مبتلا کو خبر تک نہیں ہوتی تھی

اور بے خیالی میں آ و بدا کر چچا کے سامنے اُس سے کوئی نہ کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی تھی
کہ ہر روز اُن کی نظروں میں اس کی قلعی کھلتی رہتی تھی مثلاً بیٹھے بٹھائے خود بالوں پر ہاتھ
جا پڑا اور عادة کے مطابق لگا وہیں پٹیاں جمانے پھر جو کچھ ہوش آیا چچا کو کن انکھیوں سے
دیکھ کھجانے کے حیلے سے بالوں کو بگاڑ سیدھا ہو بیٹھا یا کھاتے کھاتے ایک تہ انگرکھے
کی چولی کے شکن نکال لگا تن کر سینے کو دیکھنے اتنے میں چچا پر نظر جا پڑی اور جلدی سے
پھر جھک کر ہو بیٹھا ایک مرتبہ تو اس نے کیا غضب کیا کہ خدا جانے کس خیال میں مستغرق
تھا کہ آپ ہی آپ لگا گنگنانے مگر میر متقی نے اس کو ایسے طور پر ٹال دیا کہ گویا سنا ہی نہیں
مبتلا اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کرتا تھا کہ چچا نے دھیان نہیں کیا یا اگر کیا تو آدمی سے
ایسی لغو حرکتیں ہوا ہی کرتی ہیں اتنی ہی بات سے اُن کا ذہن اس طرف کیوں منتقل ہونے
لگا کہ پٹیاں جمانا یا اکڑنا یا گانا میری عادة ہے لیکن یہ اُس کی غلطی تھی میر متقی کی آنکھ
کبھی کسی چیز پر اُچٹتی ہوئی پڑتی ہی نہ تھی وہ جس چیز کو ایک نظر دیکھ لیتے اُس کی تہ تک
پہنچ جاتے اور اُس کے لِم[1] کو دریافت کرتے۔ میر متقی نے مبتلا کی حرکات سے آخر یہ استنباط
کیا کہ اس میں دو عیب بہت بڑے ہیں۔ اول یہ کہ مذہب سے اس کو مطلق سروکار نہیں یہ
جانتا ہی نہیں کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور آدمی اُس کے بندے ہیں اس کو خبر ہی نہیں
کہ آدمی کو کھانے اور سو رہنے کے سوا دنیا میں کچھ اَور بھی کرنا ہے۔ دوسرے حسن پرستی
کہ اس کے نزدیک۔ دولة۔ شرافة۔ حسب۔ نسب۔ علم۔ ہنر۔ سلیقہ۔ اخلاق۔ دین داری
غرض دنیا کے سارے کمالات ہیچ ہیں صرف ایک حُسن صورة قابل قدر ہے اور بس۔
میر متقی کا ایک قاعدہ اَور بھی تھا کہ بڑے دھیمے آدمی تھے جب کسی خاص شخص کو نصیحت
کرنا منظور ہوتا مدتوں اُس کے حالات کی تفتیش میں لگے رہتے اور جب معلوم کر چکتے

[1] علّة اور سبب

جس قدر معلوم کرنے کی ضرورۃ تھی تو ہفتوں غور کرتے کہ کس پیرایے سے اور کیسے وقت
اس کو نصیحۃ کریں کہ موثر ہو اور یہی سبب تھا کہ ان کی نصیحۃ کبھی خالی گئی ہی نہیں مثلاً
اگر ایک شخص تارک الصلوٰۃ ہے اور انھوں نے اس کو نماز کے لیے نصیحۃ کی تو پھر سفر
یا مرض یا دنیا کی کوئی کیسی ہی ضرورۃ کیوں نہ ہو اُس نے مدۃ العمر نماز کو قضا نہیں ہونے
دیا یا اگر کوئی شخص منہیات شرعی میں سے کسی کا مرتکب ہے اور انھوں نے وعظ کہا تو
پھر توبہ ہی کر کے چھوڑا۔ غرض میر متقی نے ایک دن موقع پا کر جو مبتلا کھانا کھا کر جانا چاہتا
تھا اُس کو روکا اور کہا ذرا ٹھہرو مجکو تم سے کچھ کہنا ہے۔ مبتلا سمجھا کہ آج نماز گلے پڑی
بیٹھ گیا تو میر متقی نے فرمایا (وعظ) اگرچہ مجھ کو تمھارے حالات بالتفصیل معلوم نہیں مگر
جس قدر معلوم ہیں اُن سے میرا خیال یہ ہے کہ تمھاری تعلیم جیسی درستی کے ساتھ ہونی چاہیے
تھی نہیں ہوئی تمھاری تعلیم کا عمدہ حصہ وہ ہے جو مدرسے میں ہوا۔ مدرسے کی تعلیم اس
اعتبار سے کہ جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں دنیا میں بکار آمد ہیں بلاشبہہ مفید ہے مگر افسوس بڑے
افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب کی طرف بھول کر بھی کوئی توجہ نہیں کرتا
مذہب کو سلسلۂ درس سے اس طرح نکال کر پھینک دیا ہے جیسے دودھ میں سے مکھی جب سے
لوگوں پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب ایک فضول اور لایعنی چیز ہے اور دنیا میں اُس کی مطلق
ضرورۃ نہیں۔ پس مدرسوں کی تعلیم کا نتیجہ کیا ہے کہ نوجوان لڑکے فارغ التحصیل فضیلۃ کے
خطاب اور لیاقۃ کی سندیں لے کر مدرسوں سے نکلتے ہیں ان کو تمام ملکوں کی نئی پرانی تاریخیں
خوب مستحضر ہوتی ہیں جغرافیے میں شاید اُن کی معلومات اس درجے کی ہو کہ سمندر کی
مچھلی ہیں یا پہاڑی کوے یا افریقہ کے ریچھ یا اسٹریلیا کے لنگور یا امریکا کے بن مانس
یا تبت کے دُنبے یا تاتار کے مینڈھے یا عرب کے بدو یا یورپ کے فرنگی یا ہندوستان

کے بھیل وہ انگریزی شاید ایسی عمدہ لکھ سکتے ہوں گے کہ گویا اُن کی مادری زبان ہے
ریاضی میں وہ شاید وقت کے بطلیموس ہوں علم ہیاۃ میں وہ اپنے زمانے کے فیثاغورس
فلسفے میں افلاطون غرض اُن میں علوم دنیا کی ایسی جامعیت ہو گی کہ شاید اُن کا نظیر نہ ہو
مگر وہ نہ مذہب کے معتقد نہ خدا کے بندے نہ رسول کی امتہ نہ بادشاہ کی رعیتہ نہ باپ کے
بیٹے نہ بھائی کے بھائی نہ دوست کے دوست نہ قوم کے ساتھی نہ برادری کے شریک
نہ وضع کے پابند نہ رسم کے مقلد۔ ذرا نظر انصاف سے اس بات کو دیکھو کہ فی الحقیقۃ مدرسے
کی تعلیم میں ایسے خیالات پیدا کرنے کا رجحان ہے یا نہیں۔ ہے اور ضرور ہے اور اس کا سبب
ظاہر ہے کہ مختلف مذاہب کے نوجوان لڑکے ایک جگہ جمع رہتے ہیں اپنے اپنے عقائد سے
سب کے سب بے خبر عمروں کے تقاضے یہ کہ جہاں آدمی ہنسی کی باتیں کرتے ہیں اُن میں ایک
مذہب کا استخفاف بھی سہی اگرچہ اپنا ہی مذہب کیوں نہ ہو۔ مدرسے کے حاکم یا مدرس کچھ
مذہب کی پروا کرتے ہی نہیں طالب العلموں کے لیئے تو سب کیوں کہ ان کا فرض خدمتہ
نہیں اپنے لیئے بھی بعض یا اکثر اس لیئے کہ خود کسی مذہب کے قائل نہیں۔ وظیفہ یا انعام
یا دوسرے موجبات ترغیب مذہب پر کسی کا انحصار نہیں۔ علوم جو پڑھائے جاتے ہیں اکثر
جدید زمانہ حال کے ایجاد کوئی مسئلہ نہیں جس میں متقدمین کی غلطی۔۔۔۔۔۔ جس میں یا
سابقین کی خطا ظاہر نہ کی جائے اور ایک بڑی خرابی آکر یہ پڑی ہے کہ بہت سی باتیں ہیں یا
تو علوم دنیا سے متعلق مگر لوگوں کی غفلتہ یا بے مبالاتی سے داخل مذہب ہو گئی ہیں اب جو اُن
کی غلطی ثابت ہوتی ہے تو طالب العلموں کو جو مذہب سے ہیں کورے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے
باپ دادا جو مذہباً ایسی لغو اور بیہودہ باتوں کو تسلیم کرتے چلے آئے نرے احمق تھے اور
اُن کا مذہب ہی سراسر ہیچ اور پوچ ہے ایک خرابی اَور ہے کہ علوم جدیدہ جن کا مدارس میں

بڑا زور و شور ہے سب ہیں از قسم بدیہیات مشاہدات پر مبنی اور تجربیات پر متفرع۔ ایسے علوم پڑھتے پڑھتے طالب العلموں کو اس بات کی عادۃ پڑجاتی ہے کہ وہ ہر چیز کا ثبوت ایسا ہی ڈھونڈنے لگتے ہیں جیسا اقلیدس کے دعووں کا اور مذہبی باتوں کے لیئے ایسا ثبوت نہ ہوا ہے اور نہ ہونا ممکن ہے۔ حضرۃ موسٰے سے بھی یہود ایسی ہی بیجا فرمائشیں کرتے تھے لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ہم تو جب تک خدا کو کھلے خزانے نہ دیکھ لیں تجھ پر ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ لیکن مذہب کے لیئے ایسے ثبوت کا نہ بہم پونچ سکنا ضعف مذہب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انسان کی ضعف خلقۃ کے سبب۔ کیا اگر موسٰی خدا کا دیدار یہود کو نہ دکھا سکے تو اس سے لازم آگیا کہ خدا نہیں ہے۔ نہیں خدا تو ہے مگر وہ آدمی کی آنکھ میں آنے کی چیز نہیں ہے۔ مدارس کی ساری تعلیم بلکہ سچ پوچھو تو عملداری کا خلاصہ ہے آزادی بلاشبہہ آزادی ہر ایک فرد بشر کا ایک ضروری حق ہے۔ مگر آزادی کی بھی کوئی حد ہونی ضرور ہے۔ آدمی کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے اور آدمی فی حد ذاتہ اس طرح کا مخلوق ہے کہ آزادی مطلق تو اس کو حاصل ہونی ممکن نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ کیا آزاد ہو سکتا ہے وہ بندۂ ناچیز جس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے اختیار میں نہیں غیروں کا محتاج دوسروں کا دست نگر پہننے میں کھانے میں پینے میں مرنے میں جینے میں چند منٹ کے لیئے ہوا نہ ملے تو ہلاک۔ ایک وقت خاص تک غذا نہ پونہچے تو فنا تڑاقے کی دھوپ کا تحمل نہیں کر سکتا کڑاکے کی سردی کی برداشت نہیں۔ حالانکہ تو اس قدر خستہ و خراب اور اس پر آزادی کا پرسر خاب وہی مثل ہے جھوپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب

شعر

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابہ گل ٭ کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہے آزاد کا

میں اس میں لڑکوں کا زیادہ قصور نہیں پاتا سارا قصور اُن کی تعلیم و تربیۃ کا ہے۔ گھڑی جو
تمھاری جیب میں ہے اس میں فولاد کی ایک کمانی گنڈلی کے طور پر تہ کی ہوئی موجود ہے
کنجی کے زور سے کمانی کی تہوں کو خوب کس دیتے ہیں اسی کو کوکنا کہتے ہیں۔ کوکنے سے
کمانی میں ایک قوۃ پیدا ہوتی ہے۔ کمانی چاہتی ہے کہ کھلے اور اپنی اصلی حالۃ پر عود کر آئے اگر
کوئی چیز مانع نہ ہو تو کمانی سڑسے دم کے دم میں ڈھیلی پڑ جائے اور وہ قوۃ جو اس میں
پیدا کی گئی تھی اکارت ہو۔ اس کے روکنے کے لیے گھڑی میں ایک پرزا لگایا جاتا ہے جس کا
نام ہے رگیولیٹر اور جس کی وجہ سے کمانی بتدریج انضباط کے ساتھ کھلتی جاتی ہے اور اُس
قوۃ سے وقت کی شناخت کا عمدہ کام لیا جاتا ہے۔ یہی حال ہے انسان کا کہ اُس میں بھی
ایک حالۃ کے مناسب خدا کی دی ہوئی چند قوتیں ہیں اگر ان قوتوں کا کوئی روکنے
والا رگیولیٹر نہ ہو تو یہ تمام قوتیں بے کار ہیں بلکہ بجائے مفید ہونے کے اُلٹی مضر۔
انسان کا رگیولیٹر ہے مذہب جو اُس کو اندازۂ مناسب اور حد اعتدال سے گھٹنے بڑھنے
گرنے اُبھرنے نہیں دیتا۔ مدرسوں کی تعلیم کوک ہے اور رگیولیٹر ندارد۔ پس اس کا ضروری
نتیجہ ہے کہ آزادی کا خیال دماغ میں سماتے ہی لوگ ہر طرح کے قیود سے نکلنے کی خواہش
کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ قید عبودیت بھی۔ سرے سے مدرسے کی تعلیم کے اصول ہی
غلط ہیں کہ صرف دنیاوی علوم کے پڑھا دینے سے آدمی دنیا کے کام کا ہو جاتا ہے
اس سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ دنیا اور دین دو چیزیں ہیں جداگانہ ایک کو دوسرے سے
کچھ تعلق نہیں ہم نہیں جانتے کہ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں دین سے کیا مراد رکھتے ہیں۔
مگر ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہل ادیان کے نزدیک دین کے معنے ہیں انسان کی اصلاح
اور اُس کے دو حصے ہیں اصلاح معاش اور اصلاح معاد پس دین اور دنیا میں اگر

اگر ایک طرح کی منطقی مغایرۃ ہے جیسے عموماً کل اور جزو میں ہوا کرتی ہے اس کو تباین یا تناقض یا تنافر یا بے تعلقی سے تعبیر کرنا مغالطہ دہی ہے۔ کتنا ہی پڑھا ہو جب انسان میں دین نہیں تو اُس کو خوف خدا نہیں اور خوف خدا نہیں تو اُس میں راستی نہیں دیانۃ نہیں غیرۃ نہیں حمیۃ نہیں مروۃ نہیں محبۃ نہیں خلاصہ یہ کہ انسانیۃ نہیں اس پر بھی اگر وہ آدمی دنیا کے کام کا ہے تو اُس دنیا کو خیر باد ہے اور اُس کام کو سلام۔ ایک بات تعلیم کے متعلق اور بھی سوچنے کی ہے کہ انسان کو دوسرے حیوانات سے ایک وجہ امتیاز یہ بھی ہے کہ حیوانات کو جتنی عقل دی گئی ہے فطری ہے تجربے یا امتداد عمر سے اُس میں ترقی نہیں ہوتی مثلاً بیا گھونسلا بناتا ہے کیسا عمدہ کہ انسان اُس کی اگر پوری پوری نقل کرنا چاہے تو نہیں بن پڑتی مگر جیسا گھونسلا ایک بڈھا بیا بناتا ہے جو اپنی عمر میں شاید بیس پچیس گھونسلے بنا چکا ہوگا بجنسہٖ ویسا ہی گھونسلا پہلی بار ایک جوان بیا بنائے گا برخلاف انسان کے کہ اُس کی عقل تجربے اور عمر کے ساتھ کمال حاصل کرتی جاتی ہے اس مضمون کو سعدی نے کیا قابل داد طور پر ادا کیا ہے

مرغک از بیضہ برون آید و روزی طلبد :: آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز
آں بناگاہ کسے گشت و بجیزے نرسید :: ویں بہ تمکین و فضیلۃ بگذشت از ہمہ چیز

اس لیے انسان کی تعلیم و تربیۃ کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اُس کی عمر کا ایک مناسب وقت دیکھ کر سکھاتے ہیں مثلاً غیر ملک کی بولی ضروری ہے کہ بچپن میں سکھائی جائے ورنہ بڑے ہو کر زبان مشکل سے لوٹتی ہے چھوٹے بچے کو اگر منطق کے پیچیدہ مباحث سمجھانا چاہو تو سعی لاحاصل ہے اسی طرح دین کی تعلیم کے لیے بھی ایک وقت مناسب ہونا چاہیے اور وہ نہیں ہے مگر سن طفولیۃ کیوں کہ آدمی کی عمر جس قدر بڑی ہوتی جاتی ہے اُسی قدر فطرۃ سے دور اور اُسی قدر اُس کا دل لوث دنیا سے آلودہ اور زنگ اغراض

سے تیرہ ہوتا چلا جاتا ہے پھر شاید ایک وقت ایسا آئے کہ اس کے دل میں صبغۃ اللہ یعنی دین کا رنگ اٹھانے کی قابلیت باقی نہ رہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا[1]۔ اسی حالت کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ اور کچھ بات نہیں ان کے دلوں پر ان کی بدکرداریاں جم گئی ہیں۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو دین کی طرف مطلق توجہ نہیں مگر بے توجہی دو طور کی ہے ایک وہ جس کا سبب کاہلی و غفلت اور مساہلت ہو دوسری وہ جو دین کے استخفاف سے پیدا ہو یہی بے توجہی ہے جو نہایت خطرناک اور نہایت مذموم ہے اور یہی بے توجہی ہے جس کو مدارس کی تعلیم پھیلاتی چلی جارہی ہے۔ لیکن دین و مذہب لوگوں کی تسلیم اور قدردانی کا محتاج نہیں۔ ہمالیا پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے تو سرک جائے گنگا پورب کو بہتے بہتے پچھم کو بہنے لگے تو بہنے لگے مگر خدا کی باتیں نہ کبھی ٹلی ہیں اور نہ کبھی کسی کے ٹالے ٹلیں گی۔ دین تم سے چاہتا کیا ہے صرف اتنی بات کہ خدا نے تم کو آدمی بنایا ہے آدمی بن کر رہو تم کو آنکھیں دی ہیں اور دیکھتے ہو کان دیئے ہیں اور سنتے ہو زبان دی ہے اور بولتے ہو غرض ہر قوۃ سے وہ کام لیتے ہو جو اس کے کرنے کا ہے۔ قوتوں میں سب سے قوی اور سب سے عمدہ عقل ہے اس نے تمہارا ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کے کرنے کا کام اس سے نہیں لیتے روئے زمین پر خدا کی جتنی مخلوق ہے سب میں اعلیٰ اور افضل اور اشرف انسان ہے اور اس کی برتری اسی سے ظاہر ہے کہ دوسری مخلوقات پر حکمرانی اور ان میں مالکانہ تصرف کرتا ہے۔ دیکھو انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں اس کے بسائے ہوئے شہر اس کے

[1] ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے ۱۲

لگائے ہوئے باغ۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پل۔ ریل تار۔ دخانی بادبانی جہاز۔ انواع و اقسام کی
کلیں۔ زندگی کے ساز و سامان۔ مگر یہ برتری جو انسان کو استحقاقاً حاصل ہے کیوں ہے
اس کی جسمانی قوتیں تو حیوانات کی قوتوں سے بہت ضعیف ہیں۔ مثلاً اس کی نظر سے
گدھ کی نظر کہیں تیز ہے اس کے شامے سے شکاری کتوں کا شامہ کہیں قوی۔ وہ
اگر ذائقے سے چیزوں کا صرف مزہ پہچانتا ہے تو بعض جانور مزے کے سوا خاصیۂ
طبی کی شناخت بھی کر لیتے ہیں۔ توانائی کے لحاظ سے تو ہاتھی اور شیر وغیرہ کے سامنے
وہ ایک مو ضعیف سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ پھر انسان کی بڑائی کس چیز میں ہے عقل
میں اب دیکھنا چاہیئے کہ عقل کا کام کیا ہے یہ سمجھنا کہ عقل ہم کو صرف اتنے واسطے دی
گئی ہے کہ کھانا پینا کپڑا مکان ساز و سامان بہم پہنچانے میں مدد کرے عقل کو ذلیل اور
بے قدر کرنا ہے یہ تو عقل کے نہایۃ مبتذل کام ہیں جانور جن کے جثّے ہمارے جثوں
سے بہت بڑے اُن کی بھوک پیاس ہماری بھوک پیاس سے کہیں زیادہ ہے ہماری
جتنی عقل نہیں رکھتے اور ہم سے زیادہ آسودگی کے ساتھ زندگانی کرتے ہیں۔ ساٹھ ستّر
برس کی زندگی اور معدود چند ضرورتوں کے لیئے ایسی عقل جو ماضی اور مستقبل کے
قلابے ملائے اور زمین سے آسمان تک پاؤں پھیلائے کسی بڑے اور عمدہ کام کے
لیئے دی گئی ہے اور وہ نہیں ہے مگر یہ کہ مخلوق سے خالق اور فانی سے باقی اور دنیا سے
آخرۃ کو پہچان کر اُس گھر کے لیئے تیاری کریں جہاں ہماری روح کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے
لیکن فرض کرو کہ ہم ان خیالات کو اپنے ذہن میں نہ آنے دیں اور آنکھیں بند کرلیں
دنیا و مافیہا سے جس کا ایک ایک ذرہ ہستی صانع اور ایک ایک واقعہ وجود سبب پر دلالت
کر رہا ہے تو اس سے واقعات کا ابطال تو نہیں ہو سکتا خدا ہے اور ہمیشہ کو رہے گا ہم

اُس کے بندے ہیں اور کسی طرح اُس کے فرمان سے باہر نہیں ہو سکتے ہم کو مرنا ہے اور جو کچھ دنیا
میں کیا ہے اس کی جواب دہی کرنی ہے عمل اچھے ہیں تو تسلی ہے اور امن ہے اور عافیت ہے اور سکون
ہے اور قرار ہے یعنی یہ کہ بیڑا پار ہے بُرے ہیں تو حسرۃ ہے اور افسوس ہے اور ندامت ہے اور پھٹکار
ہے اور دھتکار ہے یعنی یہ کہ دُکھ کی مار ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اصل میں تو ہوتی ہے غفلت
اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ اختلاف مذاہب بے توجہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ آدمی دیکھتا
ہے کہ دنیا میں سیکڑوں ہزاروں مذہب ہیں ہر ایک صرف اپنے آپ کو برسر حق
سمجھتا ہے اور باقی سب کو گمراہ اور کافر اور مردود اور ملعون اور جہنمی تو یہ دیکھ کر خواہ
نخواہ اُس کے دل میں خیال آتا ہے کہ پہلے ان ہزاروں مذاہب کے معتقدات سے
واقفیۃ حاصل کروں پھر اُن کے سوال و جواب سنوں پھر اُن میں محاکمہ کروں اس کے
لیے میں کیا میری تو دس نسلوں کی عمریں بھی کفایۃ نہیں کر سکتیں اس سے بہتر ہے کہ مذہب
کی پہیلی کو جس کا اُتا پتا کچھ نہیں سوچو ہی مت لیکن یہ بھی ایک وسوسۂ شیطانی ہے
اور انسان کے لامذہب ہونے کے لیے حجۃ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جتنے مذہب ہیں جہاں تک
مذہب کو دنیا سے تعلق ہے سب کا مقصود اصلی ہے آدمی کی اصلاح اور اختلاف اگر ہے تو
ملکوں کی آب و ہوا لوگوں کی طبائع اور عادات اور ضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے
اور فروع میں ہے نہ اصول میں جزئیات میں ہے نہ کلیات میں۔ پس تم جیسے نوجوان آدمیوں کے
لیے اس سے بہتر صلاح کی بات نہیں کہ جو جس شان میں ہے اُسی شان میں رہ کر پابندی
مذہب کو نہ چھوڑے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نیکی کا خیال دل میں راسخ ہو جائے گا
خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا اور حق کی تلاش میں اس کو مزہ ملے گا آدمی اگر اتنا کرے اور اس سے
زیادہ کر ہی کیا سکتا ہے تو ضرور خدا کی رحمۃ اُس کی دست گیری کرے گی۔ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا

فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا لوگ مذہب کی طرف سے جو اس قدر غافل اور بگڑے بن رہے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خدا نے بندوں کی آزمایش کے لیئے دنیا کا انتظام ایسے طور پر رکھا ہے کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے نیک و بد اور پابند مذہب اور لامذہب اور مومن و کافر اور موحد و مشرک کسی کا کچھ امتیاز نہیں خداوند تعالی کی عام رحمتوں سے سب کے سب بلا تخصیص یکساں طور پر متمتع ہوتے ہیں۔ وقت پر پانی سب کے واسطے برستا ہے۔ ہوا کا ذخیرہ سب کے لیئے موجود ہے۔ رزق ہر ایک کی خاطر مہیا ہے۔ صحۃ و مرض تمول و افلاس توالد و تناسل حیاۃ و ممات غرض زندگانی کی بھلی بری تمام کیفیتیں جیسی مسلمانوں میں ویسی عیسائیوں میں ویسی یہود میں کوئی قوم بلکہ کوئی گروہ بلکہ کوئی فرقہ بلکہ کوئی متنفس اس بات کا دعوی نہیں کر سکتا کہ مذہب کی وجہ سے مجھ کو دنیا میں یہ خصوصیۃ حاصل ہے اور کہیں ایسی ایک ادنی سی خصوصیۃ بھی پائی جائے تو تمام روئے زمین سے اختلاف مذاہب کے معدوم کر دینے کو کافی ہے۔ یہ بے خصوصیتی اُن لوگوں کے حق میں سم قاتل ہے جن کی طبیعتیں لامذہبی کی طرف مائل ہیں۔ غور کرنے کی تو ان لوگوں میں عادۃ ہوتی نہیں دُنیا میں ہیں اور دنیا ہی کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے ذٰلِكَ مَبۡلَغُھُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ لیکن ذرا عقل کو کام میں لائیں تو معلوم ہو اور اندر سے دل آپ ہی آپ گواہی دینے لگے کہ نہیں ایک جہاں اور بھی ہے یہ دنیا خواب ہے اور وہ جہاں اس کی تعبیر یہ مجاز ہے وہ حقیقۃ یہ نمونہ ہے وہ اصل۔ جس طرح عقل دنیا سب کی یکساں نہیں اسی طرح عقل دین کے مدارج بھی متفاوت ہیں بعض لوگ وہ ہیں جو صرف موجودات دنیا سے خدا کو اور خدا سے اُس کی عظمۃ کو اُس کی عظمۃ سے اُس کی معبودیۃ کو مانتے پہچانتے ہیں اور بعض موجودات سے نہیں بلکہ تغیرات سے

اور بعض تغیرات سے بھی نہیں بلکہ حادثات عامہ سے اور بعض حادثات عامہ سے بھی متنبہ
نہیں ہوتے تا وقتیکہ خود اُن پر کوئی آفت نازل نہ ہو اور بعض حلول مصیبت پر بھی کہنے
کے محتاج گویا بیل ہیں کہ آر بھی گھپوؤ اور ساتھ مونہ سے بھی ٹھکاری دو تب اُن کو خبر ہو
کہ چلنا چاہیئے۔ ای میرے پیارے بھتیجے ای مرحوم کے یادگار ای مغفور کی نشانی مجھ کو
بھائی کے مرنے کا اتنا رنج نہیں ہوا جتنا تمھارے دین کی تباہی کا۔ بھائی اگر مرے
تو عمر طبعی کو پہنچ کر مرے اور ایک دن مرنا ضرور تھا میں نے اپنی موت کے لیئے دعا
تو نہیں مانگی اس واسطے کہ موت کے لیئے دعا مانگنا منع ہی مگر سات برس عرب میں رہا
کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے اُس سرزمین میں اپنے دفن ہونے کی تمنا نہ کی ہو مگر
خدا کی مبارک مرضی یوں تھی کہ میں یہاں پھر آؤں اور بھائی کا مرنا سنوں۔ جب سے میں نے
بھائی کا مرنا سنا ہر روز بلکہ دن میں کئی کئی بار (دعا نہیں) دل میں تمنا کرتا ہوں کہ الٰہی
اگر عرب کی مٹی سے میرا خمیر نہیں ہی تو مجھ کو با ایمان دنیا سے اُٹھا کر اُس شخص کے پہلو میں
جگہ دے جو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا یعنی میرے بڑے بھائی اور تمھارے
والد مرحوم۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تمنا بھی پوری ہو یا نہ ہو مگر بھائی کے مرنے کے بعد اب
زندگی بے مزہ ہی اور اس ملک میں رہنا اُس سے زیادہ بے مزہ۔ یہ مت سمجھو کہ آدمیوں کے
باہمی تعلقات اس زندگی تک کے تعلقات ہیں۔ نہیں نہیں۔ یہ تعلقات روحی تعلقات
ہیں اور چوں کہ روحوں کو فنا نہیں اُن کے تعلقات کو بھی انقطاع نہیں۔ یقین جانو کہ تمھاری
اس طرز زندگی سے بھائی کی روح کو ایذا ہوتی ہی۔ کیوں کہ اُن کو اس زندگی میں بھی
تمھاری تکلیف کی برداشت نہ تھی۔ اور اس طرز زندگی کے ہاتھوں تم پر جو سخت بلا
نازل ہونے والی ہی میں اُس کو عقل سے جانتا ہوں اور تمھارے باپ اُس کو آنکھوں سے

دیکھ رہے ہیں۔ باپ سے ہو سکتا ہے کہ بیٹے کو کنویں میں گرتا ہوا دیکھے اور پروا نہ کرے باپ سے ممکن ہے کہ بیٹا جلتی ہوئی آگ میں کود پڑے اور وہ کھڑا تماشا دیکھے۔ مرحوم نے لوگوں کی نظروں میں سلامت روی نیک وضعی اور بھلمنساہت سے جو ایک وقار پیدا کیا تھا تم ہی اپنے دل میں انصاف کرو کہ تم نے اس کو بڑھایا یا گھٹایا روشن کیا یا مٹایا۔ ایسے چاہنے والے ایسے شفیق ایسے مہربان ایسے دل سوز باپ کے احسانات کا یہی معاوضہ تھا اُن کے سلوک اسی پاداش کے قابل تھے جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں تم کو شاید پہلی بار اُن کے سُننے کا اتفاق ہوا ہوگا مگر میری ساری عمر انہی غوروں اور فکروں میں گزری ہے اس کو میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ شروع سے مجھ کو اچھے لوگوں کی صحبت رہی۔ ہندوستان سے لے کر عرب تک ہزارہا علماء اور شیوخ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملا اور جس سے جتنا فیضان قسمت کا تھا حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔ تم دیکھتے ہو کہ میں دین کے کاموں میں بھی جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے اور افسوس ہے کہ قدر واجب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا لگا لپٹا رہتا ہوں اس پر بھی جب خدا کی عظمت اور اُس کے جلال پر نظر کرتا ہوں تو مجھ کو اپنی نجاۃ کی طرف سے بالکل مایوسی ہوتی ہے اور تنہائی میں خصوصاً راتوں کے وقت جب دنیا کی بے ثباتی قیامت کے حساب اور اپنی بے بضاعتی کے افکار ہجوم کرتے ہیں تو مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ تم کو اُس کا اندازہ سمجھانا مشکل ہے صرف اُس کی رحمت بے انتہا کی توقع اُس وقت دست گیری کرتی ہے جس سے دل کو تسلی ہوتی ہے یہ رحمت جو مجھ کو دین کے کاموں میں اُٹھاتے ہوئے دیکھتے ہو اگر اس کو زحمت سے تعبیر کرنا درست ہو تو اتنی مدد کرتی ہے کہ امیدواری رحمت کی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ اگر خدا عقل میں راستی دے تو دنیا کی سب باتوں سے دین کی تعلیم نکلتی ہے۔ دنیا

ہیں جس کو جس پر کسی طرح کی حکومت ہے جیسے شوہر کو بی بی پر یا باپ کو اولاد پر یا بادشاہ کو رعایا پر۔ اگرچہ دنیا کی ساری حکومتیں عارضی اور ضعیف ہیں اس پر بھی کوئی حاکم کسی محکوم کی کسی نافرمانی سے درگزر نہیں کرتا کیا غفلتیں ہیں کیا بے فکریاں ہیں کیا مغالطے ہیں کیا بے مناسبتی ہے کہ بندۂ بے حقیقۃ و ناچیز نافرمانی کیسی اُس قادرِ ذوالجلال کے اوامر کا استخفاف کرے گویا اُس کا مدمقابل ہے اور پھر درگزر کی توقع کیا ہیکڑی ہے مغفرۃ کی امید کیا بے حیائی ہے۔ تم کو جہاں اکثر باتوں میں مغالطہ واقع ہوا ہے دوستوں کے بارے میں بھی تمھاری رائے غلطی سے محفوظ نہیں رہی۔ یہ لوگ جو تمھارے آگے پیچھے پڑے پھرتے ہیں اور ہر وقت تم کو گھیرے رہتے ہیں جہاں تک میں نے خیال کیا ہے ایک کو بھی تمھارا خیر خواہ نہیں پاتا آن کے کچھ مطلب ہیں بیہودہ اغراض ہیں فاسد۔ تم کو دیکھ پایا عقل کے کوتاہ گانٹھ کے پورے آپ بنے شکاری اور تم کو گردانا ٹٹی اور لگے تمھاری آڑ میں تکّے چلانے۔ غرض مندانہ رابطے عموماً اور خاص کر جب کہ اغراض خسیس ہوں نہایۃ بے ثبات ہوتے ہیں اور سریع الانقطاع مجھ کو توقع یہ ہے کہ تم نے خود اس کا تجربہ کر لیا ہوگا ورنہ میرا اس وقت کا کہنا چاہو لکھ رکھو کہ تمھارے اتنے دوست ہیں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دو برس تک بھی صحبۃ یوں ہی چلی جاے تو جاننا کہ بہت چلی۔ خیال کو اور وسعۃ دو تو یہی حال ہے دنیا کے تمام جسمانی تعلقات کا غیروں کی کیا شکایۃ دوسروں کا کیا گلہ اپنے ہی اعضا و جوارح اور اپنی ہی قوتیں کب تک کی ساتھی ہیں دیکھو مجھ جیسے بوڑھوں کو ایک بصارۃ سے معذور ہے تو دوسرا ثقل سمع سے مجبور۔ کسی کی بھوک تھکی ہوئی ہے اور کسی کے ہاضمے میں فتور۔ پیری و صد عیب زندہ در گور۔ دنیا کی یہی بے ثباتی دیکھ کر جن کی عقلیں سلیم ہیں فانی لذتوں کے گرویدہ اور عارضی منفعتوں

کے فریفتہ نہیں ہوتے۔ جس قدر میں نے تم سے کہا اگرچہ ضرورۃ سے بہت کم کہا مگر مجھ کو تمھاری طینتہ کی پاکیزگی سے امید ہو کہ ان شاء اللہ رائگاں نہ جائے گا اور خدا نے چاہا تو میں دعا بھی کروں گا کہ تمھارے دل میں سوچنے اور غور کرنے کا شوق پیدا ہو مگر قاعدہ ہو کہ دنیا میں کوئی مبتذل سے مبتذل فائدہ بھی بے طلب نہیں ملتا۔ سچ ہو کہ جب تک بچہ روتا نہیں ماں بھی دودھ نہیں دیتی پس دین کے عمدہ اور دائمی فائدے بدرجہ اولیٰ طلب پر موقوف اور پیروی پر منحصر ہونے چاہییں اور وہ تمھارے کرنے کا کام ہو۔ دین کے کام میں تو دل سے متعلق اور کوئی شخص دوسرے کے خیالات یعنی دلی حالات پر مطلع ہو نہیں سکتا مگر خیالات کی اصلاح سے ارادے کی اور ارادے سے افعال کی طرز تمدّن کی وضع کی گفتگو کی نشست و برخاست کی حرکات و سکنات کی سبھی چیزوں کی اصلاح ہوتی ہو یعنی انسان کا ظاہر حال اُس کے دل کا ترجمان ہوتا ہو۔ پس تم کہو یا نہ کہو خود بخود منکشف ہوتا رہے گا کہ جس راستے پر میں نے تم کو لگا دیا ہو تم نے اُس میں چلنا شروع کیا یا نہیں۔

چودھویں فصل مبتلا پر میر متقی کے وعظ کا کہاں تک اثر ہوا

مبتلا کو جب چچا نے پکڑ کر نصیحت سننے کے لئے بٹھایا تھا تو خواہ مخواہ اس کی طبیعت میں خود ایک ضد سی آگئی تھی تاہم تھوڑی دیر ادب کی وجہ سے دم نہ مار سکا اور پھر تو میر متقی کی باتوں پر ایسا ریجھا کہ آنکھیں اور مُونہ دونوں کُھلے کے کُھلے رہ گئے اور جب تک میر متقی نے بات کو ختم نہیں کیا مبتلا کو کوئی دیکھتا تو کیا معلوم ہوتا کہ بس حیرۃ کا ایک پُتلا ہو۔ چچا کے پاس سے چلے جانے کے بعد بھی کئی دن تک وہ مبہوت سا رہا اُس کا دل تو مان گیا

تھا کہ چچا نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا مگر جس بات کی آن پڑ گئی تھی اُس کو بدلتے ہوئے اُس کا جی ہچکچاتا تھا۔ آوارگی اُس کی طبیعت میں یہاں تک سما رہی تھی کہ ترک وضع کرتے ہوئے اُس کو عار آتی تھی وہ سوچتا تھا کہ چچا کے کہنے پر چلوں تو دوست آشنا کھانا پہننا سیر تماشا تفریح تمامی مشاغل سب کو ایک دم سے چھوڑوں یعنی ترک دنیا کروں تو پھر جیوں کیوں کر اور فرض کیا کہ جبراً قہراً میں نے ترک دنیا کیا بھی تو لوگ مجھ کو کیا کہیں گے آخر پرہیزگار بنوں تو پورا پورا بنوں جیسے چچا۔ زربفت کی ٹوپی خلاف ثقات تو اب میں پہننے سے رہا نا چار شملہ۔ دوپٹا۔ عمامہ باندھنا پڑے گا اور اس کی زد میں بالوں کی جیسی گت بنے گی ظاہر تو ضرور ہوا کہ سب سے پہلے سر منڈاؤں منڈے سر پر یہ خشخاشی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی موچھیں کیا بھلی لگیں گی تو لازم آیا کہ ڈاڑھی چھوڑوں اور موچھوں کو سیدھا کروں پھر ایسی مقطع صورۃ پہ گلے میں کرتہ نہ ہو تو خیر نیچی چولی کا انگرکھا اور ٹانگوں میں ایک برکا گھٹنا اس وضع سے کیا مونہ لے کر بازار میں نکلوں گا۔ ساری عمر کبھی مسجد میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا اب جو ایک دم سے جا کھڑا ہوں تو جتنے نمازی ہیں سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھ کو گھوریں گے غرض جن کو چھوڑتا ہوں اور جن میں جا کر ملتا ہوں سبھی کا انگشت نما ہونا پڑے گا۔ مبتلا اسی پس و پیش میں تھا کہ میر متقی ایک دن اس کو وضو کرا کپڑے بدلوا اپنے ساتھ جمعے کی نماز میں لے گئے اور اُس کے بعد سے جب تک رہے جب نماز کو جاتے مبتلا کو گھر سے ساتھ لے کر نکلتے۔ غرض مبتلا کی وہ جھجک تو جاتی رہی اور اُس کی وضع میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح آتی چلی۔ اگر میر متقی کا دو تین مہینے بھی اور رہنا ہو جاتا تو مبتلا کے درست ہو جانے میں کوئی کسر نہ تھی ابھی میر متقی نے کیا ہی کیا تھا مبتلا کو صرف ایک وعظ سنایا صرف اتنی غرض سے کہ اُس کی غفلت کو تازیانہ ہو۔ دین دار بھلا مانس بنتے ہوئے وہ

چھپتا تھا اُس کی شرمندگی شادی اگر زیادہ رہنے کا اتفاق ہوتا خدا جانے کتنے وعظ اور کہتے اور کیا کیا اُس کو سکھاتے سمجھاتے وہ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ برسوں کے جمے ہوئے زنگ ہیں یہ کیا ایک رگڑے سے چھوٹنے والے ہیں۔ حسن پرستی کا وہ بڑا سخت عیب بھی جو گویا مبتلا کی گھٹی میں داخل تھا میر متقی موقع پا کر اُس کا علاج کرتے پر کرتے مگر مبتلا کو تو اپنے اعمال کی شامت بھگتنی تھی۔

پندرھویں فصل میر متقی کا دفعۃً بے وقت رام پور روانہ ہونا اور مبتلا کو سید حاضر اور عارف کے سپرد کر جانا

میر متقی نے مبتلا کی اصلاح پر توجہ شروع کی تھی کہ اتنے میں چپکے چپکے اُس گمنام عرضی کی تحقیقات ہونے لگی جو ناظر کی شرارت سے میر متقی کی شکایت میں گورنر کے پاس پہنچی تھی اور تو کچھ حال نہ کھلا مگر خلاف عادت پولیس کے لوگ وقت بے وقت کوئی وعظ سننے کے بہانے سے کوئی نماز کے حیلے سے آمد و رفت کرنے لگے۔ ان میں جو زیادہ ہوشیار تھے بتے دے دے کر ٹیڑھے ٹیڑھے مسئلے پوچھتے تھے۔ مثلاً یہ کہ کیوں حضرت ہندوستان آپ کے نزدیک دار الحرب ہے یا نہیں۔ انگریزوں سے اور ہنود سے سود لینا روا ہے یا نہیں۔ انگریز اگر کابل پر چڑھائی کریں اور ایک پلٹن کو امیر کے مقابلے میں لڑنے کا حکم دیں اور ایک مسلمان اُس پلٹن میں پہلے سے نوکر ہو تو اُس کو کیا کرنا چاہیئے۔ مہدی جنھوں نے مصر میں خروج کیا ہے مہدی موعود ہیں یا نہیں اور اُن کو مدد دینا ازروے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے۔ انگریزی دواؤں کا استعمال درست ہے یا نہیں۔ کچہری سے برابر سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں اس سود کا دینا گناہ ہے یا نہیں۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا

اور لباس اور طرز تمدن میں اُن کے ساتھ تشبّہ کیا حکم رکھتا ہی۔ میر متقی جہاں دیدہ آدمی تھے ان باتوں کو دیکھ کر اُن کے کان کھڑے ہوئے اور سمجھے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہی۔ کوتوال شہر سے معرفۃ اور دور کی صاحب سلامۃ تو تھی ہی ایک دن جمعے کی نماز کو جاتے ہوئے راہ میں کوتوال سے آمنا سامنا ہو گیا میر صاحب نے کہا مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہو وقت فرصۃ معلوم ہو تو میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کوتوال نے کہا آج بعد نماز مغرب میں خود آپ کی خدمۃ میں حاضر ہوں گا۔ غرض کوتوال کے ساتھ تخلیہ ہوا تو میر صاحب نے فرمایا کیوں کوتوال صاحب یہ ماجرا کیا ہی کہ چند روز سے پولیس کے لوگ میری نگرانی کرنے لگے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جتنی دیر میں باہر رہتا ہوں پولیس کا ایک نہ ایک آدمی ضرور موجود ہوتا ہی۔ مسئلے پوچھتے ہیں تو پیچ دار باتیں کرتے ہیں تو اکھڑی ہوئی۔ میں نے دھوپ میں ڈاڑھی سفید نہیں کی یہ لوگ مجھ سے چھپاتے ہیں اور میں سب سمجھتا ہوں مجھ سے پردہ کرتے ہیں اور میں اُن کے تیور سے پہچانتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہی کہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں سات برس بعد سفر حجاز سے واپس آیا رام پور جانا چاہتا تھا میں نے کہا کہ لاؤ لگتے ہاتھ بھائی سے ملتا جاؤں یہاں پونہچ کر معلوم ہوا کہ بھائی کا انتقال ہو چکا ہی اُن کے معاملات خانہ داری کو دیکھا سب کے سب ابتر ناچار ٹھیرنا پڑا۔ اکثر معاملات خدا کے فضل سے درست ہو گئے ہیں بعض باتیں باقی ہیں اگر میرے حال سے تعرض نہ بھی کیا جائے تاہم تین چار مہینے سے زیادہ مجھ کو ٹھیرنا منظور نہیں اور ٹھیر سکتا بھی نہیں لیکن اس نظر بندی کی حالۃ میں تو میں ایک دن نہیں رہ سکتا بے اطمینانی کی وجہ سے وہ مطلب بھی فوت ہوتا ہی جس کی وجہ سے میں ٹھیرا ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے سرکار کا ایسا کون سا قصور کیا ہی۔ درس میں نہیں دیتا کہ میرے

ساتھ طالب العلموں کا ہجوم ہو صاحب سلسلہ میں نہیں کہ مریدوں کا گروہ میرے پاس
جمع رہے خطا یا قصور اگر ہے تو یہی کہ جو کوئی اللہ کا بندہ پاس آ بیٹھتا ہے تو نصیحت کی دو چار
باتیں اُس سے کہہ دیتا ہوں اور یہ کام ایسا ہے کہ دنیا کی حکومت کیسی ہی قاہرہ کیوں نہو
مجھ کو اُس سے باز نہیں رکھ سکتی نصیحت تو لوگوں کو میں نے کی ہے اور کرتا ہوں اور آئندہ
بھی جہاں رہوں گا ضرور کروں گا اگر یہ بغاوت ہے تو میں پکار کے کہتا ہوں کہ
میں باغی ہوں سرکار کو اختیار ہے مجھے قید کرے مگر ان شاء اللہ وہاں بھی قیدیوں کو نصیحت
کرتا رہوں گا۔ سرکار شاہنشاہ زبردست اور میں اُس کی ایک ادنیٰ رعیت میرے واسطے
ایسی کارروائی کی کیا ضرورت ہے اگر کچھ اشتباہ پیدا ہوا ہے مجھ کو علی رؤس الاشہاد
طلب کرے میں جواب دہی کو اور اگر قصور ثابت ہو تو سزا کو حاضر ہوں۔ مگر اپنا سے
جنس کی نظر میں ناحق نکو بنانا مشتبہ ٹھیرانا شیوۂ انصاف سے بہت بعید ہے۔ کوتوال
یہ سب باتیں چپ بیٹھا ہوا سنتا رہا اور آخر بولا تو یہ بولا کہ میں ارادۂ مندانہ اتنا ہی
کہہ سکتا ہوں کہ جب حضرۃ کا ارادہ تین چار مہینے بعد خود رام پور روانہ ہونے کا ہے اگر
ابھی قصد فرمائیے تو مناسب۔ یہاں کا اگر کوئی کام مجھ کو سپرد کر جائیے ان شاء اللہ
اُس کا سر انجام خاطر خواہ میرے ذمے۔ میر متقی نے سمجھا کہ اب ٹھیرنا مصلحت نہیں اور زیادہ
کاوش کرنے سے بھی کچھ حاصل نہیں فوراً سفر رام پور کا ارادہ کر دیا۔ غیرت بیگم باپ کے
مرنے پر تو کیا روئی تھی جیسا کہ چچا کے جانے کا اُس نے ماتم کیا۔ مبتلا کے خیالات میں
بھی تھوڑے ہی دنوں میں اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ اُس کو بھی یکایک چچا کے چلے جانے کا صدمہ
رنج ہوا۔ میر متقی نے ہر ایک کو اُس کی جگہ تسلی دی۔ چلتے چلتے مبتلا سے اتنا کہہ گئے کہ سید حاضر
کے خیالات بہت راستے پر آگئے ہیں اگر تم اُن سے مشورہ لو گے تو امید ہے کہ نیک صلاح

دینے میں دریغ نہیں کریں گے یا میاں عارف جن کو تم میرے پاس اکثر دیکھتے تھے تمھارے مدرسے ہی کے طالب العلم ہیں بڑے اچھے دل کا لڑکا ہے ہے تو تمھارا ہم عمر مگر استعداد اور معلومات کے اعتبار سے پورا مولوی ہے بڑی خوبی اُس میں یہ ہے کہ اُس کے خیالات عالمانہ اور شگفتہ ہیں میں نے اُس سے بھی بتاکید کہہ دیا ہے اور وہ خود ہفتے میں ایک دوبار تمھارے پاس آیا کریں گے تم بھی اُن سے ربط بڑھا لینا اُن سے تم کو سب طرح کی مدد ملے گی

سولھویں فصل میر متقی کے چلے جانے کے بعد مبتلا کس رنگ میں رہا

مبتلا کی تو اس وقت بعینہ ایسی مثال ہوگئی کہ ایک مریض مرض مہلک میں گرفتار ایک طبیب حاذق نے اُس کا علاج شروع کیا ارادہ تھا کہ منضج ہوں منضجوں کے بعد مسہل مسہلوں کے بعد تبرید پھر معجونات کا استعمال کرایا جائے۔ ابھی منضج بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ طبیب صاحب تشریف لے گئے۔ سید حاضر اگرچہ اُس کا پھوپھی زاد بھائی تھا مگر رشتہ داری کے جھگڑوں کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ اُنس نہ تھا رہ گئے میاں عارف مولوی تھے حکیم تھے شگفتہ خیال تھے سب کچھ تھے مگر مبتلا کے چچا تو نہ تھے مبتلا کو اُن کا کیا لحاظ اور اُن کو مبتلا کا کیا درد پھر بھی بے چارے نے خدا اُن کو جزائے خیر دے میر متقی کے کہنے پر اتنا تو کیا کہ سر کے پیچھے کے پیچھے مبتلا کے پاس آتے اور گھنٹے دو گھنٹے بیٹھ کر چلے جاتے اسی طرح مبتلا بدھ کے بدھ اور اتوار کے اتوار عارف کے گھر جاتا اور یوں ایک دن بیچ دونوں کی ملاقات کا سلسلہ بندھ گیا اس سے اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے پرانے یار دوستوں کو اُس پر احاطہ کرنے کا موقع نہ ملا اور جس ڈھرّے[1] پر چچا نے اُس کو لگا دیا تھا اُس پر تھوڑا بہت سست چلا بد پر چلا مگر چلا۔ دین داری میں اگر سچ پوچھو تو مبتلا نے ترقی

[1] شارع عام ۱۲

نہیں کی مگر اُس کا اتنا سنبھلا رہنا بھی غنیمت ہوا کہ پھر اُس نے آوارگی نہیں کی وہ نماز بھی
پڑھ لیتا تھا مگر گنڈے وار اب دین کی باتوں کا اگر اہتمام نہیں کرتا تھا تو پہلے کی طرح اُن پر
ہنستا بھی نہ تھا اُس کی ظاہری وضع میں بھی اگلی سی سخافت باقی نہ تھی۔ جب سے باپ
مرے اُس نے گھر میں سونا بالکل چھوڑ دیا تھا چچا کے آنے سے وہ پھر گھر میں سونے لگا
تو اُن کے چلے جانے کے بعد وہی معمول رکھا غرض مبتلا دین دار نہیں تو ایک خانہ دار بھلا آدمی
بن گیا تھا جیسے اکثر لوگ ہوتے ہیں مگر حُسن پرستی کی ٹھرک ہر روز دو ایک بار اُس کو ابھرتی رہتی تھی

سترھویں فصل حُسنِ صورۃ پر مبتلا اور عارف کا مباحثہ

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ عارف کے آنے کا وقت تھا اور مبتلا بیٹھا ہوا اُن ہی کی راہ دیکھ
رہا تھا بیٹھے بیٹھے اُسی حسن پرستی کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ عارف سر پر آکھڑے ہوئے اور اُس نے
عادۃ کے مطابق نہ تو اُن کا استقبال کیا اور نہ کھڑے ہو کر اُن کو تعظیم دی۔ جب عارف
نے جھک کر السّلام علیکم کہا تب سٹ پٹا کر کھڑا ہونے لگا مگر عارف بیٹھ چکے تھے اُنھوں
نے ہاتھ پکڑ کر اپنی برابر بٹھا لیا اور پوچھا کہ خیر ہو آج کس خیال میں مستغرق تھے۔ مبتلا نے
ٹالنا چاہا عارف نے اصرار کیا کہ نہیں کوئی بات تو ضرور ہے جس کو تم اِس قدر غور کے ساتھ
سوچ رہے تھے مبتلا۔ غور کے بارے میں تو چچا نے مجھ پر بڑی سخت تاکید کی ہے۔ عارف۔
بلاشبہ اُن کا فرمانا درست ہے۔ غور کے معنی کیا ہیں عقل سے کام لینا اور انسان نے اگر
عقل ہی سے کام نہ لیا تو اُس میں اور دوسرے حیوانات میں کوئی ما بہ الامتیاز نہیں۔ مگر
پوچھنے سے میری غرض یہ تھی کہ اگر وہ بات مجھ پر ظاہر ہو تو جہاں تک مجھ سے ممکن ہو تمھاری
مدد کروں۔ تمھارے چچا نے جن کو میں اپنے والد کی جگہ سمجھتا ہوں تم سے غور کرنے کو کہا

اور مجھ سے تمھاری مدد کرنے کو۔ پس اگر تم اُن کے کہنے کے مطابق غور کرتے ہو تو اُن ہی کے ارشاد کے موافق مجھ سے مدد بھی لو۔ مبتلا۔ جس بات کو میں سوچ رہا تھا اکثر سوچا کرتا ہوں مگر ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا تاہم اتنا تو جانتا ہوں کہ آپ سے اُس میں کچھ مدد ملنے کی توقع نہیں۔ عارف۔ جب تک تم اُس بات کو مجھ سے بیان نہ کرلو اور میں جواب نہ دے دوں کہ میں کچھ نہیں کرسکتا اُس وقت تک تم کو میری مدد سے ناامید ہونے کا کوئی محل نہیں۔ مبتلا۔ اچھا تو آپ مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ عارف۔ اجی تم سے کیا وعدہ کروں گا میں تو وعدہ کرچکا ہوں جناب میر متقی صاحب سے۔ مبتلا۔ اس خاص بات کا اُس وقت تک کچھ مذکور نہ تھا۔ عارف۔ مجھ سے جناب میر صاحب نے کسی بات کا مذکور نہیں کیا عام طور پر تمھاری مدد کرنے کو فرمایا اور میں نے اُس کو تسلیم کیا اس سے بڑھ کر اور وعدہ کیا ہوگا۔ مبتلا۔ آپ کو میرے خانہ داری کے حالات معلوم ہیں۔ عارف۔ جس قدر حالات جناب میر صاحب کو معلوم تھے مجھ کو بھی معلوم ہیں۔ مبتلا۔ بھلا چچا باوا نے آپ سے میری خانہ داری کے بارے میں کبھی کچھ کہا تھا۔ عارف۔ اکثر اس بات کا سخت افسوس کیا کرتے تھے کہ بی بی کے ساتھ تمھارا معاملہ درست نہیں۔ مبتلا۔ نادرستی معاملہ سے اُن کی کیا مراد تھی۔ عارف۔ مراد یہ تھی کہ تم کو بی بی کے ساتھ اُنس نہیں محبت نہیں۔ مبتلا۔ بھلا اس کا کچھ سبب بھی اُنھوں نے بیان کیا تھا۔ عارف۔ ہاں یہ فرماتے تھے کہ تمھارے مزاج میں آوارگی ہے۔ حسن پرستی کے مزے پڑے ہوئے ہیں دل میں یہ خبط سما رہا ہے کہ میں حسین ہوں بی بی نظروں میں بھرتی نہیں۔ مبتلا۔ کیا چچا باوا اس بارے میں بھی کچھ کرنے کو تھے۔ عارف۔ بے شک۔ فرماتے تھے کہ مطالب کو تو میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا ہے اب موقع کی تاک میں ہوں۔ مبتلا۔ شاید اُن کا ارادہ تھا کہ اس پر بھی کوئی وعظ کہیں مگر بھلا ہوا کہ اس کی نوبت نہ آئی

ورنہ چاروناچار مجھ کو مخالفۃ کرنی پڑتی - عارف - کچھ تم نے پہلے وعظ کی مخالفۃ کی ہوگی کہ اس کی کرتے - مبتلا - پہلے وعظ میں چچا باوا نے کسی بات میں واقعات کی مخالفۃ نہیں کی اس سے میں نے اُن کی مخالفۃ نہیں کی مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خوب صورتی کے بارے میں وہ کہتے تو کیا کہتے - عارف - میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کہتے مگر اتنا اُنھوں نے ضرور کہا تھا کہ جس قدر اُس[1] کو حسن کے ساتھ فریفتگی ہے اِن شاءاللہ اُسی قدر نفرۃ کرنے لگے تو سہی - مبتلا - (چونک کر) ہیں اور حسن سے نفرۃ - تو یوں کہیئے کہ میرے سر سے دماغ کو اور دماغ سے عقل کو اور عقل سے سلامۃ کو سب کو سلب کر لینے کے فکر میں تھے - بھلا آپ چچا باوا کے اس ارادے کی نسبۃ کیا خیال کرتے ہیں - عارف - میں تو جناب میر صاحب کی شان کو اس سے بہت ارفع سمجھتا ہوں کہ غلط بات اُن کے مُونہہ سے نکلے یا اُن کے کلام میں مبالغہ ہو - اُن کو خدا نے علم کی - دین داری کی - خلوص کی - خیر خواہی خلائق کی - گویائی کی بہت سی قوتیں دی ہیں - میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ اُنھوں نے چھٹانک بھر کو کہا تو من بھر کر دکھاتے مگر افسوس ہے کہ یکایک اُن کا چلنا ٹھیر گیا - مبتلا - آپ بھی تو اُن کے شاگرد رشید ہیں حسن سے نفرۃ نہیں تو خیر اتنا ہی کیجیے کہ کسی طرح میری یہ شورش تو فرو ہو کہ مجھے اس تصور میں نہ رات کو نیند ہے نہ دن کو قرار ہے - یہ کیا بلا میرے سر پر سوار ہے - عارف - کبھی تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ حُسن کیا چیز ہے اور لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں ہے - مبتلا - یہ تو کوئی غور کرنے کی بات نہیں ہے - مرد - عورۃ - بوڑھا - جوان - شہری - دیہاتی - خواندہ - ناخواندہ ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ خوب صورتی اُس کو کہتے ہیں - تفصیل پوچھیے تو تمام شاعروں نے معشوقوں کے سراپا لکھے ہیں آپ کی نظر سے بھی تو ضرور گزرے ہوں گے - رند لکھنوی کا سراپا مرقعِ خوبی میرے نزدیک سب سے بہتر ہے

[1] یعنی مبتلا کو ۱۲

اُس سراپا میں کئی باتیں خاص ہیں۔ اول تو سر سے لے کر ناخن پا تک کسی عضو کو نہیں چھوڑا
دوسرے مردوں کا سراپا الگ ہے اور عورتوں کا الگ۔ تیسرے اعضا کی ساخت کے علاوہ
اُن کی حرکات کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ چوتھے حسن خلقی اور حسن مصنوعی کا تفرقہ بڑے
عمدہ طور پر دکھایا ہے۔ غرض جو کچھ شعرا کے سراپاؤں میں ہے وہی حسن ہے۔ اور یہ جو آپ نے
پوچھا کہ لوگوں کو اس قدر فریفتگی حُسن کے ساتھ کیوں ہے تو یہ میرے نزدیک انسان کی
طبیعت کا خاصہ ہے۔ اور اس کے واسطے سوائے اس کے کہ آدمی کی طبیعت ہی خلقۃً حسن کی
طرف راغب واقع ہوئی ہے اور کوئی وجہ درکار نہیں آپ کا یہ سوال بجنسہ اسی طور کا ہے
جیسے کوئی پوچھے کہ کہربا گھاس کو اور مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچتا ہے آگ کیوں جلاتی ہے
عارف۔ شعرا نے جو خیالات سراپاؤں میں ظاہر کیے ہیں آپ کی سمجھ میں آتا ہے اُن کا ماخذ کیا ہے
مبتلا۔ میرے نزدیک ان تمام خیالات کا ماخذ وہی طبیعت انسانی ہے جو حکم کرتی ہے کہ اس
عضو کو اس وضع اور اس ساخت اور اس انداز کا ہونا چاہیے۔ عارف۔ ہاں۔ لیکن اگر یہ
خیالات طبعی ہوتے تو ضرور تھا کہ سب آدمیوں کے ایک ہی طرح کے ہوں کیوں کہ آدمی
آدمی انسانیۃ میں سب یکساں ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ طبیعت انسانی سب میں یکساں ہے
اور طبیعت یکساں ہوئی تو چاہیئے کہ سب کے تقاضے یکساں ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں جو ایک کے
نزدیک مطبوع ہے دوسرے کے نزدیک مکروہ مثلاً بڑی خوب صورتی رنگ کی ہے کہتے
بھی ہیں ایک رنگ ہزار ڈھنگ لیکن رنگ کے بارے میں مذاق اس قدر مختلف ہیں
کہ گورا۔ سُرخ و سفید۔ گندم گوں۔ ملیح چمپئی۔ وغیرہ کتنی قسم کے رنگ ہیں جن کے
پیچھے ہمارے ملک کے لوگ سر دھنتے ہیں۔ لیکن فرض کرو کہ ان رنگوں میں سے کسی
رنگ کا آدمی افریقہ میں جا نکلے تو وہاں اُس کی ایسی قدر ہو گی جیسی کہ ہمارے یہاں

جذامی کی یا مبروص کی۔ افریقہ کے باشندے بھی آدمی ہیں اُن کی طبیعتوں میں بھی ایسے ہی جوش اور ایسے ہی ولولے پائے جاتے ہیں عشق و محبت اُن میں بھی ہے اُن میں بھی حسین ہیں مگر اُن کے سراپا تمھارے سراپا سے بالکل مختلف۔ خاص خاص اعضا کی نسبت بھی مذاقوں کے اختلاف کا یہی حال ہے۔ ہم پسند کرتے ہیں بالوں کی سیاہی جس کو ہمارے شعرا تشبیہ دیتے ہیں شب دیجور سے کالی گھٹا سے مار سیاہ سے عاشق کی تیرہ بختی سے ظلمات سے۔ اور اہل یورپ چاہتے ہیں بھورے بال سونے کے ہم رنگ اور سونا بھی ہندوستان کا نہیں کیلیفورنیا[۱] کا پیتلی۔ ہم ڈھونڈتے ہیں آنکھ موتی چور جس کی پتلی سیاہ ہو۔ صاحب لوگ نیلی کرنجی۔ چینیوں کی نسبت مشہور ہے کہ کمانیاں چڑھا چڑھا آخر ناک کو بٹھا چھوڑا کیوں کہ اُن کے نزدیک ناک کی اُٹھان سے چہرہ ناہموار ہوتا تھا۔ عورتوں کے پاؤں کو ایسا شکنجے میں کسا کہ کھڑے ہونے سے اُن کا مرکز ثقل ہی ٹھکانے پر نہیں رہتا ناچار گر گر پڑتی ہیں۔ ہمارے ہاں دانتوں کا وصف ہے صفائی اور چمک۔ چینیوں میں تیرگی اور سیاہی۔ افریقہ میں عورتیں دانتوں کو سوہن کرا کے آرے کا ہم شکل بناتی ہیں۔ انگریزنیں ساری دنیا کی عورتوں پر ہنستی ہیں کسی کے گہنے پر کسی کے لباس پر کسی کے بالوں کی بندش پر کسی کے بناؤ سنگھار پر اور خاص کر چینیوں پر اور اُن کا کہنا یہ ہے کہ انسان کی اصلی خوب صورتی اُس کی قدرتی بناوٹ میں ہے مگر جس وقت اپنی بہنوں پر جو دوسرے ملکوں کی رہنے والیاں ہیں ہنستی ہیں اُن کو اپنی کمر یاد نہیں رہتی۔ مختلف ملکوں کی تاریخیں اور جغرافیے پڑھو تو معلوم ہو کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات کس قدر مختلف ہیں۔ قومی اختلافات سے اُتر کر شخصی اختلافات پر آؤ تو ہر جگہ وہی معاملہ ہے کہ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید غرض جہاں تک غور کیا جاتا ہے حسن کا کوئی مفہوم متعین

[۱] ایک مقام کا نام ہے ۱۲

نہیں ٹھیرتا۔ پس مفہوم حسن کو انسان کا طبعی خیال سمجھنا غلط ہی بلکہ وہ ایک شخصی خیال ہی
۔مبتلا۔ یہ تو ایک لفظی بحث ہی حسن کی نسبتہ میرا خیال طبعی ہو تو اور شخصی ہو تو نتیجہ واحد ہی
کہ مجھ سے بدون حُسن کے صبر نہیں ہو سکتا۔ عارف۔ واہ واہ لفظی بحث کی بھی خوب کہی اجی حضرۃ
یہ تو علم اخلاق کا ایک بڑا ضروری مسئلہ ہی۔ جتنی باتیں طبعی ہیں یعنی تقاضاے طبیعۃ انسانی
سے سرزد ہوتی ہیں کسی کے روکے رُک نہیں سکتیں اُن کی تبدیل میں کوشش کرنا محض
لاحاصل ہی اور مطلق بے سود دیگر جن کو میں نے شخصی سے تعبیر کیا ہی ضرورتیں ہیں ادعائی
حاجتیں ہیں تکلفی جن کو آدمی عموماً نہیں بلکہ افراد خاص اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔
اگرچہ اُن ادعائی ضرورتوں کا تقاضا کبھی طبعی ضرورتوں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہی
مگر پھر بھی چوں کہ تقاضاے طبیعۃ نہیں ہی اس کی شورش کو فرو اس کی تیزی کو مدّھم
کرنا ممکن ہی۔ مثلاً مطلق کھانا پینا تقاضاے طبیعۃ انسانی ہی اور کسی تدبیر سے یہ خواہش
دفع نہیں ہو سکتی مگر خاص قسم یا خاص ذائقے یا خاص کیفیۃ کے کھانے کا التزام تقاضاے
طبیعۃ انسانی سے خارج ہی۔ جو لوگ شراب یا افیون یا مدک یا چنڈو یا گانجے یا چرس
یا تاڑی یا حقے یا کسی قسم کے نشے کی عادۃ ڈال لیتے ہیں اُس کی طلب میں ایسے بے قرار
ہو جاتے ہیں جیسے بھوبھل میں مچھلی تاہم یہ ایک ضرورۃ ہی جس کو اُن کی طبیعۃ شخصی
تقاضا کرتی ہی نہ طبیعۃ انسانی۔ اسی طرح خداوند تعالی کی حکمۃ کاملہ نے نوع انسان
کے باقی رہنے کے لیئے ایک قاعدہ ٹھیرا دیا ہی کہ دو طرح کے آدمی بنائے مرد اور عورۃ
اور دونوں کے لیئے عمر کا ایک وقت مقرر کر دیا کہ جب اُس حد پر پہنچیں تو دونوں میں
از خود ایک دوسرے کی طرف رغبۃ پیدا ہو بس یہاں تک اور صرف یہیں تک تو تقاضاے
طبیعۃ انسانی ہی جیسے مطلق غذا اور اس سے بڑھ کر کہ جس کی طرف رغبۃ کرتا ہی پورا یا ادھورا

رند کے سراپا کا مصداق ہو از قبیل نشہ ہی- اور جہاں انسان کے اور ہزار ہا لغویات ہیں کہ شاید دس ہزار آدمیوں میں ایک بھی اُن سے محفوظ نہیں ایک طرح کی لغویۃ حسن پرستی بھی ہی بھلا کوئی مجھ کو اتنا تو سمجھا دے کہ طبیعۃ انسانی جس رغبۃ کا تقاضا کرتی ہی اُس سے اور رند کے یا کسی دوسرے شاعر کے سراپے سے کیا مناسبۃ- مبتلا- میں ایسا سمجھتا ہوں کہ اُسی رغبۃ میں حسن کا طبعی ہونا آپ تسلیم کرتے ہیں سراپا کو ایسا مدخل ہی جیسا غذا میں مسالے[1] کو- عارف- بالکل غلط- مسالا جزو غذا ہوتا ہی داخل غذا اور خود غذا- مبتلا- حسن کی نسبۃ آپ کی رائے تمام دنیا کی رائے کے خلاف ہی- اور اگرچہ بادی النظر میں آپ کی دلیل لاجواب معلوم ہوتی ہی مگر چوں کہ فی الواقع ایک عالم فریفتۂ حسن ہی اور ازاں جملہ میں بھی ہوں گو آپ کو قائل نہ کر سکوں تاہم دل ہی کہ حسن کے تصور سے پگھلا جاتا ہی- عارف- اگر دنیا عبارۃ ہی اُن لوگوں سے جن کو تمھاری طرح حُسن پرستی کا خبط ہی تو بلاشبہہ تمھارا کہنا درست ہی مگر زیادہ نہیں تو اپنی ہی معرفۃ کے مثلاً دس گھر معین کرو اور دیکھو کہ اُن میں کتنے آدمی ہیں پھر اُن میں اپنے جیسے عاشق مزاج منتخب کرو تب تم کو معلوم ہو کہ جنونِ عشق عالم گیر ہی یا نہیں- اور ایک بات میں تم سے اور بھی کہتا ہوں کہ یہ تمام خرمستیاں پیٹ بھرے کی ہیں- ایک- اور دوسرے یہ روگ اکثر شہریوں ہی کو ہوتے دیکھا اور تم نے اپنے دل کا جو حال بیان کیا اُس کو میں مانتا ہوں لیکن بُرا مت ماننا مدرسے کے تمام طالب العلموں میں تم سب سے زیادہ معروف و مشہور تھے مگر کس بات میں مدرسے کے چند آوارہ اور بدوضع نوجوان لڑکے تمھاری محبۃ کا دم بھرتے تھے اور اُنھوں نے گفتار سے کردار سے یہ بات تم پر ثابت کر دی تھی کہ تم بھی حسین ہو- آدمی فربہ شود از راہِ گوش- سنتے سنتے وہ خیال تمھارے ذہن میں

[1] … ان اجزا سے کھانے کی صلاح ہوتی ہی لیکن اگر لفظ اردو سمجھو تو کیا حرج ہی"

شعر راسخ ہو گیا جب خود جوان ہوتے اُس خیال کا پیرایہ بدل گیا

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر	بارے ستم کی کچھ تو مکافاۃ چاہیئے

-مبتلا- آپ مولوی ہو کر داب مناظرہ کا لحاظ نہیں رکھتے آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ حُسن کی نسبتہ لوگوں کے خیالات طبعی نہیں بلکہ شخصی ہیں اور اُس دعوے کے اثبات میں آپ میری خاص حالتہ سے استدلال کرتے ہیں دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص - دنیا میں ہزار ہا آدمی حسن پرست ہیں تو کیا سب کی حسن پرستی کا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ میری طرح وہ بھی حسین ہیں - عارف - تم نے اچھی طرح خیال نہیں کیا جیسا میرا دعویٰ عام ہے ویسی ہی میری دلیل بھی عام ہے اور تمھارا تذکرہ تمثیلاً تھا نہ استدلالاً - میری دلیل یہ ہے کہ حسن کی نسبتہ مختلف ملک کے باشندوں اور مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کے مذاق مختلف ہیں اور اگر طبعی ہوتے تو مختلف نہ ہوتے - مبتلا - آپ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اقتضاءات طبیعۃ انسانی تمام دنیا میں یکساں ہیں مگر میرے سمجھنے میں تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی میں دیکھتا ہوں کہ روے زمین کے مختلف قطعات میں مختلف طور کی آب و ہوا اور مختلف طور کی پیداوار ہے اور آب و ہوا اور پیداوار کے اختلاف سے باشندوں کے طبائع کا مختلف ہونا ضرور ہے چنانچہ بعض ملکوں کے لوگ آرام طلب ہوتے ہیں اور بعض کے جفاکش بعض کے غصیلے زود رنج بعض کے متحمل بردبار بعض کے بہادر دلیر بعض کے بزدل ڈرپوک بعض کے سیدھے سادے بعض کے مفسد چالاک اور باایں ہمہ اختلافات یہ سب خصائص طبعی سمجھے جاتے ہیں اسی طرح حسن کی نسبتہ لوگوں کے مذاق مختلف ہوں ہوں - مذاق حسن پھر بھی طبعی ہی کہا جائے گا - عارف - جن خصائص کے اختلاف پر تم مذاق حسن کے اختلاف کو قیاس مع الفارق کرتے ہو وہ خصائص طبعی اور کیمیائی

ہیں آب وہوا اور غذا کی حرارۃ اور برودۃ اور رطوبۃ اور یبوستہ خون پر اثر کرتی ہی گرم
ملکوں کے لوگوں کے مسامات کشادہ خون گرم اور رقیق اور اُس کی گردش تیز اور سرد
ملکوں میں اس کے بالکل خلاف اور یہی وجہ ہی کہ گرم ملکوں کے لوگ آرام طلب غصیلے
اور بزدل اور ذہین ہوتے ہیں لیکن آب وہوا اور غذا کو اس طرح کا مدخل مذاق حُسن
میں ہو نہیں سکتا اور اگر ہی تو اُس کا ثابت کرنا تمھارا کام ہی ہاں اگر یہ کہو کہ بعض گرم
ملکوں کے لوگوں میں توالد تناسل کی رغبۃ جلد پیدا ہوتی ہی یا وہ لوگ اس رغبۃ پر زیادہ حریص
ہوتے ہیں تو میں اس کو مانتا ہوں کیوں کہ مطلقاً اس رغبۃ کا طبعی ہونا مجھ کو تسلیم ہی رہی
عجلۃ اور حرص دونوں حرارۃ کے آثار کیمیائی ہیں مگر پھر پھر کر وہی بات آئی کہ اس
رغبۃ طبعی کو شاعروں کے سراپا سے کہ وہی حسن ہی کیا تعلق۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ
کوئی شخص دوسرے شخص کے کسی عضو کو بے سبب بے غرض بے مطلب کیوں اچھا یا بُرا
کہہ سکتا ہی۔ مثلاً تمھاری ناک سے اگر کسی کی کوئی غرض متعلق ہو سکتی ہی تو وہ تم ہی ہو کہ
تم اُس سے سونگھتے یا سانس لیتے ہو اگر تمھاری ناک تمھارے کام اچھی طرح دیتی ہی تو وہ
اچھی ہی مگر تمھارے لیئے۔ میرا کون سا مطلب تمھاری ناک سے اٹکا ہی کہ میں اُس کو اچھا
یا بُرا سمجھوں اور یہی حال ہی تمام سراپا کا جس کے پیچھے رندلے جزو کے جزو سیاہ کیئے
ہیں۔ غرض تم کو دو باتیں ثابت کرنی چاہییں اول یہ کہ مذاقِ حسن تقاضائے طبیعۃ
انسانی ہی۔ دوسرے یہ کہ توالد تناسل کی رغبۃ طبعی میں اس کو مدخل ہی۔ مبتلا۔ ابھی
تو میں اسی بات کو سوچ رہا ہوں کہ لوگوں میں مذاق حسن مختلف کیوں ہیں۔ عارف میں نے
ان باتوں کو برسوں سوچا ہی آخر اس بات سے دل کو تسلی ہو گئی کہ حُسن صورۃ فی نفسہ
کوئی چیز نہیں پھر یہ خیال پیدا ہوا تو کہاں سے پیدا ہوا۔ پہلے ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا کہ شاید

حسن کا ماخذ علم قیافہ ہو یعنی انسان کی روح اور جسم میں ایک تعلق ہو ایسا کہ اعضا کی ساخت
اور وضع سے اُس کے دلی خیالات اور اخلاق پر استدلال کیا جاتا ہو۔ لوگوں نے تجربے
سے اس تعلق کو دریافت کر کے جمع کیا تو علم قیافہ مدوّن ہو گیا۔ جو لوگ علم قیافہ کے بڑے
ماہر ہوتے ہیں آدمی کے اعضا کی بناوٹ سے اُس کے خصائص طبیعۃ کو پہچان جاتے
ہیں۔ عجب نہیں کہ اعضا کی جو وضع محاسنِ اخلاق پر دلالۃ کرتی ہو اُس کو اچھا سمجھنے لگے
ہوں لیکن جن لوگوں کے حُسن کا بڑا چرچا ہو اُن کو دیکھا تو من حیث الاخلاق سب سے
بدتر پایا۔ معلوم ہوا کہ علم قیافہ تو حسن کا ماخذ نہیں ہو سکتا۔ آخر غور کرتے کرتے یہ بات
سمجھ میں آئی کہ جس طرح اب لوگوں میں اعلیٰ اور ادنیٰ اور شریف اور وضیع اور خواص
اور عوام کا تفرقہ ہو ایسا ہی ابتداے دنیا میں سب لوگ تو یکساں حالت میں نہیں رہے
ہوں گے۔ جسمانی قوۃ یا اعوان و انصار کی کثرۃ یا کسی دوسری وجہ سے بعض لوگ
ضرور اکابر قوم سمجھے جاتے ہوں گے اور قاعدہ یہ ہو کہ جس کو انسان اپنے سے بہتر اور برتر
سمجھتا ہو اُس کی سبھی باتیں اُس کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ یوں سب سے پہلے حسن کا خیال
پیدا ہوا تو عجب نہیں اور پھر تو مثل دوسرے خیالات کے یہ خیال بھی اَبًا عَنْ جَدٍّ متوارث
ہوتا چلا آیا۔ اور یہی سبب ہو ملکوں میں مذاق حسن کے مختلف ہونے کا کہ ہر ملک میں جو
شخص سب سے بہتر اور برتر تھا لوگوں نے اُس ہی کو نمونۂ حسن قرار دے لیا۔ تم نے
نپولین شاہ فرانس کی تصویر تو دیکھی ہوگی اُس کی ڈاڑھی تھی چُگی اور ڈاڑھی کی بدصورتی
ہی بھری ہوئی گول مگر نپولین کے دیکھا دیکھی سارے فرانس نے اپنی ڈاڑھیاں چُگی کر لیں
اور اسی کو شعار خوب صورتی ٹھیرا لیا اور چُگی ڈاڑھی کا نام رکھا امپیریل بیرڈ یعنی
شاہانہ ڈاڑھی۔ ہم لوگوں میں جو انگریزی وضع کھانے میں پینے میں لباس میں نشست

وبر خاست میں طرز تمدن میں ہر چیز میں وبا کی طرح پھیلتی چلی جا رہی ہو اس کی بھی
یہی وجہ ہو کہ انگریز ہیں وقت کے حاکم اُن کی تمام ادائیں خوش نما لگتی ہیں اور ہم
لوگوں کے مذاق ہیں کہ یوماً فیوماً انگریزی طور کے ہوتے چلے جاتے ہیں تغیر خلقة
تو اختیاری بات نہیں مگر رفتہ رفتہ منہدی اور وسمے کے عوض ہمارے یہاں کے
بڈھے انڈے کی زردی کا خضاب تو ضرور کرنے لگیں گے حسن کی نسبتہ شخصی مذاقوں
کی تاویل چنداں مشکل نہیں ایک شخص میں تمام محاسن صورة کا جمع ہونا تو کم یاب
ہی اکثر یوں ہی ہوتا ہی کہ بڑے سے بڑے حسینوں میں بھی دو چار نقص ضرور ہوتے
ہیں اب یہ پسند کرنے والے کی تجویز پر منحصر رہا کہ چاہے جس پہلو کو ترجیح دے - بعضے
رنگ پر مرتے ہیں اور بعضے نقشے کی نزاکت پر نظر کرتے ہیں بعضے حسن و ادا کے خریدار
ہیں اور بعضے دام زلف کے گرفتار - مبتلا حُسن اگر صرف خصائص انسانی سے ہوتا
تو جو ماخذ آپ نے بیان کیا بلاشبہہ قابل تسلیم تھا - مگر جمادات نباتات حیوانات غرض
تمام موجودات میں کوئی چیز حسن سے خالی نہیں والد مرحوم زندہ تھے کہ ایک مقدمے
کی پیروی کے لیئے اُنھوں نے ناظر بھائی کو گرمیوں کے دنوں میں نینی تال بھیجا اور مجھ کو
اُن کے ساتھ کیا یوں تو پہاڑ دُھندلا دُھندلا کئی منزل سے نظر آتا تھا مگر تین چار کوس
کے فاصلے سے تو ہم اُس کو اچھی خاصی طرح سمو چاد یکھنے لگے وہ صبح کا وقت اور پہاڑ
کی چوٹیوں پر سفید براق برف گویا سنگھار میز پر بڑا قد آدم آئینہ لگا ہی کہ آفتاب سوتا
اُٹھ کر پہلے شبنم سے مُونہ دھوئے اور پھر اپنا چہرہ اُس آئینے میں دیکھے اور جب
چوٹیوں کے گرد اگرد شفق کی سُرخی اور دامان کوہ کی سبزی پر آنکھ پڑتی تھی تو ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ ایک نازنین گلابی دوپٹا اوڑھے اور ہری پشواز پہنے غور سے کھڑا ہو

آس پاس کی چیزوں کی سیر دیکھ رہا ہے۔ شروع میں تھوڑی دیر تک تو اس کا شعور تھا
کہ واقع میں پہاڑ ہے اور ہماری قوۂ متخیلہ نے اُس کو نازنین اور شفق و سبزے کو اُس کا
لباس رنگین بنا لیا ہے مگر آفتاب کی کرن نکلتے ہی اوپر برف کے کنارے اور نیچے ندی
نالے سارے جگمگا اُٹھے جیسے عین مَین سچا گوٹا اب تو جو خیال تھا وہ حقیقۃ الحال
ہو گیا۔ قوۂ نامیہ کا ہر طرف یہ زور شور کہ ایک چپا بھر جگہ سبزۂ خودرو سے خالی نہیں
شاعر تو سبزے کو خوابیدہ باندھتے ہیں مگر وہاں کا سبزہ بیدار۔ ہوا کے جھکولوں سے
ہر وقت مُتموّج بلا تصنع اُس وقت تو یہی خیال میں آتا تھا کہ ہوا کے گدگدانے سے
پہاڑ کے پیٹ میں ہنسی کے مارے بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے پگڑی سنبھال
کر درختوں کو دیکھو تو ایسا شبہہ ہو کہ آسمان کی چھت بہت پُرانی ہو چلی تھی شاید اُس کی
اڑواڑیں ہیں۔ رنگ برنگ کے جانور پھدک پھدک کر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے
اِدھر اس طرح اُڑتے پھرتے تھے کہ گویا جگہ جگہ چوتھیاں کھیلی جا رہی ہیں۔ غرض ہر چیز
پر ایک قدرتی جوبن تھا کہ جی بے اختیار لوٹا چلا جاتا تھا۔ ایسے کسی موقع پر آپ کے
جانے کا اتفاق ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ حسن ایک کیفیت خداداد ہے ہر جگہ ہے اور ہر چیز
میں ہے۔ اسی نینی تال کے رستے میں ایک ندی ملی تھی اُس میں پتھر کی ہزار ہا بٹیاں
تھیں اُن میں بھی جو سُڈول[۵] تھی نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ دنیا کی تمام صنعتیں تمام
دست کاریاں کس غرض سے ہیں صرف اتنی بات کے لیے کہ چیزوں میں حُسن پیدا ہو۔
کسی انگریزی شاپ (دُکان) میں میرے ساتھ چلیے تو میں آپ کو دکھا دوں کہ صرف
مکان کی آراستگی کے لیے کیسا کیسا اسباب انگریزوں کی ولایت سے بَن کر چلا آ رہا ہے۔
زندگی کے تمام ساز و سامان میں کون سی چیز ہے جس میں خوبی نہیں اور یوں آدمی

[۵] خوش وضع ۱۲

آنکھوں پر ٹھیکری دھر لے اور بداہتہ کا انکار کرے تو اس کا علاج نہیں۔ حسن کو تقاضائے طبیعۃ ماننا آسان ہی یا ایک عالم کو مجنون اور مبتلائے خبط۔ عارف۔ بات کو بہت طول ہوتا جاتا ہی اور حجۃ اور تقریر سے کبھی کسی بات کا تصفیہ ہوا نہیں اور مدۃ العمر کے جمے ہوئے خیال کا دفعۃً دل سے نکلنا بھی مشکل میں تم کو اتنی نصیحۃ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہی اُس کو مختلف اوقات میں تم خود سوچو اور میں نے بھی یہی کیا تھا کہ مدتوں خود غور کرتا رہا یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آخر کار تم میری رائے کے ساتھ اتفاق کروگے یا نہ کروگے مگر اس کا تو مجھ کو پورا یقین ہی کہ ان شاء اللہ تمھاری یہ شورش تو ضرور فرو ہو جائے گی۔ جس طرح تم دوسری چیزوں کا استحسان کرتے ہو یعنی مثلاً نینی تال کی سیر سے تمھاری طبیعۃ کو ایک طرح کی تفریح ہوئی اگر اُسی طرح کی تفریح تم کو خوب صورۃ آدمی کے دیکھنے سے ہو تو اُس میں میرے نزدیک کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس استحسان کو تم تقاضائے طبیعۃ بھی سمجھو تو چنداں مضایقہ نہیں مگر دل میں انصاف کرو کہ اس استحسان کو اُس استحسان کے ساتھ کیا مناسبۃ۔ اور فرض کرو کہ استحسانِ مردم یعنی حُسن پرستی جیسا تم کہتے ہو تقاضائے طبیعۃ انسانی ہی سہی تو طبیعۃ انسانی کے اَور بہت سے تقاضے ہیں مگر چار و ناچار اُن کو روکنا اور ضبط کرنا پڑتا ہی۔ سب میں زیادہ شدید تقاضا غذا کا ہی تاہم بعض اوقات طبیب حکم دیتا ہی کہ فاقہ کرو اور فاقہ کرتے ہیں یا غریب آدمی کو ایک وقت کھانا میسر نہیں آتا اور وہ انتڑیوں کو مسوس کر رہ جاتا ہی۔ اسی طرح تقاضائے حسن پرستی مطلق العنان تو رہ نہیں سکتا۔ حسن کم یاب اور اُس کے خواہاں بہت۔ معشوقوں کے غمزہ و ادا کے شہید ہونے کا انتظار بھی نہ کریں آپس ہی میں رقابۃ کی وجہ سے لڑ مریں اور مشکل یہ ہی

کہ کم یابی ٹھیری شرطِ حسن کیوں کہ اگر حسین کثرۃ سے ہوں تو حسن بے قدر ہو جائے کوئی اُس کی طرف رغبۃ بھی نہ کرے۔ پس حُسن پرستی فی نفسہا ایسی خواہش ہی کہ ہزار خواہشوں میں ایک کی کامیابی کی بھی توقع نہیں تو کیوں آدمی ایسی لت اپنے پیچھے لگائے کہ اُس سے سوائے رنج کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے۔ موقع پر آئی ہوئی بات کہنی ہی پڑتی ہی تم کو معلوم ہی کہ واقعی اور ادعائی ضرورتوں کی شناخت کیا ہی قاعدہ یہ ہی کہ جو چیز جس قدر زیادہ سہولۃ سے میسّر آسکتی ہو بس جان لو کہ ہم کو اُسی قدر زیادہ اُس کی حاجۃ ہی۔ مثلاً ہوا اور پانی اور غلہ سب ضرورۃ ہی کی چیزیں ہیں۔ غلے سے زیادہ پانی اور پانی سے زیادہ ہوا مگر ہوا سب سے زیادہ سہل الحصول ہی پانی اُس سے کم اور غلہ اُس سے بھی کم اُسی طرح لوہا اور چاندی اور سونا اور موتی اور جواہرات سب سے زیادہ بکار لوہا ہی اور اُسی کی زیادہ افراط ہی۔ پس حُسن اگر حقیقۃ میں ہم کو درکار ہوتا تو ضرور تھا کہ اُس کی افراط بھی ہوتی اور افراط ہوئی تو پھر حسن کہاں حسن تو اُسی وقت تک حسن ہی کہ اُس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہوں۔ مبتلا۔ آپ کا یہ فرمانا بالکل ٹھیک ہی کہ حسن کم یاب ہی اور جو ہی اُس پر دست رس کا ہونا مشکل اور میں اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ آپ تشریف لائے۔ مگر دنیا کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی مشکلیں پیش آتی ہیں اور یہ تو وہ لذتیں ہیں کہ دنیا کے سارے مزے اس کے آگے ہیچ ہیں بلکہ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ جب تک لذۃ حُسن کا شمول نہ ہو دنیا کی کسی چیز میں کوئی مزہ ہی نہیں تو ایسے عمدہ مطلب کے حصول میں اگر جان تک کی بھی جوکھوں ہو تو کیا مضایقہ اتنا خدا کا شکر ہی کہ دوسروں کو محال ہی اور مجھ کو آسان۔ عارف۔ کیوں تم میں خصوصیۃ کیا ہی کیا تم کہیں کے حاکم ہو یا تمھارے یہاں کچھ دولۃ پھٹ

پڑی ہے۔ مبتلا۔ بس آپ کے نزدیک تو دنیا میں حکومۃ اور دولۃ دو ہی چیزیں ہیں۔
ابھی حضرۃ میں حسن کی دولۃ رکھتا ہوں۔ اب چند روز ہوئے چچا باوا کے لحاظ سے
میں نے آنا جانا چھوڑ دیا ورنہ شہر میں ایسا کون نازنین ہے جو مجھ کو پیار نہیں کرتا
ذرا میرا رُخ دیکھیں تو گلے کی ہار ہو جائیں مجھ کو حسن کی کیا کمی آج چاہوں تو ایک
ریوڑ پال لوں۔ عارف۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ[1]
میں تو سمجھا تھا تم کچھ عقل رکھتے ہو اب معلوم ہوا کہ عقل اور حیا اور غیرۃ اور عزۃ
اور آبرو اور مذہب کسی چیز سے تم کو بہرہ نہیں اور تمھاری حالۃ بڑی خطرناک
حالۃ ہے تم تو جناب میر متقی صاحب کے پاس برسوں رہو تب کہیں جا کر آدمی بنو
تو بنو تمھاری عقل کا تو یہ حال ہے کہ ابھی تک خوب صورتی کا خبط تمھارے سر سے
نہیں نکلا تم بات بات میں اس طرح مُونہہ بھر بھر کر اپنے تئیں حسین اور خوب صورۃ
کہتے ہو کہ گویا حُسن صورۃ بڑا جوہر ہے۔ مرد ہو کر تم کو عورتوں کے ہنر پہ ناز کرتے
ہوئے شرم نہیں آتی خوب صورتی کے خیال سے کچھ تم ہی اپنے دل میں خوش ہوتے
ہو گے۔ مگر غیرۃ مندوں کی نظر میں تو اس گورے چمڑے نے تمھارے سارے خاندان
کی عزۃ کو ڈبو دیا اور تم کو دنیا اور دین دونوں کے کام سے کھو دیا آور خیر جوان ہوئے
پیچھے وہ کم بخت خوب صورتی گئی گزری ہوئی تھی تو بچپن کے اس خیال کو جانے دیا
ہوتا۔ نہیں۔ وہ خبط ہے کہ بدستور تازہ ہے مُونہہ پر ڈاڑھی نکل آئی چہرہ پکا یکبخت ہو گیا
وہ رنگ و روغن وہ نرمی و نزاکت کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر خدا جانے وہ تمھاری
خوب صورتی کس چیز سے عبارۃ ہے کہ اُسی میں فرق نہ آیا۔ شہر کے نازنینوں کا حال تو
معلوم نہیں مگر مدرسے میں جو تمھارے چاہنے والے تھے وہ تو تمھارے رہتی ہی

[1] گناہ سے پھرنا اور نیکی پر قادر ہونا صرف خدا ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے۔

ایک ایک کرکے تم سے بے رخی کرنے لگے تھے اور کیا تم کو اس کا امتیاز نہ ہوا ہوگا۔ اور جب تمھاری وہ لڑکپن کی کیفیت بدل گئی کہ خیر وہ ایک طرح کی خوب صورتی تھی بھی تب بھی مردخدا تم کو تنبّہ نہ ہوا کہ کیا ایسی بے ثبات اور ناپائے دار چیز کے درپے ہونا جو آج ہے اور کل نہیں۔ یہ کیفیت جو تم میں اب ہے اگرچہ اس کو خوب صورتی سمجھنا تمھارا ہی ادّعا ہے مگر بُری یا بھلی جیسی ہے اُئے کاش اس کو قیام ہو۔ جس نے تم کو بچپن میں دیکھا ہے اب سے چار برس بعد پہچاننے کا بھی تو نہیں کہ یہ وہی مبتلا ہے یا دوسرا شخص ہے۔ میرے نزدیک تو خوب صورتی کا دعوی اب بھی تم کو زیب نہیں دیتا۔ مگر ایک وقت آنے والا ہے اور آنے والا ہے تو اُس کو آیا ہوا سمجھو جب کہ تم خود پکار اُٹھو گے۔ دریغا کہ عہد جوانی برفت ؛ جوانی مگو زندگانی برفت ؛ ذرا خیالات کو اونچا کرو نظر کو تھوڑا آگے بڑھاؤ یہ خواہشیں جن کا تم اس قدر اہتمام کر رہے ہو خدا نے گدھے۔ کُتّے۔ بندر۔ سور۔ ذلیل سے ذلیل جانوروں کو بھی دی ہیں بلکہ جانوروں میں یہ قوتیں آدمی سے بہت زیادہ ہیں۔ کیا آدمی کے لیئے شرم کی بات نہیں کہ جانوروں کی ریس کرنے پر حریص ہو تم کو اس بات پر بڑا گھمنڈ ہے کہ نازنینانِ شہر یعنی بازاری عورتیں تم کو پیار کرتی ہیں یہ جھوٹی رکابیاں یہ چچوڑی ہوئی ہڈیاں یہ کھائی ہوئی قلفیاں کسی بھلے مانس کی غیرة تقاضا کرسکتی ہے کہ ان کو مُنہ لگائیے یا پاس بٹھائیے۔ نری خوب صورتی کو اگر ہو بھی لے کر کیا آگ لگانی ہے جب کہ اُن میں شرم وحیا نہیں مہر و وفا نہیں عفّة وعصمة نہیں غیرة وحمیة نہیں۔ مبتلا۔ میں نے تو ان لوگوں کا تذکرہ آپ سے صرف اِس غرض سے کیا تھا کہ میں حسن کی خواہش کروں تو غالباً میرے لیئے اس کا بہم پہنچنا کچھ دشوار نہ ہوگا کیوں کہ میں ان لوگوں کو اپنی طرف بھی مائل پاتا ہوں مجھے دوسرا

ذریعہ تقریب درکار نہیں جس دن چچا باوا تشریف لائے میں نے ان لوگوں سے ملنا جلنا قطعاً موقوف کر دیا اور آیندہ بھی میرا ارادہ اِن لوگوں سے ملنے کا ہرگز نہیں چچا باوا کے آنے کا تو مجھ کو ایک حیلہ ہاتھ لگ گیا ورنہ میں نے تھوڑے ہی دنوں کے اختلاط میں اِن لوگوں کو خوب آزما لیا یک گیا برباد ہو گیا چچا باوا نہ آئے ہوتے تو فاقوں پر نوبت پونہچ چکی تھی مگر حقیقت میں عجب بے مروۃ قوم ہی چندے کے بندے اور دام کے غلام اِس میں شک نہیں کہ مجھ کو پیار بھی کرتے ہیں مگر اُس کے ساتھ کچھ نہ کچھ لے بھی مرتے ہیں۔ عارف۔ الحمد للہ میرا جی یہ سُن کر بہت خوش ہوا کہ تم کو اس نالائق گروہ سے تو نفرۃ ہوئی اور میں تو بھائی اس کو جناب میر صاحب کا تصرف سمجھتا ہوں ۔ مبتلا۔ خیر جو کچھ ہو مگر حسن پرستی کی کسک میرے دل میں باقی ہے وہ نہیں نکلتی۔ عارف۔ اب بہت دیر باتیں ہوئیں آدمی کے دل کا حال ہر وقت یکساں نہیں رہتا ان شاء اللہ پھر کسی دن موقع دیکھ کر گفتگو کریں گے اس اثنا میں تم بھی وقتاً فوقتاً سوچنا اور غور کرنا اگر خدا کو منظور ہے تو خود تمھارے ہی دل سے کوئی نہ کوئی بات ایسی پیدا ہو گی کہ اُس سے تمھاری تسکین ہو جائے گی اتنی بات تمھارے کان میں اور ڈالے دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام معاملات کا مدار خیالات پر ہے **شعر** برخیالے صلح شان و جنگ شان ؛ برخیالے نام شان و ننگِ شان ؛ ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ ایک غرض کے پیچھے دیوانہ بن رہا ہے اور اُسی جیسے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں کہ اُس غرض سے مطلق سروکار نہیں رکھتے۔ زندگی کے دن پورے کرنے کو گنتی کی چند چیزیں درکار ہیں اور اُن کے بہم پونہچانے کے لیئے کچھ زیادہ زحمۃ اُٹھانے کی ضرورۃ نہیں صائب نے کیا خوب کہا ہے **شعر**

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب جہاں ؛ آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست۔

اور جب دوسرے لوگ ہمارے ہی ابنائے جنس ایک چیز کے بدون خوش وخرم رہ سکتے
ہیں تو اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حقیقت میں وہ چیز داخل ضروریات زندگی بلکہ داخل
تفریحات بھی نہیں ہے اُن لوگوں نے ایک طرح پر خیال کیا اور اُس چیز پر غالب آئے
اور ہم نے دوسری طرح پر سوچا اور مغلوب ہو گئے یوں تو سوچنے اور غور کرنے کو
ہزاروں باتیں ہیں مگر تمہاری حالت کے واسطے موت کا تصور کرنا بالخاصہ مفید ہے۔
اگر دن رات میں تھوڑی دیر کے لیے بھی آدمی اپنے تئیں مرتا ہوا فرض کر لیا کرے
اور یہ تو یقینی ہے کہ ایک نہ ایک دن سچ مچ اُس کو مرنا ہوگا تو دنیا کی بہت سی تعنیات
سے محفوظ رہ سکتا ہے اور چوں کہ دین داری کے خیالات ابھی تمہاری طبیعت میں راسخ
نہیں ہوئے موجبات ترغیب کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ سارا کیا کرایا دم کے دم میں
اکارت ہو جائے گا۔

اٹھارھویں فصل مبتلا کا ایک عورت کے دام محبت میں مبتلا ہونا

عارف تو یہ کہہ کر اُس وقت رخصت ہو گیا۔ مبتلا کے شیاطین برابر اُس کی گھات میں
لگے ہوئے تھے میر متقی کا جانا سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے یورش شروع کی
مبتلا تو ایک مدت سے اُدھار پر عیاشی کر ہی رہا تھا سیکڑوں روپے اُن لوگوں کے
اُس پر چڑھے ہوئے تھے پہلے کے ملے ہوئے خدا جانے میر متقی کے رہتے بھی انھوں نے
کیوں کر صبر کیا ہوگا۔ میر متقی کا اگر جانا نہ ہوتا تو آخر ایک نہ ایک دن اس قرض کا
جھگڑا اُن کے روبرو پیش ہوتا پر ہوتا اور اُن کے روبرو پیش ہوتا تو وہ عمدہ طور پر
فیصلہ بھی کر دیتے اب والے پونے کیسے سوائے ڈیوڑھے کی قسط بندی پر تو قرضے کا چکوتا ہوا

اور اُن لوگوں کے پاس آکر بیٹھنے بات کرنے سے مبتلا کی طبیعت جو میر متقی اور عارف کے
سمجھانے سے کسی قدر سنبھل چلی تھی پھر بگڑی۔ سامان تو ایسا بندھا تھا کہ مبتلا پھر بدستور
سابق آوارہ مزاج ہو جائے مگر اُدھر تو نصیحت کے خیالات تھے تازہ اور ادھر ادلے
قرض کی وجہ سے مبتلا کو اُن لوگوں سے ہوئی ایک طرح کی ناخوشی اور تو کسی کے پاؤں
نہ جمے مگر اب سے کوئی تین چار برس پہلے کا مذکور ہے مبتلا کے والد اُن دنوں زندہ تھے
اُسی محلے میں مبتلا کے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک عورت کرایہ کے مکان میں آکر رہی وہ
تھی تو لکھنؤ کی کوئی خانگی پر اُس نے اپنے تئیں بیگم مشہور کیا باوجودے کہ تھوڑے ہی
دنوں کی آئی ہوئی تھی مگر سارے محلے میں اُس کی خوب صورتی اور لیاقت کا غل مچ گیا
عیاش مزاجوں میں جو جس ڈھب کا تھا اپنے شوق کی چیز میں بیگم کا مداح تھا۔ شاعر
کہتے تھے فی البدیہہ شعر کہتی ہے۔ ستار بجانے والوں میں چرچا تھا کہ بول خوب بجاتی
ہے۔ تاش گنجفہ چوسر شطرنج کھیلنے والے ان تمام کھیلوں میں اُس کے کمال کے
قائل تھے۔ ضلع جگت پھبتی حاضر جوابی پہیلی مکرنی نسبت میں سب مانتے تھے کہ اپنا جواب
نہیں رکھتی۔ اُس کی خوب صورتی میں لوگ کچھ کلام کرتے تھے مگر اُس کے جامہ زیب
ہونے پر سب کو اتفاق تھا۔ مبتلا تو خود ایسی خبروں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اُس کو بیگم
کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا ہوگا۔ لیکن باپ کے رہتے محلے کے محلے میں بد لحاظی
نہیں کر سکتا تھا نہ جا سکا۔ باپ کے مرے پیچھے جب مبتلا کھل کھیلا تو جہاں اُس نے
اَور نالائقیاں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیگم سے ملا شاعری اور ستار اور شطرنج
اور کیا اور کیا یہ تو سب مبالغے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا اُس کی
زبان کہے دیتی تھی کہ خواصی یا مصاحبت یا کسی دوسرے طور پر اُس نے بادشاہی محلات

میں ضرور تربیت پائی ہو یا کیا عجب ہے کہ جیسا وہ کہتی تھی خود بیگم ہی ہو۔ لسانی کے علاوہ اُس کا سلیقۂ مجلس بھی بہت ہی دل کش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو ٹٹول لیتی اور ہر ایک کے ساتھ اُس ہی کے مذاق کی باتیں کرتی یہ عمل تھا جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی تھی ورنہ صورۃ شکل کے اعتبار سے وہ کچھ چنداں قدر کی چیز نہ تھی۔ مبتلا کے ساتھ آنکھیں دوچار ہوتے ہی وہ پہچان گئی کہ یہ کوئی نیا مرد وا بنا ہی اُس نے مبتلا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز کے ساتھ سلام کیا جیسے کوئی ہندو آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے۔ اور گاؤ تکیہ جس سے لگی ہوئی بیٹھی تھی چھوڑ اپنی جگہ مبتلا کو بٹھایا اور آپ مؤدب سامنے ہو بیٹھی۔ مبتلا نے چاہا کہ اُس کو اپنی برابر بٹھائے مگر وہ ایاز قدر خود بشناس کہہ کر پہلو پر نہ آئی۔ مبتلا تو تمہید کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے میں وہ آپ ہی بولی ایک مدۃ سے دلّی کی تعریفیں سُن سُن کر جی پھڑکتا تھا اور دل میں ارمان تھا کہ اگر پر ہوتے تو اُڑ کر جاتی اور ایک نظر دلی کو دیکھ آتی بارے نشان نہ گمان خود بخود ایسا اتفاق پیش آیا کہ خدا نے دِلّی میں لا بٹھایا اور جیسا سُنا تھا اُس سے ہزار حصے بڑھ کر پایا چشم بددور لکھنؤ میں دولۃ کی افراط ہے اور لوگ بھی وہاں کے بڑے زندہ دل ہیں حسن کی جو قدر و منزلۃ آج ہمارے لکھنؤ میں ہے کسی دوسرے شہر میں کم ہوگی اور یہی سبب ہے کہ ملکوں ملکوں سے حسن کھنچ کر سب لکھنؤ میں سمٹ آیا ہے اور میرا رہنا بھی ایسی ہی جگہ ہوا ہے کہ اُس کو حُسن کا اکھاڑا کہنا چاہیئے مگر اپنا شہر ہے تو ہونے دو بات تو سچی ہی کہی جائے گی ماشاء اللہ آپ کی صورۃ کا آدمی بھی میرے نظر سے تو نہیں گزرا۔ مبتلا یہ تو سب تمھاری مہربانی ہے چوں کہ تم نظر محبۃ سے دیکھتی ہو تم کو میری صورۃ بھی بھلی معلوم ہوتی ہے ہم مردوں کی صورۃ اگر اچھی ہوئی بھی تو کیا بے مصرف صورتیں

تو تم لوگوں کی ہیں کہ ایک عالم تمھاری ان صورتوں ہی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے میں نے بھی تمھاری صفت و ثنا بہت کچھ سُنی تھی اور تمھارے دیکھنے کے لیئے دل بے قرار تھا مگر موقع نہیں بن پڑتا تھا۔ اب جو تم کو دیکھا تو معلوم ہوا حقیقۃ میں لکھنؤ کی تراش خراش اور وضع داری کو دلّی والے نہیں پا سکتے مگر یہ تو کہو کہ گھر تمھارا ٹھیرا لکھنؤ یہاں دلّی میں تمھارے قیام کا کیا بھروسا۔ بیگم۔ ہم لوگوں کا کم بخت اس طرح کا بُرا پیشہ ہے کہ قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا آپ کو یقین آئے یا نہ آئے میں ایک عزۃ دار خاندان کی بیٹی ہوں خدا جانے یہ بھی کرم میں کیا لکھا تھا کہ ایسے بُرے احوال سے پردیس میں پڑی ہوں میرا حال اس قطعے کا مصداق ہے **قطعہ**

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو	ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار	اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میں جس وقت لکھنؤ سے نکلی دل میں یہ ٹھان کر نکلی کہ اب اس شہر کو پیٹھ دکھائی ہے جیتے جی مُونہ نہیں دکھاؤں گی۔ جس حالۃ میں آپ مجھ کو دیکھتے ہیں جس قدر مجھے اس سے نفرۃ ہے بس خدا ہی کو خوب معلوم ہے۔ مگر موت اپنے بس کی نہیں۔ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن آج اگر کوئی بھلا آدمی خدا اُس کے دل میں رحم ڈالے اور میری دست گیری کرے تو مجھ کو چرخہ کاتنا منظور چکّی پیسنی قبول میں اُس کی کفش برداری کو حاضر ہوں مگر مان نہ مان میں تیرا مہمان زبردستی کس کے سر ہو جاوں آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ لوں۔ ہر چند مبتلا کی آوارگی اُن دنوں بڑے زوروں پر تھی مگر اُس کے دل میں کسی عورۃ کے ساتھ تعلق لازمی پیدا کرنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ بیگم کی سحر بیانی تھی کہ ابھی اُس کی تقریر پوری نہیں ہونے پائی کہ مبتلا نے

اُس کو گھر میں ڈال لینے کا پہلے پہل کچھ یوں ہی سا ارادہ کیا۔ بیگم میں دو باتوں کی کمی تھی ایک تو اُس کی صورت کچھ بہت عمدہ نہ تھی بنانے سنوارنے سے وہ اتنی بھی نظروں میں جنچتی تھی دوسرے گانا ناچنا جس کی ان دنوں مبتلا کو چاٹ لگی ہوئی تھی اُس کو مطلق نہیں آتا تھا تاہم اُس نے اپنی لسّانی سے مبتلا کو پہلی ہی ملاقات میں اتنا تو گرویدہ کر لیا کہ شام کا گیا گیا ڈیڑھ پہر رات کی توپ اُس کو وہیں بیٹھے بیٹھے چل گئی۔ اس اثنا میں بیگم نے خوب مزے مزے کی گلوریاں اپنے ہاتھ سے بنا بنا کر مبتلا کو کھلائیں دَو دَور چاے اور کافی کے چلے۔ مبتلا اگر ایک جلسے میں مدعو نہ ہوتا تو اُس سے رات کا رہ پڑنا بھی کچھ تعجب نہ تھا بارے مکان پر سے آدمی آیا کہ صاحب جلسہ خود آپ کو لینے آتے ہیں ناچار اُٹھنا پڑا اور جلسے کی سُن کر بیگم کو بھی اصرار کرنے کا کوئی موقع نہ تھا مگر چلتے چلتے بیگم نے اتنا عہد تو لے ہی لیا کہ جلسے کے سوائے اپنے یہاں ہو یا کسی دوست کے یہاں بلا ناغہ ہر روز ملاقات ہوا کرے گی اور میر متقی کے آنے تک ایسا ہی ہوتا رہا اور اتنے دن میں بیگم نے مبتلا کے دل میں بخوبی اپنی جگہ کر لی۔ میر متقی کی لاحول سے جہاں اَور شیطان بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُن میں ایک بیگم صاحب بھی تھیں۔ میر متقی کے رہتے بھی بیگم نے بہتیرے ڈھب لگائے کہ مبتلا زیادہ نہیں تو کبھی کبھار کھڑے کھڑے صورت دکھا جایا کرے مگر مبتلا خود ان دنوں ہتّے سے اُکھڑا ہوا تھا آنا جانا تو درکنار زبانی سلام و پیام تک کا بھی تو وہ روادار نہ ہوا۔ مبتلا بے چارے کے حال پر خیال کر کے کس قدر افسوس آتا ہے شعر قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند ٭ دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا۔ قریب تھا کہ بیگم اس کو صبر کر کے بیٹھ رہے اتنے میں تو میر متقی کو سُنا کہ تشریف لے گئے بیگم تو اس خبر کو سنتے ہی مارے خوشی کے اُچھل پڑی اور اُسی وقت سے لگی مبتلا کے

انتظار میں بار بار مڑ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے ایک دن گزرا دو دن گزرے تین دن
گزرے مبتلا کا پتہ نہیں سمجھی کہ چچا نے ضرور بھتیجے کو کچھ پٹی پڑھائی آخر جب اپنے اہل برادری
کو سنا کہ حساب کتاب کے لیے آنے لگے تو اس نے بھی کسی کے ہاتھ ایک رقعہ بھیجا (رقعہ)
جان من آیا باں شوراشوری و یا باین بے نمکی۔ اس قدر بے مروتی ایسی بے وفائی۔ کچھ
قصور کوئی خطا۔ دل کے ایسے بودے اور ارادے کے اتنے کچے تھے تو اتنا ربط بڑھانا
ایسا گہرا اختلاط کرنا کیا ضرور تھا۔ از برائے خدا چند لمحے کے لیے تشریف لاؤ اور اپنی
حقیقت مجھ کو سناؤ میں خدانخواستہ کوئی بلا نہیں کہ چمٹ جاؤں گی آپ کوئی بچے نہیں
کہ پھسلا لوں گی اور اگر آپ کو آنا منظور نہیں تو مجھ سے وہاں پہنچنا کچھ دور نہیں شعر

تم جاؤ غیر سے جو تمھیں راہ و رسم ہو		ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

مبتلا یہ رقعہ پڑھ کر غوطہ میں تھا کہ عارف اُس کے سر پر آ کھڑے ہوئے تھے عارف کے
چلے جانے کے بعد مبتلا نے رقعے کو پھر کئی بار پڑھا وہ اُس وقت جانے میں ہچکچاتا
تھا مگر پھر اُس نے سوچا کہ اگر میں نہ گیا تو بیگم خود چلی آئے گی اس سے تو میرا ہی جانا بہتر
ہے۔ غرض دل کو خوب مضبوط کر کے بیگم کے گھر گیا مگر افسوس ہے کچھ ایسی گھڑی گیا
کہ بس اُسی کے گھر کا ہو رہا۔ بیگم نے جو کئی مہینے کے بعد مبتلا کو دیکھا تو نہایت تپاک سے
ملی بس اِس کا وہ تپاک ایک جادو تھا کہ مبتلا کی تو کیا حقیقت تھی اُس کے چچا یا وامیر متقی
صاحب بھی ہوتے تو پھسلتے نہیں تو لڑکھڑا ضرور جاتے دیر تک آپس میں گلے
ہوتے رہے آخر مبتلا نے شروع سے آخر تک میر متقی کا آنا اور امور خانہ داری
اصلاح اور اُن کی نصیحت اور ناظر کی فضیحت اور میر صاحب کا تشریف لے جانا او
سے معرفت کرانا اور عارف کا سمجھانا اور ارباب نشاط کا حساب کتاب ذرا ذرا

لہ مبتلا

بیگم نے بہت ہی توجہ سے مبتلا کے قصے کو سنا اور کہا کہ اتنے دن برابر جو آپ کا آنا نہ ہوا
اس سے مجھے بڑی آزردگی ہوئی تھی اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آپ سے اخیر
دو دو باتیں کر کے ضرور اس محلے سے اٹھ جاؤں گی مگر اب جو آپ سے ساری حقیقت
معلوم ہوئی میرا جی بہت خوش ہوا اور اگر میں جانتی ہوتی تو ضرور میر صاحب کے
ہاتھ پر بیعت کرتی سبحان اللہ اچھوں کی اچھی ہی باتیں ہوتی ہیں انھوں نے باپ سے
بڑھ کر آپ کے ساتھ سلوک کیا اُن کے فرمانے پر چلو تو دنیا اور دین دونوں میں سُرخ رو
میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ ان بیسواؤں سے ملنا اور یوں پیسے کو برباد کرنا
اور یہ ہرجائی پن اچھا نہیں۔ مبتلا۔ مشکل یہ آکر پڑی ہے کہ بی بی کی طرف تو مجھ کو رغبت
نہیں پھر اب کسی طرح زندگی بسر بھی کروں یا نہ کروں۔ بیگم۔ بیاہتا بی بی سے اگر
مرضی نہیں ملتی تو ایک اپنی مرضی کی بی بی کر لو خدا نخواستہ تم کچھ غریب نہیں ہو کہ دو
بیبیوں کا خرچ نہ چلا سکو گے مردوں پر تو خدا نے تنگی نہیں کی ایک ایک کو چار چار
نکاح کا حکم ہے۔ مبتلا۔ تم مجھ سے نکاح پڑھا لینے پر راضی ہو۔ بیگم۔ میں تو خود تم سے کہہ چکی
ہوں کہ میں اس حالت میں رہنا پسند نہیں کرتی میں تو کوئی دن جاتا ہے کہ کسی نہ کسی کا
دامن پکڑ کے بیٹھ رہوں گی اور اگر تم میری دست گیری کرو تو زہے قسمت مگر تم کو بہتیری
مجھ سے بہتر ملیں گی نکاح کرو تو ایسی کے ساتھ کرو کہ پھر بی بی کی تمنا باقی نہ رہے بلکہ
مناسب تو یہ ہے کہ نکاح مت پڑھاؤ چندے کسی کو آزماؤ۔ مبتلا۔ میں تو فکر کرتے کرتے
تھک گیا اور سوچتے سوچتے میرا سر دُکھنے لگا۔ چچا باوا اور میاں عارف کی تو مرضی
یہ ہے کہ میں ساری عمر رنج و غم میں گھل گھل کر مر جاؤں۔ بیگم۔ نوج دور پار نصیب دشمناں
رنج کرے تمھاری بلا اور غم اُٹھائے تمھاری پاپوش دنیا میں بار بار جنم لینا نہیں اور جوانی

کی عمر بھی چلتی چھاؤں ہے۔ جب اپنا ہی جی خوش نہ رہا تو دنیا کو لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے۔ مبتلا۔ دل پر تو قابو نہیں چلتا اس بی بی سے ممکن نہیں کہ مجھ کو اُنس ہو چار و ناچار دوسری بی بی تو کرنی پڑے ہی گی۔ اچھا تو آج کے آٹھویں دن۔ بیگم۔ بلکہ پندرھویں دن مگر ایک شرط سے کہ ہست و نیست جو کچھ کہنا ہو تم خود آکر مجھ سے کہنا ایسا نہ ہو کہ پہلے کی طرح بیٹھ رہو۔ مبتلا۔ نہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو میں ضرور خود آؤں گا بلکہ ہو سکا تو بیچ میں بھی ایک دو پھیرے کر دوں گا۔ بیگم۔ قسم کھاؤ۔ مبتلا۔ تمھاری جان کی قسم۔ بیگم۔ میری جان تو تم ہو۔ مبتلا۔ اپنے سر کی قسم۔ یہ عہد و پیمان ہو کر مبتلا بیگم سے رخصت ہوا اگر سچ پوچھو تو آج ہی کا جلسہ جلسۂ نکاح تھا۔ بیگم ایک بلا کی عورت تھی اور اُس کو بشرے سے دلی حالات کے معلوم کر لینے کا بڑا ملکہ تھا آج کی ملاقات میں اُس کو پورا الیقین ہو گیا کہ مبتلا پر اُس کا جادو چل چکا ہے اور اِسی بھروسے پر اُس نے آپ مہلت دی ورنہ وہ ایسا ڈھنگ ڈالتی کہ بے نکاح پڑھائے مبتلا جانے کا نام نہ لیتا۔ بیگم کے پاس یہ آج کا جانا مبتلا کے حق میں غضب ہو گیا اُس کو میر متقی نے ایک حالہ پر پایا اور اُنھوں نے اور عارف نے اِس کو ٹھیل ٹھیل کر کچھ دور سرکایا آج وہ پھر اپنی جگہ پر عود کر آیا۔

اُنیسویں فصل مبتلا اور عارف کا مباحثہ تعددِ نکاح کے بارے میں

عارف نے اس خیال سے کہ اُس کو اچھی طرح بطور خود غور کر لینے دو ایک ہفتے تک اُس کی خبر نہ لی پھر جو ملاقات ہوئی تو مبتلا کا تیور ہی بدلا ہوا تھا پوچھا کیوں حسبِ ضا تم نے کچھ سوچا غور کیا۔ مبتلا۔ جی ہاں دوسرے نکاح کی ٹھیرائی ہے۔ عارف۔ (چونک کر

ایں دوسرا نکاح۔ سچ کہو۔ مبتلا۔ کیا کروں میں بھی آدمی ہوں میرے سینے میں بھی دل اور دل
میں خواہش ہے مجھ کو بھی موافق سے راحت اور ناموافق سے ایذا پہنچتی ہے میری زندگانی
کا زمانہ بھی محدود ہے اور جوانی کا تو محدود نہیں بلکہ مختصر ہیں بھی اتنی بات سوچتا ہوں
کہ دنیا سے ایک بار جا کر پھر آنا نہیں ان تمام باتوں پر نظر کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ
آخر مجھ کو تو آسائش ملے۔ عارف۔ بے شک آسائش جائز کو کون منع کر سکتا ہے۔ اور تم
کیا موقوف ہے تمام آدمی کوشش کرتے ہیں اور سب کی کوششوں کا دینی ہو یا دنیاوی
ماحصل ہے آسائش مگر غور طلب یہ بات ہے کہ جس کو تم نے آسائش سمجھا ہے وہ حقیقت میں بھی
آسائش ہے یا نہیں۔ مبتلا۔ یہ تجویز کرنا میرا کام ہے۔ عارف۔ بس یہ غلط ہے۔ ہم سب ہیں
بیمار اور شارع ہے ہمارا طبیب اگر بیمار کو اختیار دیا جائے کہ اپنی آسائش کے لئے آپ
تجویز کرے تو بیمار یقیناً اپنے تئیں ہلاک کرے گا۔ مبتلا۔ آپ اطمینان رکھیے میں نے
شرع ہی کے مطابق اپنی آسائش کی تجویز کی ہے کیا میں نے نہیں کہا کہ دوسرے نکاح
کی ٹھیرائی ہے اگر بے نکاح کسی عورت کو گھر میں ڈال لینے یا پانچویں نکاح پڑھانے کا نام
لیتا تب ہی آپ نے کان کھڑے کیے ہوتے۔ عارف۔ جواز تعدد نکاح کی نسبت تم نے جس طرح
پر اپنا اطمینان کر لیا ہو ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ۔ مبتلا۔ میں تو آپ کے ادنیٰ شاگردوں
کی برابری بھی نہیں کر سکتا میرا کیا مقدور ہے کہ آپ کو سمجھاؤں مگر تعدد نکاح کی سند تو
قرآن کی وہی ایک مشہور آیہ ہے[1] وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ
لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ عارف۔ لیکن اسی کے آگے فرماتے ہیں۔
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً یعنی اگر تم کو یہ خوف ہو کہ متعدد بیبیوں میں برابری
نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی کرو اور اسی سورۃ اور اسی پارے میں اور آگے چل کر وَلَنْ

[1] اگر [illegible] کے حق میں انصاف نہ کر سکیں گے تو عورتوں میں سے دو دو اور تین تین اور چار چار جتنی تمھاری [illegible]

تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ
فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ یعنی تم بہتیرا چاہو مگر تم سے یہ ہو ہی نہ سکے گا کہ عورتوں میں برابری
کر سکو پس سارے کے سارے بھی ایک طرف کو مت جھک جاؤ کہ اُس بے چاری کو
اُدھر میں لٹکتا ہوا چھوڑ دو اب اِن دونوں باتوں کو ملاؤ کہ برابری نہ کر سکو تو ایک کرو
اور تمھارے کیے برابری ہو ہی نہ سکے گی۔ ایک شخص نے حال میں حرمتہ تعدد نکاح پر
ایک کتاب لکھی ہے اُس کے نزدیک اِن دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بس
ایک بی بی کرو۔ مبتلا ایسی ہی ایسی تفسیریں کر کے تو لوگوں نے دین میں رخنے ڈالے میں
پیغمبر صاحب اور اُن کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور تمام بزرگان دین سب
متعدد بیبیاں کرتے چلے آئے ہیں اُن کو بھی یہ دونوں آیتیں معلوم تھیں اور قرآن کو
بھی سب سے بہتر سمجھتے تھے اور اُن کا تدین بھی بہت زیادہ تھا مگر کسی نے تعدد نکاح
کی ممانعت کا نتیجہ نہیں نکالا اور وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ
حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ جس برابری کی نسبت ارشاد ہے کہ تم سے ہو ہی نہیں سکے گی وہ پوری پوری برابری
ہے یعنی عدل حقیقی کیوں کہ مطلق عدل سے قاعدے کے مطابق فرد کامل مراد لینی
ہو گی اور وہ نہیں ہے مگر عدل حقیقی اور اسی لیئے فرمایا ہے کہ تم سے عدل حقیقی تو ہو نہیں
سکے گا تو ایسا بھی تو غضب مت کرو کہ ایک ہی طرف کے ہو رہو اور دوسری کو لٹکا
رکھو کہ وہ بے چاری بیچ میں پڑی جھولا کرے اس سے معلوم ہوا کہ عدل حقیقی کے علاوہ
کہ وہ اعلیٰ درجے کا عدل ہے اور انسان سے اُس کا ہونا ممکن نہیں ایک ادنیٰ درجے
کا عدل مجازی بھی ہے کہ انسان صرف ایک ہی کا نہ ہو رہے بلکہ دوسری کی بھی خبر گیری

کرتا رہے ۔ چچا باوا کے رہتے میرے دل میں اس بات کا کھٹکا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مجھ کو ٹوکیں گے تو میں نے مولوی محمد فقیہ سے اس مسئلے کی خوب تحقیق کی تھی میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ پہلی آیۃ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً میں عدل سے عدل مجازی مراد ہے کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ تم ادنے درجے کا عدل بھی نہ کرسکو گے اور بالکل ایک ہی کے ہو رہو گے تو ایسی صورۃ میں تم کو ایک ہی بی بی کرنی چاہیئے اور اگر تعدد نکاح میں عدل حقیقی مشروط ہو تو فی الواقع جیسا آپ کہتے ہیں ممانعۃ ہوئی تعلیق بالمحال اور اگرچہ اس آیۃ میں بھی مطلق عدل ہے اور چاہیئے کہ یہاں بھی عدل حقیقی مراد ہو مگر دوسری آیۃ مابعد وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا الخ قرینۂ صارف موجود ہے اور اگر خدا کو تعدد نکاح کی ممانعۃ منظور ہوتی تو تعلیق بالمحال کا پیرایہ اختیار کرنا کیا ضرور تھا صاف صاف کہہ دینا تھا کہ بس ایک بی بی کرو نہ یہ کہ اگر عدل حقیقی نہ کرسکو تو ایک کرو کیوں کہ یہ تو معلوم ہی تھا کہ عدل حقیقی مقدور بشر نہیں ۔ اگر وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا سے ممانعۃ تعدد نکاح مراد ہو تو معاذ اللہ اس آیۃ کی ایسی مثال ہو گی کہ پوچھیں ناک کہاں ہے اور جواب میں بائیں کان سے شروع کر کے گدی کی طرف سے داہنی جانب ہاتھ لا کر بتایا جائے کہ یہ ہے ۔ عارف ۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی محمد فقیہ نے اس مسئلے کی اچھی تحقیقات کی اور تم نے جو کچھ سمجھا میرے نزدیک نہایۃ درست سمجھا مگر پیغمبر صاحب سے جو تم نے استشہاد کیا اس کو میں نہیں مانتا یہ دونوں آیتیں عام مسلمانوں کے واسطے ہیں پیغمبر صاحب کے نکاح ان میں داخل نہیں پیغمبر صاحب کے لیئے سورۂ احزاب میں ایک پورا رکوع موجود ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ الخ[1] پیغمبر صاحب کے لیئے چار بیبیوں کی قید نہ تھی اور اگرچہ آں حضرۃ

---

[1] اے پیغمبر ہم نے تجھ پر حلال کر دیں تیری وہ بیبیاں جن کے تو مہر دے چکا ہے ۔"

ازواج طاہرات میں اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے مگر خدا نے اُن پر اس کو بھی لازم نہیں کیا تھا چنانچہ اُسی رکوع میں یہ آیۃ ہے تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ یعنی اپنی بیبیوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے جُدا رکھو اور جس کو چاہو اپنے پاس جگہ دو اور جس کو چاہو ہٹا کر پھر بُلا لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اسی طرح پیغمبر صاحب کو بلا مہر بھی نکاح کر لینا جائز تھا اور یہ باتیں خصائصِ نبوی میں سے ہیں اور کیا مصلحتیں پیغمبر صاحب کے اِن ذاتی معاملات میں مضمر تھیں اس کی تفصیل ہے جس کے بیان کرنے کو بڑی فرصت چاہیئے اسی طرح صحابہ وغیرہ سے بھی استشہاد کرنے کو میں درست نہیں سمجھتا۔ مبتلا۔ از برائے خدا کہیں جلدی سے فرما بھی چلو کہ تعدد نکاح کے مؤید ہو یا مخالف۔ عارف۔ سخت مخالف۔ مبتلا۔ مذہباً یا عقلاً۔ عارف۔ یہ تو تم نے عجیب لغو بات پوچھی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اور عقل دو چیزیں ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں کی دو راہیں ہوں حالآں کہ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ مذہب مخالفِ عقل باطل۔ عقل مخالفِ مذہب گم راہ۔ مبتلا۔ جس چیز کے جواز کے لئے نص قرآنی موجود ہے اُس سے آپ کو مخالفۃ کرنے کا سبب۔ عارف۔ بات یہ ہے کہ شارع نے مردوں اور عورتوں کی معاشرۃ کے قاعدے ٹھیرا دیئے ہیں نکاح اور مہر اور نفقہ اور طلاق اور خلع اور لعان اور ظہار اور رجعۃ اور رضاع وغیرہ جتنے معاملات ہیں سب کے واسطے احکام ہیں۔ اگر اُن احکام کی پوری پوری تعمیل ہو تو کسی قوم اور کسی مذہب کے زن و شوہر میں اس سے بہتر معاشرۃ ہو نہیں سکتی مگر خرابی کیا آ کر پڑی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے رسم اور مذہب دو چیزوں کو ملا کر اپنے طرزِ معاشرۃ کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنا لیا ہے۔ مثلاً پردے سے چلو۔

بلاشبہ اسلام کا حکم ہی کہ بیبیاں پردہ کریں اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایک پردے سے
ہزارہا مفسدوں کا انسداد ہوتا ہی مگر جس سختی کے ساتھ ہم لوگوں نے پردے کو لازم کر لیا
ہی افراط ہی حد شرع سے متجاوز پردہ نہیں ہی مگر قید اور قید جس قدر سخت اُسی قدر
ایذادہ - نکاح ایک ایسا معاہدہ ہی کہ مرد اور عورۃ دونوں کی زندگانی کی کامیابی
اور ناکامیابی راحۃ اور تکلیف خوشی اور ناخوشی اُسی پر موقوف ہی معاہدہ تو ایسا
مہتم بالشان اور معاہدہ کرنے والے جن کو اُس کا نباہ کرنا ہی اور جن پر اُس معاہدے
کا اثر مترتب ہوگا اُس سے بے تعلق کیوں کہ اکثر تو معاہدۂ نکاح ایسی چھوٹی عمروں
میں ہو جاتا ہی کہ فریقین میں سے کسی کو بھی اُس کے نتائج کے سمجھنے کی اہلیۃ نہیں ہوتی
اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہی تو اظہار رائے کر کے بے شرم اور بے حیا اور بے غیرۃ
اور مُونہ بولا کون کہلائے بس معاہدۂ نکاح تو کرتے ہیں مثلاً زید اور ہندہ اور ایجاب
وقبول کرتے ہیں اُن کے ولی کُھلّم کھلا پوری آزادی تو نکاح کے معاملے میں مرد
عورۃ کسی کو بھی نہیں رہ گئے دبے دبائے اشارے کنائے وہ بھی مردوں کے لیئے
بدنمائی ہی اور عورتوں کے لیئے فضیحۃ اور رسوائی - سب سے بڑا ظلم جو ہم نے اپنی عورتوں
پر کر رکھا ہی یہ ہی کہ بیوہ کو دوسرا نکاح نہیں کرنے دیتے ہزارہا اللہ کی بندیاں ہیں کہ اُنھوں
نے شوہر کا مُونہ تک نہیں دیکھا اور نصیبوں پر ایسے پتھر پڑے کہ رانڈ ہو گئیں ہندوؤں
کی طرح ستی ہو کر ایک بار کا جل مرنا ساری عمر کے جلاپے سے ہزار درجے بہتر تھا مگر
حرام موت ستی کیوں کر ہوں - دنیا میں ناک کٹتی ہی دوسرا نکاح کس طرح کریں غرض
جیتی ہیں تو لطف حیاۃ نہیں اور مرتی ہیں تو اپنے اختیار کی بات نہیں - تو اس کا
مطلب کیا نکلا کہ شارع نے جو حقوق عورتوں کو دیئے تھے وہ تو پورے پورے ہم نے

اُن کو لینے نہ دیجیے اور اپنے حقوق میں سے رتی بھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو جو نسبتہ مرد
اور عورۃ میں شارع کو رکھنی منظور تھی کیوں کر باقی رہ سکتی ہو اور وہ نسبتہ کیا تھی اس کے
لیے میں تمھارے آگے قرآن کی دو آیتیں پڑھتا ہوں سورۂ بقر میں ہو۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ یعنی جیسے عورتوں کی ذمہ داریاں
ہیں ویسی ہی راست معاملگی کے ساتھ اُن کے حقوق بھی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر
برتری ہو۔ پھر سورۂ نسا میں ہو وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ
فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا عورتوں سے
راست معاملگی کے ساتھ برتاؤ کرو پس اگر وہ تم کو بھلی نہ لگیں تو عجب نہیں تم کو ایک چیز
بھلی نہ لگے اور خدا اُس میں بہت سی بہتری کر دے۔ اب فرمائیے کہ تعدد نکاح جائز ہو
یا ناجائز۔ مبتلا۔ میں تو مذہب کا کوئی بڑا محقق نہیں مگر اسی طرح جوروئیں اگر زبردستی
ہمارے گلے مڑھی جائیں گی تو جو حالت آپ نے بیوہ عورتوں کی بیان کی اُس سے بدتر
ہماری ہوگی۔ بیوہ عورۃ کو تو خیر صبر کرنے کے لیے ایک بات بھی ہو کہ شوہر نہیں ہو
نہ سہی یہ کیا مصیبتہ ہو کہ ایک عورۃ کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا بات کرنے کی طرف
طبیعتہ رغبتہ نہیں کرتی اور آپ کہتے ہیں کہ زبردستی اس کے ساتھ عاشقی کرو۔ اگر خدا
کے یہاں ایسی ہی ہیکڑی ہو تو اُس کو اختیار ہو دوزخ میں ڈالے جہنم میں جھونکے
بندگی و بے چارگی مگر میں تو آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ ایسی مجبورانہ عاشقی
مجھ سے ہوئی ہو نہ ہوگی۔ عارف۔ بلاشبہہ تم مغلوب طبیعتہ ہو رہے ہو اور جب تک
تمھاری یہ حالتہ رہے گی حقیقتہ میں تم سے خلاف طبیعتہ کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ مبتلا
اسی میں تو میں آپ سے مدد چاہتا تھا کہ طبیعتہ پر غالب آنے کی کوئی تدبیر بتلائیے۔ عارف

جو تدبیر مجھ کو معلوم تھی اور معلوم کیا تھی وہی ایک تدبیر ہے میں نے تو اُس کے بتانے
میں دریغ نہیں کیا۔ پہر بھر تک تمھارے ساتھ اپنا مغز خالی کیا تم لاجواب ہوئے
اور چلتے چلتے تم سے کہتا گیا کہ تم اِن تمام باتوں کو فرصت سے سوچنا اور موجبات ترغیب
کے پاس نہ جانا۔ تم یوں سمجھو کہ حسن پرستی مرض ہے سوچنا دوا اور موجبات ترغیب سے
دور رہنا پرہیز۔ بھائی مرض جسمانی بھی اگر مزمن ہوتا ہے تو اُس سے جلد صحت نہیں
ہوتی اور بعض صورتوں میں برسوں علاج اور ساری عمر کے لیئے پرہیز کرنا پڑتا ہے
یہی حال ہے امراض روحانی کا جن کا دوسرا نام ہے بُری لت۔ بدعادۃ۔ تمھارا علاج
تمھارے ہی ہاتھ میں ہے کرو تو تم اور نہ کرو تو تم۔ مبتلا۔ آپ تو تعدد نکاح میں چند در چند
طرح کے خدشات پیدا کرتے ہیں اور بزرگان دین میں کوئی بھی اس سے خالی نہ تھا
۔ عارف۔ جب ایک بات کی صراحۃ ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں تو ہم کو کسی بزرگ کے
قول و فعل پر نظر کرنے کی ضرورۃ نہیں۔ ایک۔ اور دوسرے یہ معاملات ہیں شخصی جب تک
کسی کی طبیعۃ کیفیۃ حالۃ ضرورۃ کا کچا حال معلوم نہ ہو ہم بھلی یا بُری کوئی رائے ظاہر ہی
نہیں کرسکتے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اپنے لیئے اِس آزادی کو عمل
میں لاتے تھے وہ عورتوں کی آزادی میں بھی مضایقہ نہیں کرتے تھے ہماری طرح
اُن کا معاہدۂ نکاح مرنے بھرنے کا معاہدہ نہ تھا ذراسی ناموافقۃ ہوئی مرد نے طلاق
دے دی یا عورۃ نے خلع کرلیا۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے تھے اُن کو معاہدۂ نکاح کا
فسخ کردینا ایک بات تھی نہ طلاق کا عیب نہ دوسرے نکاح کی عار تو اُن کی آزادی حق
بجانب ہم کیا اُن کی ریس کرسکتے ہیں کہ ہماری بیبیاں لونڈیوں سے بڑھ کر بے اختیار
دائم الحبس ناک چوٹی گرفتار اور پھر تعدد نکاح سے جو بے لطفیاں اور بدمزگیاں

خانہ داری میں پیدا ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں تو بزرگانِ دین کو بھی اُس سے نجاۃ نہ تھی۔
امہات المومنین یعنی پیغمبر صاحب کی ازواجِ طاہرات میں باوجودے کہ دنیا کے عیش
و آرام کسی کو میسر نہ تھے تاہم فقر و فاقے میں بھی باہم ویسے ہی محاسدات تھے جیسے
سوکنوں میں ہوتے ہیں اور ہونے چاہییں۔ سُنّی شیعہ کا تفرقہ جو تم دیکھتے ہو کہ دونوں
گروہوں کا خدا ایک رسول ایک قرآن ایک اور پھر آپس میں اس درجے کی عداوۃ
اگر سچ پوچھو تو متفرع ہے اُن ہی محاسدات پر۔ حضرۃ پیغمبر صاحب کی سب سے پہلی
بی بی حضرۃ خدیجۃ الکبریٰ جن کے بطن پاک سے حضرۃ فاطمۃ الزہرا پیدا ہوئیں۔ حضرۃ
خدیجۃ الکبریٰ کے پاس اُن کے پہلے شوہر کا بڑا سرمایہ تھا جس کو اُنھوں نے تجارۃ
میں لگا رکھا تھا اُن کو ضرورۃ تھی ایک دیانۃ دار اور ہوشیار کارندے کی اُنھوں نے
دبعثۃ سے بہت پہلے کا مذکور ہے حضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانۃ امانۃ راست بازی
کا حال سُن کر ان کو اپنی تجارۃ کے کام میں لگایا اللہ نے حضرۃ کی نیک نیتی سے
تجارۃ میں بڑی برکۃ دی۔ حضرۃ خدیجہؓ نے حُسن کارگزاری سے خوش ہو کر اُن کے
ساتھ نکاح پڑھا لیا اس نکاح کی وجہ سے جو لوگ نرے دنیا دار تھے البتہ حضرۃ کی
زیادہ وقعۃ کرنے لگے پھر جب حضرۃ کا زمانۂ بعثۃ نزدیک آیا تو خوارقِ عادات پیش
آنے لگے۔ کبھی آسمان پر فرشتوں کو دیکھتے۔ کبھی درخت ان کو سلام کرتے۔ کبھی غیب
سے آواز آتی۔ ان واقعات کو دیکھ کر ڈرے اور حضرۃ خدیجہؓ پر اس تمام حقیقۃ کو ظاہر
کیا۔ حضرۃ خدیجہؓ تھیں بڑی باخدا بی بی اور اُن کے گھر میں صُحفِ انبیاء اور توراۃ
کی تلاوۃ کا بڑا چرچا تھا اُنھوں نے سُن کر حضرۃ کی بڑی تسلی کی کہ تم خدا ترس آدمی
ہو بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر رحم اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو ایسا

تو نہیں ہوسکتا کہ خدا ئم جیسے آدمی کو ضائع کرے اور حضرۃ کو اپنے بھائی کے پاس
لے گئیں جو توراۃ کے بڑے عالم تھے پیغمبر آخرالزماں کی پیشی گوئیاں تو آسمانی
کتابوں میں موجود ہی تھیں اور لوگ دن گن رہے تھے اُنھوں نے جو حضرۃ کو
دیکھا اور اُن کی ساری حقیقۃ سُنی تو پہچان گئے اور صاف کہہ دیا کہ آپ پیغمبر ہونے
والے ہیں۔ جب تک حضرۃ خدیجہؓ زندہ رہیں پیغمبر صاحب نے دوسرے نکاح کا قصد
تک بھی تو نہیں کیا۔ حضرۃ خدیجہؓ کی وفاۃ کے بعد پیغمبر صاحب نے متعدد بیبیاں
کیں جن میں سب سے زیادہ عزیز اور سربر آوردہ حضرۃ ابوبکر کی بیٹی ام المومنین
حضرۃ عائشہ تھیں۔ رشتے میں ماں اور عمر میں حضرۃ فاطمہؓ سے بھی چھوٹی۔ اس سے
انکار کرنا بداہتہ سے انکار کرنا اور واقعات کا جھٹلانا ہی کہ حضرۃ عائشہ کا تعزز تمام
ازواج طاہرات پر شاق تھا اور اسی طرح حضرۃ فاطمہ پر بھی جو اپنے تئیں اپنی والدہ
حضرۃ خدیجہ کی جگہ سمجھتی تھیں اور جن کو پیغمبر صاحب کا معاملہ اپنی والدہ کے
ساتھ اپنے کانوں کا سُنا اور آنکھوں کا دیکھا سب یاد تھا۔ یہ ہی فی الاصل سُنی اور شیعہ
کی بنیاد جنھوں نے یہ سمجھا کہ پیغمبر صاحب کو دنیا میں حضرۃ فاطمہؓ کے سوائے کسی کے
ساتھ کچھ اُنس نہ تھا وہ شیعہ ہوگئے باقسامہم یعنی تفضیلی اور نُصیری اور کیا اور کیا۔
خوارج ٹوٹ کر بیبیوں کی طرف داری کرنے لگے۔ اہل سنۃ کہتے ہیں کہ بی بی بی بی
کی جگہ اور بیٹی بیٹی کی جگہ۔ یہاں تک درست ہی۔ مگر آگے چل کر انکار کرنے لگتے ہیں
کہ خاندان نبوۃ میں کسی کو کسی سے کسی طرح کا ملال نہ تھا بس سنیوں کی یہ بات
دل کو نہیں لگتی میں بھی سُنی ہوں مگر میرے نزدیک پھوٹ اور نا اتفاقی بے شک
تھی تاہم اس سے ان بزرگوں کی مذہبی شان میں کچھ بھی فرق نہیں آتا یہ تقاضائے

بشریت ہے اور کیوں کسی کی دین داری میں بشریت سے بٹا لگنے لگا جب کہ پیغمبر صاحب نے اپنی شان میں فرمایا ہو اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَیَّ میں بھی تو تم جیسا بشر ہوں فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ غرض اس طول مقال سے یہ ہے کہ جو بے لطفیاں تعدد نکاح کو لازم ہیں خاندان نبوۃ بھی اُن سے محفوظ نہیں رہا دوسرا کس گنتی میں ہے۔ مبتلا۔ اب بھی مجھ کو کون لطف حاصل ہے۔ عارف۔ تم آگ کے جلے ہوئے کو سینکتے ہو یعنی ایک بے لطفی کو دوسری بے لطفی سے دبانا چاہتے ہو مگر ممکن ہے کہ یہ دوسری بے لطفی آخر میں اس پہلی بے لطفی سے زیادہ شاق ہو۔ مبتلا۔ اُس وقت جیسا موقع ہوگا دیکھا جائے گا میں ابھی سے فکر مستقبل کر کے اپنی زندگی کو کیوں تلخ کروں۔ عارف۔ تو اب حقیقۃ میں میری تمھاری ملاقاۃ لاحاصل ہے مگر میں اتنا کہے دیتا ہوں کہ تم اپنے حق میں اچھا نہیں کرتے افسوس ہے کہ تم نے مجھ کو جناب میر متقی صاحب سے شرمندہ کیا یہ کہہ کر عارف بکمال نارضامندی اُٹھ کر چلا گیا۔

بیسویں فصل مبتلا کا دوسرا نکاح اور اُس کی دوسری بی بی ہریالی کا ماما بن کر گھر میں داخل ہونا اور نکالا جانا اور پھر داخل ہونا۔

مبتلا کے سر پر ان دنوں ایسا جن سوار تھا کہ اُس کی عقل ہی ٹھکانے نہ تھی۔ عارف سے پیچھا چھڑا وہ پھر بیگم کے کھٹنے سے جا لگا وہ تو پہلے ہی سے اس کے لیے جال پھیلائے بیٹھی تھی جانا تھا کہ اُس پر چھا گئی۔ بیگم بالطبع زیادہ تر اس بات کی طرف راغب تھی کہ مبتلا آشنائی کے طور پر اُس کو گھر میں ڈال لے مگر میر متقی اور عارف کی تعلیم کا مبتلا پر اتنا تو اثر ہوا کہ اُس نے بے نکاح بیگم کے ساتھ تعلق رکھنے کو پسند نہ کیا پاس تھی مسجد

دو طالب العلموں کو بلا بھیجا نکاح پڑھا جانے لگا مہر میں ہوا اختلاف مبتلا نے چاہا مہر شرع محمدی بیگم نے کہا جو غیرۃ بیگم کا مہر وہ میرا مہر جیسی نکاحی بی بی وہ ویسی نکاحی بی بی ہیں۔ دیر تک اس میں تکرار ہوتی رہی آخر مولوی صاحب جو نکاح پڑھاتے تھے بولے جانے دو مہر مثل رکھو۔ مبتلا تو نیم راضی ہو چلا تھا مگر بیگم مہر مثل کے نام سے جھبیتی تھی کیوں کہ سارے خاندان میں کبھی کسی کا نکاح ہوا ہو تو مہر مثل ہو دادی اور پھوپھیاں ساری عمر خرچیاں کماتی رہیں مہر مثل آئے تو کہاں سے آئے ناچار مہر شرع محمدی ماننا پڑا اور بات یہ بنائی کہ وہ بھی کیا بی بی ہے جو میاں پر مہر کا دباؤ ڈال کر گھر کرے ہم تو بڑا مہر مرد کے دل کو سمجھتے ہیں دل مٹھی میں آیا تو جانو سب کچھ بھر پایا۔ وہ کیا غضب کے دواچھرے تھے کہ ادھر پڑھے گئے اور ادھر فکروں نے آگھیرا۔ بیگم نے نکاح کے بعد پہلی بات جو کی وہ یہ تھی کہ یہ مکان جس میں میں رہتی ہوں تم کو معلوم ہے کہ کرائے کا ہے اور جتنا ساز و سامان تم یہاں دیکھتے ہو یہاں تک کہ میرے ہاتھ کان کا گہنا اور گلے کے کپڑے کوئی چیز میری نہیں۔ میری سگی خالہ میرے ساتھ ہیں یہ سب اُن کا مال ہے اُن کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ میں نکاح کروں اب جو میں نے اُن کو ناراض کر کے کیا ہے تو اِدھر کی دنیا اگر اُدھر ہو جائے خالہ بندی میرے پاس ٹھیرنے والی نہیں اور مجھ کو اس وقت کہیں لے چلتے ہو تو میں طیار ہوں اپنی آب رو کا پاس کر کے گہنا کپڑا تم بہتیرا پہناؤ گے اور میں پہنوں گی مگر لے چلنا ہے تو مجھ کو اپنے یہاں کے کپڑے پہنا کر لے چلو اور دو چار دن کے لئیے یہاں ٹھیرانے کی صلاح ہے تو جا کر خالہ سے اجازۃ لو میں اُن کے سامنے نہیں جا سکتی۔ مبتلا نکاح کے لئیے تو بڑا مستعجل تھا مگر احمق نے پہلے سے اتنا بھی تو نہ سوچا کہ کہاں دوسری بی بی کو لے جاکر

رکھوں گا اور کیوں کر اس نئے گھر کا انتظام ہوگا۔ اب جو دفعۃً اُس کو معلوم ہوا کہ بیگم بے سرو سامان محض بیک بینی و دوگوش اُس کے سر پڑی تو بہت سٹ پٹایا اور جتنا اختلاط وہ معمولی ملاقاتوں میں کر لیا کرتا تھا طبیعۃً کو اُس کے لئے بھی حاضر نہ پایا۔ یہ حقیقۃً تھی اُس خواہش کی جس کے پیچھے مبتلا اس قدر دیوانہ بن رہا تھا کہ دنیا اور دین کچھ اُس کو نہیں سوجھتا تھا اب ایک ذرا سا تردد پیش آگیا تو کہیں اُس خواہش کا پتا نہ تھا۔ میر متقی اور عارف اُس کو یہی تو سمجھاتے تھے کہ کس فکر خسیس میں پڑے ہو فکر کرنے کی باتیں دوسری ہیں عمدہ۔ اونچی اور ضروری اگر اُن میں دل لگاؤ تو اس فکر بیہودہ سے نجات پاؤ۔ بیگم پر اپنی درماندگی ظاہر کرتے ہوئے تو اُس کو شرم آئی آخر وہ یہ کہہ کر اُٹھ آیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بندوبست کر کے تم کو لے چلتا ہوں طیار رہو۔ ایک بات یہ بھی اکثر دیکھنے میں آئی کہ آوارہ اور عیاش مزاج لوگ دھوکا دینے میں بڑے چالاک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود ہمیشہ تختۂ مشق مغالطات رہتے ہیں مبتلا کو بھی عین وقت پر غضب کی سوجھتی تھی جس وقت تک وہ بیگم کے پاس بیٹھا رہا کوئی بات اُس کے ذہن میں نہ تھی اُٹھ کر باہر آتا تھا کہ اُس نے اپنے دل میں کہا بیگم کو اپنے ہی مکان میں بلکہ زنان خانے میں بلکہ غیرۃ بیگم کے ساتھ رکھنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات چھپنے والی تو ہے نہیں آخر کبھی نہ کبھی کھلے گی ضرور رہیں جو کچھ ہونا ہے وہ پرسوں کا ہوتا کل اور کل کا آج ہو چکے یہ دل میں ٹھان وہ گھر کی طرف چلا آرہا تھا کہ راہ میں اُس کو اپنے گھر کی دو عورتیں ملیں ماما۔ ماما کے ساتھ انا۔ انا کی گود میں مبتلا کی دودھ پیتی ہوئی دس گیارہ مہینے کی ننھی بچی۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا مبتلا نے سمجھا کہ غیرۃ بیگم کو نکاح کی خبر ہو گئی اور سننے کے

ساتھ ہی شاید ناظر کے گھر چلی گئیں اور یہ عورتیں پیچھے سے جا رہی ہیں گھبرا کر پوچھا۔ ماما بولی ننھی بچی کا جی دس بارہ دن سے ایسا ماندہ ہو رہا ہے کہ بُخار کسی وقت نہیں اُترتا کل شام سے مطلق آنکھ نہیں کھولی۔ اب کے ایسی بھاری نظر ہوئی ہے کہ دوپہر سے دودھ بھی مُونہ میں نہیں لیتیں۔ متوکل شاہ صاحب کے پاس دم کرانے لیئے جاتے ہیں۔ مبتلا سے اور ایک ڈاکٹر سے بہت ملاقاۃ تھی مبتلا لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اُس نے دیکھ کر کہا بخار بڑے زور کا ہے مگر کچھ گھبرانے کی جگہ نہیں کچلیاں پھول رہی ہیں میں مسوڑھا کھولے دیتا ہوں اور شیشی ایک بھیج دیتا عرق دوں گا گھنٹے گھنٹے بعد ایک ایک چمچہ پلانا پسینا آکر تپ اُتر جائے گی اور دودھ تو خدا نے چاہا لڑکی ابھی پینے لگے گی مسوڑھے کی تکلیف کے مارے مُونہ نہیں چلا سکتی یہ کہہ کر نشتر نکال مسوڑھا کھول دیا انّا نے پیٹھ موڑ کر دودھ لگایا تو غٹ غٹ پینے کی آواز آنے لگی سب لوگ خوشی خوشی گھر واپس آئے جب مردانے میں پوہنچے تو مبتلا نے لڑکی کو آپ لے لیا۔ یہ تو خیر لڑکی تھی اس سے بڑا لڑکا معصوم ساڑھے تین برس کا ہوا اس بلا کی باتیں جیسے بنگالے کی مینا اور ایسی پیاری صورۃ کہ کوئی راہ چلتا بھی دیکھتا تو گود میں اُٹھا لیتا مبتلا نے کبھی بھول کر بھی آنکھ اُٹھا کر اُس کی طرف کو نہ دیکھا بلکہ وہ بچہ جب اس کو دیکھتا ابّا ابّا کہہ کر دوڑتا اور یہ ظالم دور سے اُس کو جھڑک دیتا۔ خلاف عادۃ بیٹی گود میں لیئے ہوئے جو گھر میں گھُسا غیرۃ بیگم تو دیکھتے ہی ٹھٹھک گئی اور بیٹی کو لینے کے لیئے دوڑی اور لگی پوچھنے کہ میں نے تو اس کو دم کروانے کے لیئے بھیجا تھا کیا تم اس کو اُلٹا پھروا لائے۔ مبتلا۔ تم کو خبر بھی ہے اس کی کچلیاں نکل رہی ہیں اور کچلیوں کا تو معمول ہے کہ بچے کو کچلا کر کے بڑی مشکل سے نکلتی ہیں۔ میں اس کو

ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اُس نے نشتر سے اس کا مسوڑھا کھول دیا ہے اور بخار کے لئے
عرق دینے کو کہا ہے۔ شیشی بھیج دو ماما جا کر عرق لے آئے خدا نے چاہا آج ہی رات کو
بخار بھی اُتر جائے گا اور کچلی کو تو سمجھو نکل آئی۔ غیرۃ بیگم۔ اُئی ہے کیا مسوڑھے کو چیرا
لگایا ہے۔ مبتلا۔ کچھ خوف کی بات نہیں انّا سے پوچھو کہ لڑکی کو خبر تک بھی نہیں ہوئی
اُسی وقت تو اس نے خاصی طرح دودھ پیا۔ ڈاکٹر کہتا تھا کہ جب دانت نکلنے کو ہوتا ہے
تو مسوڑھا پہلے سے مردار پڑ جاتا ہے اس وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی کچھ خدا کو بہتری
کرنی تھی کہ عین وقت پر تدبیر ہوگئی ورنہ آج رات بھر میں معلوم نہیں کیا ہو جاتا۔
غیرۃ بیگم نے لڑکی کا مُونہ کھول کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں بخار بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا
تھا اور صورۃ بھی ہوشیار تھی پکارا۔ بتول۔ بتول۔ تو ماں کی آواز پہچان کر آنکھیں
کھول دیں اور دیکھ کر مسکرائی بھی ماں نے پیار کر کے انّا کی گود میں دیا تو پھر
دودھ پیا یہ دیکھ کر غیرۃ بیگم بولی کہ ننھے بچوں کی یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو مُونہ
سے کچھ کہہ نہیں سکتے اور پروالوں کو کیوں کر معلوم ہو کہ اِن کو کس بات کی ایذا ہے
آنکھوں کا نہ کھولنا اور ڈر ڈر کر اُچھل اُچھل پڑنا اور ہتھیلیوں میں بساندی لبساندی
بو کا آنا ان باتوں کو دیکھ کر یہاں تو سب لوگ یہی کہتے تھے کہ نظر ہو گئی ہے۔ مبتلا۔ ڈاکٹر
نے دیکھنے سے پہلے زبانی حال سُن کر کہہ دیا تھا کہ کوئی دانت نکل رہا ہو گا پھر جو مُونہ
کھول کر دیکھا تو حقیقۃ میں دور سے کچلی صاف جھلک رہی تھی۔ غیرۃ بیگم۔ گھر میں
کوئی بڑا بوڑھا ہو تو ان باتوں کا دھیان رکھے بچے ذرا ماندے پڑتے ہیں تو میرے
ہوش وحواس ٹھکانے نہیں رہتے لو اب مغرب کی اذان یا تو ہو چکی ہو گی یا ہو رہی
ہو گی لڑکی کے جھگڑے میں کھانے کا بھی تو کچھ بندوبست نہیں ہوا گوشت کا تو اب وقت

نہیں رہا کہو تو خا گینہ پکوا لوں ۔مبتلا۔ جو تمھارے جی میں آئے پکواؤ مگر خدا کے لیئے کوئی سلیقہ مند عورۃ ضرور رکھو۔ غیرۃ بیگم۔ ماماؤں کا تو ہمارے شہر میں ایسا توڑا ہے کہ دوا کے لیئے بھی میسر نہیں جو عورتیں اس کام کی ہیں مزے میں گھر بیٹھے گوٹے کناریاں بنتی یا سلائی کا سیتی ہیں نوکری پرائی تابع داری کرے اُن کی بلا اور جن سے یہ کام ہو نہیں سکتا اُنھوں نے سر پر ڈالا برقع اور جدھر کو مُونہ اُٹھا چل کھڑی ہوئیں۔ پہر چھ گھڑی بھیک مانگی لدی پھندی گھر لوٹ آئیں۔مبتلا۔ لیکن میرے نزدیک تم کو ماما کی نہیں بلکہ ایسی عورۃ کی ضرورۃ ہے جو بال بچوں کی خبر گیری کرے وقت پر اُن کا ہاتھ مُونہ دھلائے کھانا کھلائے کپڑے پہنائے گھر کی چیز بست دھرے اُٹھائے۔ غرض دارو غہ کی طرح گھر کے سارے انتظام کی نگرانی کر کے تم کو آسائش پہونچائے۔ غیرۃ بیگم۔ تم ہی کوئی اس طرح کی عورۃ ڈھونڈ کر نہیں لا دیتے۔ مبتلا۔ لا دوں تو رکھو گی اور کیا تنخواہ دو گی۔ غیرۃ بیگم۔ ضرور رکھوں گی اور تنخواہ پانچ روپیے اور کھانا کپڑا۔ مبتلا۔ خیر۔ اتنی ہی تنخواہ دینا مگر خاطر داری سے رکھنا۔ لکھنؤ کی ایک عورۃ ہے خدا جانے کس تباہی میں آ کر یہاں چلی آئی ہے اگر پھٹا پُرانا ایک جوڑا کپڑا دو تو میں پہنا کر ابھی اُس کو لے آؤں۔ غیرۃ بیگم نے جلدی سے گٹھڑی کھول ایک جوڑا کپڑا نکال میاں کے حوالے کیا۔ مبتلا کپڑے لے بیگم پاس پہونچا اور اُس کو سمجھا دیا کہ اس طور پر میں نے تمھارے گھر لے چلنے کی راہ نکالی ہے۔ مجھے اپنی بی بی کا حال معلوم ہے وہ یہی نہیں کہ صورۃ کی اچھی نہیں بلکہ اُس میں عقل کی بھی کوتاہی ہے۔ صورۃ تو خیر۔ تم خود چل کر دیکھ لو گی مگر عقل کی کوتاہی اسی سے ظاہر ہے کہ اُس نے عورۃ کے لانے کی فرمائش کی بھی تو مجھ سے پس تم کو چند روز البتہ بے عزتی کا تحمل کرنا پڑے گا۔

اُس کے بعد مجھے کامل یقین ہی کہ تم گھروالی ہوگی اور وہ رہے گی تو تمھاری خدمت کرے
گی یا اپنے میکے چلی جائے گی۔ غرض غیرۃ بیگم کا اُتارن پہن معزز ماما یا دار وغہ کا بھیس
بنا بیگم مبتلا کے گھر جا داخل ہوئی بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کی طرح دبی جھجکی سکڑی
سمٹی۔ مبتلا کو تو اتنی جراۃ نہ ہوسکی کہ خود لے جا کر غیرۃ بیگم سے ملا دیتا۔ دروازے
کے اندر کر اتنا پکار دیا لو صاحب یہ داروغہ جی آتی ہیں اور آپ مردانے میں جا بیٹھا
بیگم نے اپنے تئیں سنبھالا بہت مگر وہ جس قدر اپنے تئیں چھپاتی تھی اُسی قدر اُس کا
پردہ فاش ہوتا جاتا تھا۔ آئی تو نوکری کے نام سے اور عورتوں میں بیٹھی دلھنوں
کی طرح گھونگٹ نکال کر۔ رات کا تھا وقت غیرۃ بیگم نے کہا ذرا روشنی قریب لاؤ تو
ان کی صورۃ اچھی طرح نظر آئے جوں غیرۃ بیگم نے زبردستی اُس کا مُونہ کھولا دیکھتی
کیا ہی کہ ایک عورۃ ہی جوان ماتھے پر افشاں چنی ہوئی پٹیاں جمی ہوئی اُلٹے بل کی چوٹی
اور اُس میں چنپا کا موباف کانوں میں چنبیلی کی کلیاں آنکھوں میں دھواں دھار
سرمہ مسی کی دھڑی اور دھڑی پر لاکھا ہاتھ پاؤں میں منہدی دور سے خوشبو
بڑھی مہک رہی ہی۔ غیرۃ بیگم دیکھتے کے ساتھ اس طرح ڈر کر پیچھے کو ہٹی کہ جیسے کوئی بچہ
بیچا سے بھاگتا ہی اور لگی کہنے اوئی بیوی یہ ماما کس قسم کی یہ تو کوئی نامراد کنچنی ہی۔
پھر تو ہمسائے تک کی عورتیں گھر میں آ بھریں اور سب نے مل کر بیگم کا ایسا جھاڑا ہڑا
کیا کہ کوئی دوپٹا اُتارے لیئے جاتا ہی کوئی پیچھے سے چوٹی گھسیٹ رہا ہی۔ اگر ذرا بھی
بیگم وہاں اَور رہے تو لڑکیاں اُس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں مگر کسی رحم دل
بی بی نے اس کا ہاتھ پکڑ باہر ڈیوڑھی میں لے جا کر چھوڑ دیا اور کہا بیوی بنو جدھر سے
آئی ہو اُدھر ہی کو چلی جاوہ تو گھروالی دل کی بڑی نیک ہی کوئی اَور سر ہی کی ہوتی

بے ناک چوٹی کاٹے نہ رہتی۔ مبتلا ڈیوڑھی کے بازو سے لگا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہنسی کچھ غصہ بیگم کو دیکھتے ہی بولا واہ اچھی اپنی گت کرائی باوجودے کہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ میں تم کو نوکری کے حیلے سے لیئے چلتا ہوں پھر تم کو ایسا بن سنور کر آنا اور اتنا لمبا چوڑا پردہ لگانا کیا ضرور تھا سیدھے سبھاؤ چلی آئی ہوتیں نہ کسی کو شبہہ ہوتا اور نہ چراغ لے کر کوئی تمھارا مونہ دیکھتا خیر اب ذرا کی ذرا یہیں ٹھیرو پھر میں تمھاری ٹپس جماتا ہوں مگر دیکھو خبردار کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں کو میرے تمھارے لگاؤ کا شبہہ ہو۔ مبتلا نے گھر کے اندر پاؤں رکھتے ہی پوچھا لڑکی کا کیا حال ہے۔ انّا بولی اب تو اللہ کا فضل ہے دو بار عرق پلایا اس قدر پسینا آیا کہ شام سے تین کپڑے بدل چکی ہوں۔ مبتلا۔ بس ان شاء اللہ اب بخار گیا۔ بارے الحمد للہ بچ گئیں (بیوی کی طرف مخاطب ہو کر) لاؤ صاحب کھانا طیار ہو تو منگواؤ دسترخوان بچھا عادۃ کے مطابق میاں بی بی کھانا کھانے بیٹھے تو مبتلا نے پوچھا کیوں صاحب وہ عورۃ آئی تھی۔ غیرۃ بیگم۔ واہ چوری اور سرزوری آج کو بڑے ماموں جان[1] زندہ ہوتے تو اُلٹے استرے سے مردار کا سر منڈوا کر بھی بس نہ کرتے اور تم کو تو اپنی لاج کا لحاظ پاس آج کیا برسوں سے نہیں۔ بڑے ماموں جان کی زندگی تک چوری چھپے کرتے تھے وہ مرے تم کھُل کھیلے۔ مردانہ مکان تو مدتوں سے کنچنیوں کا چکلہ ہو رہا ہے ایک زنانہ مکان بچا تھا سو میں خوب جانتی ہوں کہ تم اُس کی تاک میں لگے ہو مگر جب تک میں جیتی بیٹھی ہوں دیکھوں تو کون رستم کی جنی میری ڈیوڑھی کے اندر پاؤں رکھتی ہے اپنا اُس کا خون ایک کر دوں تو سہی۔ مبتلا۔ بے وجہ بے سبب تم اس قدر کیوں گرم ہوتی ہو بھلا اتنا تو سمجھو اگر وہ کنچنی ہوتی اور فرض کرو کہ مجھے

[1] مبتلا کے والد میر مہذب ۱۲

اُس کو بُلانا منظور ہوتا تو مردانہ ہوتے ساتے مجھ کو اُس کے گھر میں لانے کی کیا ضرورۃ تھی۔ ایک۔ اور دوسرے خدا عقل دے تو سمجھنے کے لیئے ایک موٹی بات یہ ہے کہ تھا مانگے کے کپڑے پہن کر کیوں آتی۔ غیرۃ بیگم۔ کپڑا اور گہنا تو بے شک اُس کے پاس نہ تھا مگر سر سے پاؤں تک چوتھی کی دُلھن معلوم ہوتی تھی۔ مبتلا۔ تم کو چاہیئے تھا کہ مجھ کو بُلا کر پوچھتیں اگر میں تمھاری تشفی نہ کر سکتا تب بھی اُس بے چاری کا کیسا قصور تھا مجھ پر جتنا چاہتیں خفہ ہو لیتیں۔ بات یہ ہے کہ حقیقۃ میں وہ آج شاموں شام تک پہنچی تھی مگر میں اس کو ایک مدۃ سے جانتا ہوں ہمیشہ یہ مجھ سے کہا کرتی تھی کہ مجھ کو اس پیشے سے سخت نفرۃ ہے اگر کہیں میری روٹی کا ٹھکانا لگ جائے تو میں تائب ہو جاؤں۔ جب تم نے نوکر رکھنے کا وعدہ کیا تو میں نے اُس کو زبان دی اور وہ ارادے کی ایسی پکی اور سچی تھی کہ فوراً میرے ساتھ ہو لی اور پھر کس طرح کہ گہنا اور پاتا اور کپڑا اور لتا اور ساز و سامان یعنی بھرا بھرایا گھر سب کو لات مار کر جس طرح بیٹھی تھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے بے شک جھک مارا اور میرا بال بال خدا کا اور تمھارا گنہ گار ہے مگر جس دن سے چچا باوا تشریف لائے تم میری کوئی ایک بات بتاؤ اور یوں اگر تمھارے مذہب میں تو یہ کچھ چیز نہیں اور ناحق بدگمان رہو تو تمھاری خوشی بھلا تم نے چند روز تو اس بے چاری غریب کو رکھ کر دیکھا ہوتا جو شخص آٹھوں پہر آنکھوں کے سامنے رہے اُس کا حال آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور کھُلے گا پر کھُلے گا۔ نوکر سریش نہیں ہے کہ چمٹ جائے مرضی ہوئی رکھا مرضی نہ ہوئی نہ رکھا مگر چوں کہ میرا قدم درمیان میں ہے میں تم سے بات کہوں صاف یوں بے خطا بے قصور تو میں اُس کو اُدھر میں نہیں چھوڑ سکتا تم ہی بتاؤ کہ اب وہ جا

تو کہاں جائے۔ غیرۃ بیگم۔ ابھی کچھ ہاں نا کرنے نہیں پائی کہ مبتلا نے کہا جا ماما جا باہر ہریالی ایک عورۃ کھڑی ہے اُس کو بُلا لا اور کام کاج میں اُس سے مدد لیا کر۔ غرض ہریالی نکالی جا کر پھر آموجود ہوئی۔ رات گئی تھی زیادہ لوگ کھانا کھا پی کر اپنی اپنی جگہ سو سُلا رہے ہریالی بھی تخت پر بے تکیے بے بچھونے ماماؤں میں سوئی صبح کو جو اُٹھے تو پھر لوگوں نے ہریالی کو گھورنا شروع کیا مگر اب اُس کا سنگار ہو گیا تھا باسی اور تمام شب کی بدخوابی اور زحمۃ کی تکان سے اُس کا جوبن بھی نڈھال ہو رہا تھا لوگوں نے کچھ بہت اُس کا پیچھا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گھر میں ایک منتظم عورۃ کی سخت ضرورۃ تھی اور یہی ضرورۃ ہریالی کے پاؤں جم جانے کا سبب ہوئی۔ ہریالی نے جو صبح سویرے اُٹھ کر دیکھا تو تمام اسباب مولی گاجر کی طرح سارے گھر میں پھیلا پڑا ہے اس لئے خود کھڑے ہو کر جہاں جہاں فرش تھا اُٹھوا کر دالانوں میں کوٹھریوں میں صحنچیوں میں دروں میں باورچی خانے میں یہاں تک کہ ڈیوڑھی میں جھاڑو دلوائی ٹوکروں نہیں چھکڑوں کوڑا نکلا اور بہت سی گری پڑی چیزیں ملیں جن کو ڈھونڈ ڈھونڈ صبر کر کے بیٹھ رہے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کھوئی گئیں مٹی کی تہیں جمتے جمتے دریوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اصلی رنگت پہچان نہ پڑتی تھی جھڑوایا تو منوں گرد۔ دروازوں میں جو چلمنیں اور پردے بندھے تھے اُلٹے سیدھے کا تو کس کو امتیاز تھا کوئی دُھر تک بندھا ہے تو کوئی آدھے در میں پڑا لٹک رہا ہے اور کسی کا لپیٹ ایک طرف کو جھک کر نکل پڑا ہے تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اُس کو برابر کر دیں بلکہ کئی پردوں میں سے تو فاختاؤں اور جنگلی کبوتروں اور گلہریوں کے گھونسلے نکلے گھر میں تخت تو بہتیرے ہیں مگر بیٹھنے کے دالانوں میں زمین پر بوریئے بچھے ہیں بوریئے

پر دریاں دریوں پر چاندنیاں لونڈیاں اور مامائیں ہیں کہ بے تکلف مٹی اور کیچڑ کے ننگے
ننگے پاؤں چاندنیوں پر لیے پھرتی ہیں اور چاندنیوں کا مارے دھبوں اور چکتوں کے
یہ حال ہو رہا ہے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ صبح سے کھڑے کھڑے ہریالی
کو دوپہر ہو گئی تب کہیں جا کر اتنا کام ہوا کہ گھر میں جھاڑو دی گئی دالانوں میں اس
حساب سے تخت بچھوائے کہ بیچ میں فرش اور اِدھر اُدھر ماماؤں اور لونڈیوں کے
چلنے پھرنے کی جگہ اب چاندنیوں اور تکیوں کے غلاف اور پلنگوں کی چادروں کی
ڈھنڈیا پڑی۔ قاعدہ ہے کہ جب چیزوں کا انتظام نہیں ہوتا تو یہی شناخت ہے کہ چیزوں
کی حفاظت بھی نہیں۔ اتنا بڑا گھر اور اُس وقت دھوئی ہوئی تین چاندنیاں درکار
تھیں وہ بھی نہیں ملتی تھیں۔ غیرت بیگم نے بہتیرے پتے بتائے ارے کم بختو ابھی ہفتے
عشرے کا ذکر ہے دھوبن چاندنیوں کا گٹھڑ لائی وہ سب ڈھیر کا ڈھیر کیا ہو گیا
لٹھے کی وہ کوری چاندنی جو بیچ کے دالان میں بچھی تھی اور پرسوں اترسوں اُس پر
سالن کی دیگچی مبارک قدم کے ہاتھ سے الٹ پڑی تھی اور میں نے صاف کرنے کے
لیے اُٹھوا دی تھی کہاں ہے۔ جتنی کھڑی تھیں ایک ایک کا مُونہ دیکھتی تھی اور ایک ایک
پر ٹالتی تھی آخر بڑی مشکل سے دو چاندنیاں اناج کی کوٹھڑی میں مچان پر پڑی ملیں
جن میں چوہوں نے کاٹ کاٹ کر بغارے ڈال دیے تھے اور ایک میں کسی ماما نے سوکھے
ٹکڑے باندھ کر کھونٹی میں لٹکا رکھے تھے اسی جستجو میں معلوم ہوا کہ کئی چاندنیاں
باہر سائیس کے پاس ہیں وہ اوڑھ کر سوتا ہے۔ دو یا تین چاندنیاں کسی کو مانگی دی تھیں
وہ واپس نہیں آئیں۔ میلی چاندنیوں کا ایک ڈھیر غسل خانے میں پڑا ملا۔ غرض اُس وقت
تو ہریالی نے کسی طرح گونتھ گانٹھ کر فرش کو پورا کیا۔ پلنگ سب کے سب جھولا ہو رہے تھے

اُن کو کسوا کر اجلی چادریں بچھوا دیں تکیوں کے غلاف بدلے اجلا دسترخوان نکلوا دیا اتنے میں معلوم ہوا کہ میاں (مبتلا) کھانے کے لیئے آرہے ہیں ہریالی یہ سُن کر سامنے سے ٹل باورچی خانے کے آڑ میں ہو گئی۔ مبتلا نے آکر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں گھر کی صورت بدلی ہوئی تھی سمجھا کہ یہ سب ہریالی کے تصرفات ہیں۔ دالان میں بیٹھ کر کھانا مانگا تو باورچی خانے سے دو لونڈیاں سالن کی دو دو رکابیاں لے کر چلیں پیچھے سے ایک ماما ہاتھ میں روٹیوں کی تھئی اُٹھا کر دوڑی ہریالی سے نہ رہا گیا عین وقت پر ہو کیا سکتا تھا مگر خیر ان جانیوں کو روک کر جلدی جلدی تھالی جوڑ پانی پینے کی صراحی سینی سلفچی خاص دان اگالدان سب چیزیں منگوائیں سینی کے بیچ میں روٹی گرداگرد سالن کی رکابیاں جما اوپر سے خوان پوش ڈھک ایک لونڈی کے سر پر رکھوا سمجھا دیا کہ دیکھ خبردار آگے دیکھ کر آہستہ آہستہ چلیو کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ اور دوسری لونڈی کو سلفچی آفتابہ اُجلا دسترخوان دے کر اُس کے ساتھ کیا کہ پہلے تخت کے نیچے کھڑی رہ کر میاں بی بی دونوں کے ہاتھ دُھلائیو جب ہاتھ دھو چکیں سلفچی آفتابہ الگ رکھ کر دونوں کے بیچ میں اُجلا دسترخوان بچھائیو اور سینی احتیاط کے ساتھ اُتروا کر روٹیاں بیچ میں رکھیو۔ دو قسم کا سالن ہے دونوں کے سامنے دونوں قسم کا رکھ دیجیو۔ تھالی جوڑ اور پانی پینے کی صراحی پیچھے سے بھجواتی ہوں جب مانگیں تو خبردار آدھے کٹورے سے زیادہ بھر کر نہ دینا اور پانی جو پلانا تو جھک کر کٹورا آگے کر دینا کہ خود اپنے آنکھ سے دیکھ لیں اور تھالی مُونھ کے نیچے رکھنا کہ پانی کپڑوں پر گرنے نہ پائے۔ گھر میں چٹنی اچار مربّا سبھی کچھ تھا مگر دسترخوان پر رکھنے کا دستور نہ تھا جس کسی کو کبھی کسی چیز کا خیال آگیا اور مُونھ پھوڑ کر مانگی تو مرتبان یا اچاری اُس کے پاس لے جا کر

روٹی پر ایک پھانک رکھ دی۔ ہریالی نے چار قسم کی چار پیالیاں ایک کابی میں لگا
ابھی کھانا شروع نہیں کرنے پائے تھے کہ پونہچا دیں کھانے کے بعد ہاتھ دھونے
کو گرم پانی کا آفتابہ اور ایک طشتری میں بیسن کھانے کو خاص دان میں بھیگی ہوئی
صافی سے لپٹی ہوئی گلوریاں پہلے سے تخت پر رکھوا دیں۔ یہ تو ہریالی کے پہلے دن
کے بلکہ پورا دن بھی نہیں دوپہر کے اور جلدی کے کام تھے مہینے بھر کی محنت میں آن لنے
کپڑے کا کھانے کا سامان خانہ داری کا اندر باہر دونوں جگہ کے نوکروں کا بازار کے
سودے سلف کا سب انتظام کر دیا۔ سلیقہ بھی عجب چیز ہی اندر باہر عورۃ مرد جتنے نوکر
تھے آپ سے آپ سب ہریالی کا ادب کرنے لگے بعصوم ایسا ہلا کہ دن رات میں ایک
دم کے لیئے گود سے نہیں اُترتا تھا۔ بتول کی کیا بساط تھی کیسی ہی پھڑکتی ہوآواز سنی
اور چپکی ہوئی۔ غیرۃ بیگم کے دل میں اس کی طرف سے شک تو تھا مگر ہر چند ٹوہ لگائی
کوئی بات نہ پکڑ پائی۔ مبتلا کے گھر میں آنے کے وقت مقرر تھے ہریالی ان وقتوں میں
اُدہر اُدہر کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتی تھی اور اگر احیاناً بضرورۃ سامنے چلی پھری
بھی تو ایک دوسرے سے ایسے بے مرخ بن جاتے تھے کہ تعلق کیسا گویا جان پہچان
تک بھی نہیں مگر خدا جانے دونوں کو کیا ڈھب یاد تھا کہ اتفاقی اُچٹتی ہوئی ایک نگاہ اُن کے
حق میں خلوۃ کا حکم رکھتی تھی نہیں معلوم مبتلا آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا کہہ دیا کرتا تھا
کہ ہریالی برابر سرگرمی اور دل سوزی کے ساتھ گھر کے انتظام میں مصروف رہتی
تھی۔ سچ ہی غیرۃ بیگم کے ساتھ مبتلا کے دل کے نہ ملنے کا بڑا سبب تھا مبتلا کی حسن پرستی
اور آوارگی مگر اتنا قصور تو غیرۃ بیگم کا بھی ضرور تھا کہ اُس نے مبتلا کو اپنی طرف مائل
کرنے کے لیئے ذرا بھی کوشش نہیں کی وہ سمجھی جیسا کہ گھر کی بیبیاں اکثر سمجھا کرتی ہیں

کہ جب ماں باپ نے میاں کے ہاتھ میں [illegible] ہے کچھ کرنا نہیں اب
میاں کا کام ہی کہ کما کر لائے اور مجھے کھلائے پہنائے میری خاطر داری و مداراۃ کرے
لیکن اُس کو اتنی بات اُور سمجھنی چاہیئے تھی کہ کھلانا پہنانا خاطر داری و مداراۃ کرنا سب
چیزیں متفرع ہیں رغبۃ پر۔ رغبۃ کرنا میاں کا کام ہے اور دلانا بی بی کا رہی یہ بات کہ بی بی
کیوں کر میاں کو رغبۃ دلائے اس کے لیئے ایسا کوئی قاعدہ نہیں کہ ہر جگہ چل سکے
کیوں کہ ہر ایک کا مزاج مختلف اور ہر شخص کی رغبۃ جدا لیکن بی بی اگر چاہے تو اُس کو
اپنے میاں کی رغبۃ کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہے مثلاً غیرۃ بیگم اتنا تو دیکھتی تھی کہ مبتلا
کیسی صفائی اور کس شان کے ساتھ رہتا ہے وہ ہر چیز میں حسن چاہتا تھا خیر حسن صورۃ
مبتلا کی پسند کے لائق تو اختیاری بات نہ تھی مگر جس قدر اختیاری تھی غیرۃ بیگم نے
اُتنی ہی کر کے دکھائی ہوتی۔ گھر کی صفائی ستھرائی ساز و سامان کی درستی انتظام
کی خوبی یہ چیزیں بھی داخل حسن ہیں اور طبیعۃ میں سلیقہ ہو تو ہاتھ پاؤں کے اور غیرۃ بیگم
کی تو زبان کے ہلانے سے سب کچھ ہو سکتا تھا مگر اُس نے ان چیزوں کی طرف
کبھی بھول کر بھی توجہ نہ کی۔ مردانے مکان میں میاں کی بیٹھک تھی اُسی کو دیکھ کر
متنبہ ہوئی ہوتی اُس کا اپنا کیا حال تھا کہ میاں کو جو شروع شروع میں اپنی طرف سے
بے رُخ پایا تو تین تین چار چار دن سر میں کنگھی ندارد لونڈیوں کے تقاضے سے
دسویں پندرھویں سر دھویا ہو تو بالوں میں تیل کی خبر نہیں پھولے پھولے روکھے
بال دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کڑک نا تھ کڑک مرغی بیٹھی ہے آنکھوں میں سرمہ
نہیں ہاتھ پاؤں میں مہندی نہیں پھول نہیں عطر نہیں گوٹا نہیں کناری نہیں غرض
عورتوں کے سنگھار کی کوئی چیز نہیں۔ مبتلا کو پہلے استکراہ تھا غیرۃ بیگم کی بے تدبیریوں

نے استکراہ کو نفرت [illegible] آیا۔ صورۃ شکل میں ہریالی کچھ غیرۃ بیگم سے زیادہ اچھی نہ تھی مگر چھٹانک بھر حسن ہوتا ہے تو غور پرداخت سے دیکھنے والوں کی نظر میں سیر بھر جچنے لگتا ہے سو غور و پرداخت کے عوض غیرۃ بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ اُبٹنے کی جگہ تھوڑی سی کیچڑ ملے تو اُٹھا کر مُونہ کو مل لوں۔ میاں بی بی میں جب اختلاف مزاج اس درجے کا ہو تو اُن میں صحبۃ برآر ہونے کی کیا امید نتیجہ یہ ہوا کہ چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے آخر ایک سوکن تو آموجود ہوئی۔ ہریالی کا انتظام دیکھ دیکھ کر غیرۃ بیگم کا پھوہڑ پن مبتلا کے دل میں اَور بھی بیٹھتا چلا جاتا تھا۔

اکیسویں فصل غیرۃ بیگم پر اپنی سوکن ہریالی کے راز کا فاش ہونا اور اس کا سوکن کو مارنا اور آخر کار سید حاضر کا بیچ بچاؤ اور فیصلہ کرنا

معلوم نہیں مبتلا کو کب تک ہریالی کا اس نمط پر رکھنا منظور تھا کہ ایک دن گھر میں باہر سے یہ اطلاع پونہچی کہ ایک بوڑھی عورۃ نوکری کی جستجو میں آئی ہے اگر حکم ہو اندر بھیج دیں۔ انتظام خانہ داری تو سب ہریالی کے ہاتھ میں تھا غیرۃ بیگم نے ہریالی سے پچھوایا ہریالی کسی کوٹھڑی میں خدا جانے کس کام میں مصروف تھی اُس نے وہیں سے کہا کیا مضایقہ غرض وہ عورۃ اندر آکر سیدھی غیرۃ بیگم کے پاس جا بیٹھی اور لگی کہنے کہ میں تو ہریالی بیگم پاس آئی ہوں جن کو تمھارے میاں نکاح پڑھوا کر نکال لائے ہیں۔ مدۃ سے میں اُن کے یہاں اوپر کے کام پر نوکر تھی بیگم کو تو نکلے ہوئے تین مہینے ہونے آئے میں اُن کی خالہ کے پاس رہی آج آٹھواں دن ہے کہ وہ بھی لکھنؤ سدھاریں میں نے کہا چلوں اگر بیگم پھر رکھ لیں تو میں اُن کے مزاج سے واقف ہوں وہ مجھ کو جانتی

پہچانتی ہیں ان جان جگہ تابع داری کرنی کیا ضرور کیا وہ اس گھر میں نہیں رہتیں غیرۃ بیگم نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا کہ تم جن کے پاس آئی ہو وہ سامنے والی کوٹھڑی میں ہیں وہ عورۃ اٹھ کر کوٹھڑی کی طرف چلی دروازے تک پونہچی تھی کہ اتنے میں غیرۃ بیگم بے خود ہو کر بگولے کی طرح اٹھی اور وہ عورۃ ابھی ہریالی سے بات بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ اس نے پونہچ کر بےچاری بڑھیا کو اوندھے مونہ ہریالی پر دھکیل دیا اور کہا کہ تم نے دیکھا یہ ہریالی نہیں گھر والی ہے یہ بی بی ہے یہ میری سوکن ہے میں رانڈ ہوں یہ سہاگن ہے میں لونڈی ہوں یہ بیگم ہے میں چڑیل ہوں یہ حور ہے یہ میاں کی لاڈو ہے یہ میاں کی چہیتی ہے یہ میاں کے کلیجے کی ٹھنڈک ہے۔ یہ کہتی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ہزار ہا گالیاں اور سیکڑوں کوسنے اور دو ہتڑ تھا کہ باری باری سے اس شامت کی ماری بڑھیا اور ہریالی پر اور اپنے آپ پر بھی اس زور سے پڑ رہا تھا کہ گویا منڈوے سٹرک کوٹ رہے ہیں گھر میں بہتیری لونڈیاں اور ماما ئیں تھیں مگر سیدانی کا جلال دیکھ کر کسی کی ہمت نہ پڑ سکی کہ کوٹھڑی کی طرف رُخ کرے سب کی سب بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں ہمسائے کی عورتیں کوئی کھڑکیوں میں سے کوئی دیوار پر سے کھڑی جھانکتی تھیں پر کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ گھر کے اندر قدم رکھے مبتلا کو دکھلوایا تو وہ بھی اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے مردانے میں ٹٹروں لوٹوں اکیلا وفادار اس کو اور تو کچھ نہ سوجھی گھوڑا تو دروازے پر بندھا ہوا تھا ہی مونہ میں لگام دے ننگی پیٹھ سوار ہو باگ ٹٹ[1] سیدھا پونہچا کچہری میں سید ناظر کے پاس ناظر اسی گھوڑے پر چڑھ دھم سے آموجود ہوئے اور اتفاق سے سید حاضر بھی کسی ضرورۃ سے دو تین دن کے آئے ہوئے تھے کچہری سے اُن کے پاس بھی آدمی دوڑا دیا کہ آپ بھی جلد آئیے

[1] یعنی ایسے زور سے گھوڑے کو دوڑایا کہ باگ ٹوٹ جائے تو عجب نہیں ۱۲

غرض سید حاضر اور مبتلا بھی آگے پیچھے پہنچ گئے غیرۃ بیگم سید ناظر کے آنے سے پہلے کھڑی
اور پڑی اتنا پیٹی اتنا پیٹی کہ آخر اُس کو غش آگیا ناظر جس وقت پہنچا ہے تو وہ بالکل
بے ہوش پڑی تھی ناظر نے آتے کے ساتھ اُس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع
کیں۔ سید حاضر اور مبتلا دونوں آلیئے ہیں اُس کے بہت دیر بعد غیرۃ بیگم کو ہوش
آیا۔ سب سے زیادہ چوٹ غیرۃ بیگم ہی کو لگی تھی کہ اُس نے پیٹ پیٹ کر اپنا سارا بدن
چوڑی کی طرح نیلا کر لیا تھا۔ ہریالی کی بھی کُندی خوب ہوئی مگر اُس کو گجی[1] مار لگی تھی
بڑھیا ہریالی اور کوٹھری کی دیوار کے بیچ میں آکر بچ گئی مگر وہی مثل ہے کہ مرغی کو تکلے
ہی کا گھاؤ بہت ہوتا ہے دو تین دہتّڑ جو اُس پر جمتے ہوئے بیٹھ گئے وہ اتنے ہی میں
سسکیاں لینے لگی اگر ناظر نہ ہو تو کوتوالی والے کیا اس مقدمے کو بے چالان کیئے رہتے
توبہ۔ اور اگر حاضر نہ ہو تو ناظر اور مبتلا آپس میں کٹ مریں۔ پانچ چھ دن تو بیماروں
کی دوا دارو ہوتی رہی باندھنے کے موقع پر آنبا ہلدی کا حلوا پکا پکا کر باندھا سینکنے
کی جگہ پُرانے روڑ اور ریت سے سینکا۔ پھٹکری کو دودھ میں جوش کر کے پلایا۔ اب
کیا باقی رہ گیا تھا جس کے لیئے مبتلا کو ہریالی سے ملنے میں تامل ہوتا۔ حاضر ناظر بہن
کی خدمت گزاری میں لگے تھے اور مبتلا کھلّم کھلّا ہریالی اور اُس کی بڑھیا کی۔ بارے
جب سب کے ہوش و حواس درست ہوئے تو لگے اپنی اپنی جگہ صلاحیں کرنے۔
مبتلا اور ہریالی کی تو یہ مصلحت ٹھہری کہ اب اسی گھر میں برابر کے داعیے سے رہنا
اور جلتوں کو خوب جلانا۔ اُدھر حاضر ناظر غیرۃ بیگم کے آپس ہی میں پھوٹ تھی ناظر
کہتا تھا کہ ابھی لگتے ہاتھ پہلے تھانے میں اطلاع لکھوا کر ایک دم سے تین نالشیں تو
فوجداری میں داغو۔ ۱۔ مداخلتِ بیجا کی ہریالی پر اور ضرب رسانی اور اپنے اور دونوں بچوں

[1] اندرونی ۱۲

کے نفقے کی مبتلا پر اور ایک دعویٰ مہر کا کاغذ کامل القیمتہ پر دیوانی میں دائر کرو۔ غیرت بیگم
معاملے مقدمے کو تو کچھ سمجھتی بوجھتی نہ تھی وہ اپنی اسی ایک بات پر اڑی ہوئی تھی کہ مجھ کو
سید نگر پونہچاؤ نہیں تو افیون کھاتی ہوں۔ سید حاضر تھا میر متقی صاحب کے خوشہ چینوں
میں اور بات کے انجام کو سوچتا تھا اُس کی یہ راے تھی کہ نہ تھانے میں اطلاع
لکھواؤ نہ سرکار دربار میں کسی طرح کی نالش فریاد کرو نہ سید نگر جاؤ نہ افیون کھاؤ صبر
کر کے چپ چاپ گھر میں بیٹھی رہو سوکن کا آنا تمھاری تقدیر میں تھا سو ہوا اب تمھارے
شور و فساد سے بہت ہوگا تو شاید اس گھر سے نکل جائے مگر تم اپنے میاں کو اُس کے
چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتیں تم جو سید نگر جانے یا افیون کھانے کو کہتی ہو یہ تمھاری
نامراد سوکن کی عین مراد ہے ناظر بھائی نے جو تدبیر بتائی اُس کا خلاصہ ہے لڑائی اور لڑائی
کا ضروری نتیجہ ہے نقصان اور تردد اور فضیحتہ اور رسوائی۔ اب تو سوکن کے آنے
سے تم کو صرف ایک خیالی تکلیف پونہچی ہے اور تم افیون کھانے کو موجود ہو لڑائی کی
صورۃ میں بہت سی واقعی تکلیفیں ایسی پیش آئیں گی کہ شاید تمھارے ساتھ مجھ کو اور ناظر
بھائی کو بھی افیون کھانی پڑے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوکن کے آنے پر تم اس قدر
آپے سے باہر کیوں ہو کیا سوکن تم پر آج آئی ہے تمھارا تو بیاہ ہوا ہے پیچھے اور سوکنیں تمھارے
بیاہ سے بہت پہلے کی آئی ہوئی موجود تھیں کیا تم کو معلوم نہیں تم ہی بتاؤ کہ مبتلا بھائی
کس دن بے سوکن کے رہے۔ سارا سید نگر جانتا ہے کہ میں نے تمھاری منگنی کے وقت
بہتیرا غل مچایا مگر میری سنتا کون تھا میں تو تمھارے نصیبوں کو اُسی دن رو چکا جس
دن تمھاری بات ٹھیری۔ تمھاری سمجھ کا پھیر ہے ورنہ میں تو حقیقۃ میں اس بات کو سن کر
بہت خوش ہوا کہ مبتلا بھائی نے نکاح پڑھا لیا اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ اُنھوں نے آوارگی

سے توبہ کی وہ کوٹھوں کوٹھوں سر بازار خدائی خوار پڑا پھرنا بہتر یا ایک کا ہو رہنا اور اُس کو اپنا کر لینا بہتر تم کیسی مسلمان ہو کہ ایک شخص جب تک خلاف شرع چلتا رہا تم نے ہوں تک نہ کی۔ اُس کا طریقۂ شریعہ پر آنا تھا کہ تمھارے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی ہم تو بھائی ایسے دین ایمان کے قائل نہیں بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مبتلا بھائی نے تمھارا بڑا لحاظ کیا کہ نکاح کو تم سے چھپایا اور تمھاری خاطر سے بی بی کو ماما بنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم پردہ فاش نہ کرتیں تو مبتلا بھائی اس عورۃ کے ساتھ اپنے معاملے کو اسی طرح دبا دبایا رہنے دیتے مگر تم نے بیٹھے بٹھائے سوتی ہوئی بھڑوں کو جگایا اُن کو حیلہ ہاتھ آیا اب اگر وہ اس عورۃ کی اور بڑھیا کی دلجوئی اور خبر گیری نہ کرتے تو سارا گھر کھچا کھچا پھرتا میں نے تو جس وقت آکر بڑھیا کو دیکھا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرے تو ہوش اُڑ گئے تھے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف چہرے کی رنگت متغیر میں تو سمجھا خدا جانے کہاں بے موقع صدمہ پونہچا کہ اُس کا سانس پیٹ میں نہیں سماتا پوچھو میاں ناظر سے اخباروں میں کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی گورے نے ایک قلی کو تھپڑ کھینچ مارا یا ٹھکرا دیا اور قلی فوراً مر گیا۔ غیرۃ بیگم تم نے یہ بڑی سخت بے جا حرکت کی اور اگر تم اس طرح دست درازی کرو گی تو یقین جانو تم اپنی تو اپنی ایک نہ ایک دن سارے خاندان کی ناک کٹوا دو گی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے چند بدنصیب بندے یعنی لونڈیاں جو تمھارے اختیار میں ہیں تم حق ناحق اپنا غصہ اُن پر نکالتی رہتی ہو یہ بے چاریاں تمھارا کچھ کر نہیں سکتیں ہاتھ چھوٹا ہوا طبیعت بڑھی ہوئی تم سمجھیں کہ سب جانور ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جاتے ہیں سوکن اور بڑھیا دونوں کو اُٹھا کر پیٹ ڈالا گویا وہ تمھاری لونڈی ہے اور یہ تمھاری باندی۔ وہ تو خدا نے

اتنی خیر کی کہ بڑھیا مری نہیں اور ادھر عین وقت پر آپونہچے میاں ناظر کہ اُن کے ملاحظے سے
کوتوالی والوں نے تھوپ تھاپ کر دی ورنہ ساری شیخی کرکری ہو جاتی کہ سادات سید نگر
کی بیٹی میر مہذب کی بہو کی ڈولی کوتوالی چبوترے پر دھری ہوتی۔ صد آفریں ہے تمھاری
سوکن پر ہے تو ذات کی کنجنی مگر بڑی ضبط کی آدمی ہے کہ تم سے کہیں زبردست معلوم
ہوتی ہے مگر چپکی مار کھا یا کی اور اُلٹ کر اُف تک نہ کی کیوں غیرۃ بھلا جیسا تم نے اُس کو
مارا تھا اگر وہ بھی برابر سے مارتی تو تمھاری عزۃ تو دو کوڑی کی ہو جاتی مگر اتنا فائدہ
ضرور ہوتا کہ پھر تمھارا ہاتھ کسی پر نہ اُٹھتا۔ سید حاضر نے ناظر اور غیرۃ بیگم کو ایسا آڑے
ہاتھوں لیا کہ دونوں کو کچھ جواب نہ بن پڑا اور دونوں اپنا اپنا سا مُونہہ لے کر رہ گئے
آخر ناظر بولا کہ آپ ہم دونوں سے بڑے ہیں جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو اُس کی
تعمیل میں نہ مجھ کو عذر ہے اور نہ آپا کو یہ معاملہ ناموس کا ہے اور بھائی بہنوں کی
ناموس کچھ جُدا جُدا نہیں ہوتی اس میں رتی برابر فرق نہیں کہ آپ جو کچھ کریں گے
آپا کے حق میں بہتر ہی کریں گے سید حاضر نے کہا بس تو مجھ کو مبتلا بھائی سے دو دو
باتیں کر لینے دو ان شاء اللہ میں کوئی ایسی راہ نکالوں گا کہ دونوں میاں بی بی میں
صفائی ہو جائے۔ ایسا موقع تاک کر کہ مبتلا مردانے میں اکیلا تھا سید حاضر خود اُس کے
پاس گئے جس وقت سے گھر میں یہ واردات ہوئی تھی حاضر اور ناظر دونوں کی طرف
سے بُرے ہی بُرے خیالات مبتلا کے دل میں گزرتے تھے۔ اس کو ساری عمر کبھی کچہری
جانے کا اتفاق نہیں ہوا بس کچہری کے نام سے اُس کا دم فنا ہوتا تھا اور حاضر ناظر
دونوں کو خصوصاً ناظر کو کچہری ایسی تھی جیسے مچھلی کو تالاب مویشی کو تھان۔ پرند کو
گھونسلا۔ عورۃ کو میکا۔ باوجودے کہ سر تا سر قصور غیرۃ بیگم کا تھا مگر مبتلا اُلٹا چور کی

طرح سہما جاتا تھا کہ دیکھیے یہ بھائی بہن کئی دن سے کمیٹیاں کر رہے ہیں کیا فساد کھڑا کرتے ہیں اُس کے دوست آشناؤں میں بھی کسی کسی نے اُس کو کوتوالی اور فوجداری میں استغاثہ کرنے کی صلاح دی تھی مگر ہر چند اُس کو مردوا بناتے تھے کچہری کا نام آیا اور اُس کا رنگ فق ہوا وہ بگڑ بگڑ کر ایک ایک کی منت کرتا تھا کہ یارو مجھ سے مدعی بننے کی توقع مت کرو کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اگر یہ لوگ مجھ پر نالش کریں اور کریں ہی گے تو مجھ کو حاکم کے روبرو نہ جانا پڑے۔ بہتیرا لوگ سمجھاتے تھے کہ اُن کی طرف سے نالش کے ہونے کی کوئی روداد نہیں اور فرض کیا کہ نالش ہو بھی تو تم اپنی طرف سے جواب دہی کے لیئے مختار یا وکیل کھڑا کر دینا بلکہ بعضے تو شرط باندھتے تھے کہ اگر نالش ہو اور خدا نخواستہ تم پر کسی طرح کی آنچ آجائے تو حاکم جو سزا تمھاری تجویز کرے اُس کی چوگنی ہم بھگتنے کو موجود ہیں چاہو ہم سے لکھوا لو۔ مبتلا کہتا تھا تم ناظر بھائی کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں ہو ارے میاں وہ اس بلا کا آدمی ہے کہ چچا باوا بے چارے کسی کے لینے میں نہیں دینے میں نہیں اُس نے دل پر رکھا تو شہر سے نکلوا کر چھوڑا۔ مبتلا کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہریالی اور اُس کی بڑھیا کی مرہم پٹی کی ضرورۃ سے کھڑے کھڑے گھر میں جاتا تو اُلٹے پاؤں باہر بھاگا ہوا آتا کہ دیکھوں کہیں سرکار سے طلبی تو نہیں آئی۔ اتنے دن نہ تو اُس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نہ پوری نیند سویا اگر تھوڑے دن اَور سید حاضر کی طرف سے سبقت نہ ہو تو مبتلا اس قدر پریشان تھا کہ وہ خود ابتدا کرتا اور اتنے دن بھی وہ اپنے آپ کو لئے رہا تو ان لوگوں کی نارضامندی کے خیال سے اُس کو جراۃ نہیں ہوئی سید حاضر کو دور سے آتا ہوا دیکھ کھڑا تو ہو گیا مگر اُس وقت تک اس کے دل میں کھٹکا تھا کہ ان کا آنا خالی از علۃ نہیں جب سید حاضر نے

قریب پونہچ کر معانقے کے لیئے ہاتھ پھیلائے تو اُس کو اطمینان ہوا اور بھائی کے گلے لگ کر غیرۃ بیگم کی زیادتی اور اپنی مجبوری اور اتنے دن کی پریشانی کو یاد کر کے خوب رویا سید حاضر کا بھی جی بھر آیا کہ دیکھو خدا کے فضل سے گھر میں سب طرح کی فراغۃ ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں ہیں بچے ہیں کسی بات کی کمی نہیں مگر ایک بری لت جو اپنے پیچھے لگالی ہے تو زندگی کیا تلخی سے گزرتی ہے۔ معانقے کے بعد دونوں بھائی ایک جگہ بیٹھے تو سید حاضر نے کہا مبتلا بھائی یہ نیا رشتہ تمھارے ساتھ کیا ہوا کہ وہ پرانا رشتہ بھی اس کے پیچھے گیا گزرا ہوا۔ دیہات کا کم بخت کیا برا دستور ہے کہ ہم تو بہن کے گھر بلا ضرورۃ آ نہیں سکتے اب تمھاری ہی طرف سے ملاقاۃ ہو تو ہو سید نگر تو بھلا تم کیوں آنے لگے شہر میں بھی تم کہیں نظر نہیں آتے آج آٹھواں دن ہے کہ میں بلا ناغہ دونوں وقت یہاں آتا ہوں تم کو دو چار بار دیکھا بھی مگر تمھارا رُخ نہ پایا۔ آخر آج مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے کہا لاؤ میں ہی پیش قدمی کر کے تم سے ملوں۔ مبتلا۔ کیا کہوں میں تو ندامۃ کی وجہ سے نہیں مل سکا۔ حاضر۔ ندامۃ کی کیا بات ہے عورتیں ناقصات العقل آپس میں لڑا جھگڑا ہی کرتی ہیں اگر مرد ایسی ایسی باتوں کا خیال کیا کریں تو دنیا میں کیسے گزر ہو۔ مبتلا۔ آپ پر ثابت تو ہو گیا ہوگا کہ زیادتی کس کی تھی۔ حاضر۔ اس معاملے میں میرا مونہ نہ کھلواؤ میں تم سے کیسی ہی سچی بات کیوں نہ کہوں پر تم یہی سمجھو گے کہ بہن کی طرفداری کرتا ہے۔ مبتلا۔ میں نے آپ کے تدیّن کی تعریف اور کسی سے بھی نہیں چچا باوا سے سنی ہے میں آپ کی نسبۃ بے انصافی کا خیال کبھی کر ہی نہیں سکتا۔ حاضر۔ دوسرا نکاح تو تم کر چکے اب اس کی نسبۃ یہ کہنا کہ تم نے جلدی کی یا بے جا کیا فضول ہے بلکہ ایک اعتبار سے تو میں کہتا ہوں کہ تم نے بجا کیا مناسب کیا خوب کیا اور ضرور کرنا چاہیئے

تھا۔ تمھارا طرزِ زندگی دین کے شرافت کے بھلمنساہت کے عقل کے سب کے خلاف تھا
بڑی خوشی کی بات ہو کہ تم نے اُس سے توبہ کی خدا کرے کہ تمھاری توبہ پہاڑ کی طرح
مستحکم ہو بھاری بھر کم ہو مضبوط ہو اٹل ہو مگر مجھ کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ ایک مگدر
کو تو تم اُٹھا نہ سکے جوڑی تم سے کیوں کر ہلائی جائے گی تمھاری وہی مثل ہو کہ تنور سے
بچنے کے لیئے بھاڑ میں گرے دو بیبیوں کا رکھنا جمع بین النقیضین کچھ آسان کام نہیں
تم نے تو ایسی ہنڈیا پکائی ہو کہ یہ واقعہ جو پیش آیا اُس کا پہلا اُبال ہو جب کھُرچن کی
توبت آئے گی تو اصلی مزہ معلوم ہو گا۔ یقین جانو کہ میں کچھ بہن کی پاس داری سے
نہیں کہتا بلکہ حقیقۃً نفس الامری بیان کرتا ہوں کہ تم نے غیرۃ کی قدر و وقعۃ کو مطلق
نہیں پہچانا۔ غیرۃ بیگم خدانخواستہ (بُرا مت ماننا) تمھاری اس بی بی کی طرح گری
پڑی بازاری عورۃ نہیں وہ ایسے جتھے اور ایسے گروہ اور ایسی برادری اور ایسے خاندان
کی بیٹی ہو کہ جہاں اُس کا پسینا گرے آج سید نگر میں کم سے کم دو سو آدمی ایسے
نکلیں گے جو اپنا خون بہانے کو موجود ہو جائیں گے۔ عورتوں کے معاملے عزۃ اور آبرو
اور ناموس کے معاملے ہیں مال کی تو کیا حقیقۃ ہو عزۃ کے آگے شرفا خاص کر دیہات
کے خاص کر سادات خاص کر ساداتِ سید نگر جان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے
یاد کرو کتنی منتوں کس قدر خوشامد کیسی آرزو سے ماموں اور ممانی (خدا اُن دونوں کو
جنۃ نصیب کرے) غیرۃ بیگم کو بیاہ کر لائے آج کو وہ دونوں یا اُن میں سے ایک بھی
زندہ ہوتے تو کیا تمھاری مجال تھی کہ تم غیرۃ بیگم پر سوکن لاؤ اور اُسی کی گود میں بٹھاؤ
پھر بندۂ خدا تم کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ اس کے نہیں ساس سسرے اس کے
نہیں دنیا میں وارث کہو سرپرست کہو شوہر کہو ایک تم سو تم نے جلا جلا کر اُس کا یہ

حال تو کر دیا کہ سید نگر کی نسبت اب تہائی بھی باقی نہیں رہی اور اس پر بھی تم کو صبر نہ آیا
سوکن کو لا بٹھایا عورت ہو تو جانو یا عقل ہو تو پہچانو کہ سوکن کا کیسا داغ ہوتا ہے بیوی
سے بڑھ کر میاں نکھٹو اپاہج ہو بد مزاج ہو روٹی کھانے کو اولاد جی بہلانے کو
نہ ہو سب مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور نہیں جھیلی جا سکتی تو سوکن کی۔ دنیا کے اور جلاپے
جلاپے ہیں اور سوکن کا جلاپا سلگاپا۔ جس شخص پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو وہ اگر
افیون کھا لیتی یا کوئیں میں گر پڑتی یا پیٹ میں چھری بھونک لیتی اس سے کسی
بات کا تعجب نہ تھا بلکہ تعجب یہ ہے کہ رونے پیٹنے پر قناعت کی اگر خدا نخواستہ اس نے اپنے کو
ہلاک کر لیا ہوتا تو تمھارا کیا جاتا تم تو نئی بی بی کے ساتھ چین کرتے گل چھرے اڑاتے
ہم کو بہن کہاں پیدا تھی۔ مبتلا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس عورت کو چھوڑ دوں۔ حاضر
میں تو چھوڑنے کو نہیں کہہ سکتا اور تم ایسے چھوڑنے والے ہوتے تو کرتے ہی کیوں
فرض کیا کہ تم نے اس کو میرے کہنے سے چھوڑ دیا اور پھر وہی سابق کا وتیرہ اختیار
کیا تو اپنے ساتھ دنیا اور دین دونوں جگہ میرا منہ بھی کالا کراؤ۔ مبتلا۔ پھر آپ ہی
کوئی راہ نکالیئے مجھ سے ایک نادانی تو ہوئی اور اپنی طبیعت کو بارہا آزما چکا ہوں
میرے قابو کی نہیں آج آپ سے ایک وعدہ کروں اور کل کو جھوٹا ٹھیروں تو پھر آپ کے
نزدیک میرا کیا اعتبار رہا اس سے بات کا صاف صاف کہہ دینا اچھا اور اگرچہ آپ سے
اس معاملے میں صلاح پوچھنا داخل بے حیائی ہے مگر چچا باوا چلتے چلتے فرما گئے ہیں کہ اگر
کوئی مشکل آپڑے تو آپ کی رائے پر عمل کرنا اور یوں بھی آپ بڑے بھائی ہیں باپ
کی جگہ آپ ہی اگر آڑے پر آڑے نہ آئیں گے تو میں کس کے پاس التجا لے جاؤں بندے
کے سنو قصور خدا معاف کرتا ہے آپ از برائے خدا میرا ایک قصور معاف کیجیئے۔ حاضر۔

بات یہ ہے کہ میں تمھاری اس نئی بی بی کے حالات سے بخوبی واقف نہیں ہیں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ کس طرح اس کے ساتھ مدارات کرنی مناسب ہے۔ مبتلا۔ اس کم بخت کے اور حالات ہی کیا ہیں بازاری عورت ہے تن تنہا مدت سے توبہ توبہ پکار رہی تھی میری جو شامت آئی اس کے ساتھ عقدِ شرعی کر لیا کیوں کہ چچا باوا کے سامنے آوارگی سے میں توبہ کر چکا تھا حماقت پر حماقت یہ ہوئی اور اب میں اُس گھڑی کو بہت پچھتاتا ہوں کہ گھر میں لا کر اوپر کا کام کاج سپرد کیا دوسری ماماؤں کی طرح رہنے سہنے لگی اگر میں نے اُس کے ساتھ کسی طرح کا سروکار رکھا ہو تو مجھ پر خدا ہی کی مار پڑے یہ تو اُس کی پچھلی کیفیت ہے آیندہ کے لیے بھی اگر آپ کی مرضی ہو تو وہی ماماؤں کی طرح رہے گی اور بدستور گھر کی خدمت کرے گی۔ حاضر۔ اس کا غیرۃ بیگم کے پیش نظر رہنا تو میں پسند نہیں کرتا کیوں کہ اس صورۃ میں فساد عاجل کا بڑا اندیشہ ہے دو سوکنوں کی مثال تمھیں کس طرح بتاؤں یوں سمجھو کہ دو گلاس ہیں ایک میں سوڈا ہی پانی میں حل کیا ہوا اور دوسرے میں ایسڈ ممکن ہے کہ سوڈا اور ایسڈ ملیں اور اُن میں جوش و خروش پیدا نہ ہو پس دونوں کو ایک جگہ رکھنے کا تو تم کبھی بھول کر بھی ارادہ نہ کرنا ورنہ آج دو ہتڑ تھے تو کل جوتیاں ہوں گی اور پرسوں چھریاں اِس کو تو کسی دوسرے شہر میں یا خیر دوسرے محلے میں یا خیر دوسرے گھر میں تو رکھنا ضرور ہے مگر مشکل یہ ہے کہ تم کہتے ہو وہ ہے اکیلی تن تنہا آدمی زیادہ رکھے جائیں تو تمھاری چادر[1] میں اتنے پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں پس صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ زنانے مکان میں پورب کی طرف جو ایک کھانچا سا نکل گیا ہے پردے کی دیوار کھچوا لو اور ڈیوڑھی میں سے دروازہ چھوڑ کر اتنا گھر الگ کر لو اور حقیقۃ میں یہ تھا بھی دوسرا گھر ماموں باوا نے مول لے کر باہر گلی کا دروازہ تیغہ کرا کے زنانے مکان میں

[1] یعنی تم کو اتنا مقدور نہیں ۱۲

ملا لیا تھا تیتنے کا نشان اب تک موجود ہے اتنا مکان ایک مختصر خانہ داری کے لیے بخوبی کافی ہے ضرورۃ کی سب چیزیں موجود ہیں دالان در دالان آگے سائبان دونوں طرف بڑی بڑی دو دو کوٹھڑیاں باورچی خانہ اُس کی بغل میں چیز بست رکھنے کو لمبی کو لکی سامنے کے ضلع میں سہ درہ بس اَور چاہیے کیا بڑے گھر کی طرف خدا کے فضل سے آدمی زیادہ ہیں اور خرچ بھی بہت ہے برابری اگر چاہو تو دونوں گھروں میں ممکن نہیں اور ضرور بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں چھوٹے ماموں باوا پینسٹھ روپئے کی تنخواہیں اور کرایہ تمھارے نام کرا گئے ہیں اور ساٹھ کی غیرۃ بیگم کے نام سوا پینسٹھ میں تیس چھوٹی بی بی کو دیا کرو اکیلا دم ہے فراغت سے بسر کر سکتی ہیں پینتیس تم کو بچیں گے اُس میں تمھارا کپڑا ہے اور باہر مردانے کا خرچ غیرۃ بیگم کے ساٹھ کو ہاتھ مت لگاؤ ایک دن بڑے گھر میں رہو ایک دن چھوٹے میں نہ ٹر ٹر نہ کھٹ کھٹ الحمد للہ خیر صلاح۔ مبتلا تو اپنی جگہ یہ ڈر رہا تھا کہ نہیں معلوم شہر سے نکلوائیں گے یا قید ڈلوائیں گے یا گھر بار ضبط کرائیں گے سید حاضر کا فیصلہ سنتے کے ساتھ اُس کے پیروں پر گر پڑا کہ بس اس میں اگر میری طرف سے کبھی سرمو فرق ہو تو جانئے گا کہ میری اصالۃ میں فرق ہے۔ ہریالی بھی اپنی جگہ بہت خوش ہوئی اور سمجھی کہ اب میرا لی بی ہونا سب پنچوں نے جانا گھر بنٹوا پایا میاں کے پینتیس بھی میرے اپنے ہی ہیں وہ ملا کر تنخواہوں میں کرائے میں بڑا آدھا میری طرف رہا کہاں غیرۃ بیگم سیدانی اشراف میاں کی پھوپی زاد بہن صاحب اولاد آٹھ نو برس کی بیاہی ہوئی اور کہاں میں۔ انصاف کی رو سے تو میں اُن کی جوتی کی بھی برابری نہیں کر سکتی قربان جاؤں خدا کے کہ اُس نے مجھ گنہ گار ناچیز کی توبہ کو ایسا نوازا کہ اُن ہی کے سگے بھائی کے ہاتھ سے مجھ کو چھتوا پایا۔ غیرۃ بیگم کو تو سوکن کے نام کی جلن تھی اس کو مکان سے

تنخواہ سے کچھ بحث ہی نہ تھی ہریالی کو کیسے ہی برے احوال سے رکھتے مگر جب تک غیرۃ بیگم یہ جانتی تھی کہ یہ میری سوکن ہے کسی طرح وہ راضی ہو ہی نہیں سکتی تھی لیکن بڑے بھائی نے جب ایک فیصلہ کر دیا تو کیا کرتی دل میں پیچ و تاب کھا کر چکی ہو رہی مبتلا کے ساتھ بولنا بات کرنا پہلے ہی سے کم تھا اب بالکل چھوڑ دیا غرض صحن میں پردے کی دیوار اٹھائی گئی ڈیوڑھی میں دروازہ لگا ہریالی نے الگ گھر کر کے رہنا شروع کیا۔

بائیسویں فصل دو سوکنوں کی لڑائی کا سلسلہ اور اُس کا اثر بد مبتلا پر مبتلا کی اولاد پر اُس کی بیبیوں پر اور انتظام خانہ داری پر

آدمی الگ گھر کرتا ہے تو پلنگ پیڑھی تخت چوکی چولھا چکّی برتن بھانڈا سبھی چیزیں اُس کو درکار ہوتی ہیں غیرۃ بیگم کے یہاں اسباب کے اٹم لگے ہوئے تھے پر کس کی مجال تھی کہ تنکا تو اُٹھا کر ادھر سے اُدھر لے جائے ہریالی کو ابتدا میں سخت تکلیف ہوئی مگر سلیقہ بھی عجب چیز ہے دو ہی برس میں ہریالی نے رفتہ رفتہ اپنا گھر ایسا درست کر لیا کہ غیرۃ بیگم کے کئی پشتوں کے جمے ہوئے گھر میں ایک چیز وقت پر نہیں بھی ملتی تھی مگر ہریالی کے یہاں آتا تو کون تھا لیکن اگر دس مہمان بھی آجاتے تو آسائش کا ہمہ سامان موجود پاتے۔ ایک مرتبہ پرانا سرکہ درکار تھا تعجب کی بات ہے کہ سارے محلے میں کسی کے یہاں نہ نکلا ہریالی نے (جس کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا تھا) سنتے کے ساتھ ہی پیالہ بھر کر بھجوا دیا۔ جس طرح سید حاضر نے ٹھیرا دیا تھا مبتلا ایک ایک دن باری باری سے دونوں گھروں میں رہتا تھا بڑے گھر میں تو اُس سے کوئی بولتا چالتا نہ تھا کسی دن اگر معصوم کو پکڑ پایا تو گھڑی دو گھڑی اُس کے ساتھ جی بہلا یا ورنہ مونہ لپیٹا سو رہا

خاطرداری سمجھو مدارات سمجھو آؤبھگت سمجھو جو کچھ تھی سو چھوٹے گھر میں تھی مگر غیرۃ بیگم
اُس کو وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیتی تھی وہ اپنے گھر میں تو مبتلا سے ایسی بے رُخی
کرتی کہ گویا اُس کو میاں کی ذرا بھی پروا نہیں اور چھوٹے گھر کی باری آئی اور صبح سے
اُس نے مبتلا کی نگرانی شروع کی مردانے میں کتنی دیر بیٹھے گھر میں کس وقت آئے
کہاں سوئے کیا کھایا اور کتنا کھایا ہریالی کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ گھر کے نوکروں
پر ایک نیا کام یہ آ پڑا کہ سارے سارے دن اور پہر پہر رات گئے تک ایک ڈیوڑھی
میں کھڑی جھانک رہی ہے تو ایک دروازے میں کان لگائے سُن رہی ہے۔ اور ایک ہے
کہ جس طرح جلاہا تانا باناتنتا پھرتا ہے اوپر تلے بیسیوں پھیرے زنانے سے مردانے
میں اور مردانے سے زنانے میں۔ باوجودے کہ غیرۃ بیگم نے ایک مبتلا کے پیچھے اتنے
جاسوس لگا رکھے تھے اس پر بھی اُس کا جی نہیں مانتا تھا ایک موکھا تو اُس نے
پاخانے کی دیوار میں کیا کہ چھوٹے گھر کے سہ درے کی ذرا ذرا بات وہاں سے سُنائی
دیتی تھی رہ گیا ایک ضلع صحن سایہ بان اور سایہ بان کے اندر کا دالان سو غیرۃ بیگم
کی طرف ایک بالاخانہ تھا اور اُس میں تھی ایک کھڑکی وہ کھڑکی کھول دو تو صحن سے
لے کر اندر والے دالان تک سب کچھ دکھائی دیتا۔ یا تو غیرۃ بیگم نے جس دن سے
بیاہی آئی کبھی بالاخانے پر پاؤں نہیں رکھا تھا یا اب سوکن کی ضد پر جس دن چھوٹے
گھر کی باری ہوتی صبح سویرے سے کوٹھے پر چڑھی چڑھی اگلی صبح کو اُترتی غرض
ساری گرمی غیرۃ بیگم نے میاں کو ہریالی سے بات نہیں کرنے دی جاڑا آیا اور پردے
چھوڑ کر دالان میں سونے لگے تب تھک کر بیٹھی۔ شروع شروع میں تو نوکروں کو
آنے جانے کی ایسی سخت ممانعت تھی کہ ایک مرتبہ ایک لونڈی نے باہر ڈیوڑھی میں سے

آگ پکڑا دی تھی غیرۃ بیگم کو خبر ہو گئی تو اُس کے ہاتھ پر جلتا ہوا انگارا رکھ دیا لیکن پھر
سوچی کہ نوکروں سے خبریں خوب ملتی ہیں ان کا روکنا ٹھیک نہیں بندی کھول
دی مگر اس سے خرابی کیا پیدا ہوئی کہ ماما لونڈی جو کوئی چھوٹے گھر سے ہو کر آتی
غیرۃ بیگم اُس سے حال پوچھتی اگر وہ اُس کی خواہش کے مطابق کچھ بیان نہ کرتی
تو اُس پر خفا ہوتی کہ تو جھوٹی ہے یا چھپاتی ہے یا تو اُدھر ملی ہوئی ہے ناچار اس کی
بدگمانیوں سے بچنے کے لیئے نوکروں نے جی سے باتیں بنانی شروع کیں حقیقۃ میں
تو وہ باتیں ہوتی تھیں بے اصل مگر اُس کو ایک ایک بات کا ہفتوں جھگڑا لگا رہتا
تھا آپ رنجیدہ رہتی اور مبتلا پر اپنی بدنفسی اور حماقت ثابت کرتی۔ ایک آتی اور دل
سے جوڑ کر کہتی بیوی آج تو تمھاری سوکن کے عجب ٹھاٹھ ہیں ایسی بن سنور کر بیٹھی
ہیں جیسے کوئی نئی دُلھن سر میں چنبیلی کا تیل پڑا ہوا ہے مگر کوئی چار روپئے سیر کا کہ سارا
گھر پڑا مہک رہا ہے چوٹی گندھی ہے یہ بڑے بڑے موتیا کے پھولوں کا سارا گہنا
البتہ ڈیڑھ دو روپئے سے کیا کم کا ہو گا ململ گیری چنا ہوا مہین رینگ کا دوپٹا اچھا
خاصہ چار اُنگل کا چوڑا سنہری ٹھپا ٹنکا ہوا سفید ترین بیل کا پاجامہ پائنچوں
میں بیل دار کنارہ کنارے پر کیکری کیکری ہے یا نکڑی کی ہیک۔ غیرۃ بیگم یہ سُن کر
ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہتی ہاں صاحب جن کے بھاگ اُن کے سہاگ اُن کے دوسری
یہ بات بناتی کہ وہ آپ تو صحن میں کرسی بچھائے بیٹھی ہیں میاں سامنے کھڑے گنا
چھیل رہے ہیں گنڈیریاں بنا بنا کر آپ بھی کھاتے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے
اُن کے مونہ میں بھی دیتے جاتے ہیں میں تو یہ دیکھ کر اُلٹے پاؤں پلٹ آئی۔ ماما
باہر بیٹھی کھانا پکا رہی ہے۔ غیرۃ بیگم۔ لعنۃ خدا کی پھٹے مونہ حیا اور شرم تو مطلق چھو

ط یعنی ہریالی ۱۲

نہیں گئی۔ تیسری اشارے سے بیوی کو بُلاتی کہ ذرا آپ بھی تو موکھے میں سے دیکھیے آج
میاں کا جی کیسا ہی ذولائی اوڑھے پڑے ہیں اور وہ کنچنی پاس بیٹھی پاؤں دبا رہی ہے
غیرۃ بیگم۔ اری کم بخت تجھ کو دھوکا ہوا ہوگا کنچنی لیٹی ہوگی اور میاں پاؤں دبا رہے ہونگے
اس طرح کی سیکڑوں باتیں صبح سے شام تک اپنے ہی گھر کے نوکر غیرۃ بیگم سے آآ کر
کہتے تھے اور سب میں زیادہ مُونہ لگی وہ تھی جو اس طرح کی باتیں خوب تصنیف کر سکتی
تھی۔ اتنی تو کسی کی مجال نہ تھی کہ غیرۃ بیگم کے مُونہ پر ہریالی کو ہریالی کہہ دے اور اگر
کسی کی زبان سے بھولے سے بھی چھوٹی بیوی نکل جاتا تو بے شک غیرۃ بیگم تڑسے اس کے
مونہ پر جوتی کھینچ مارتی نام سے تو اتنی نفرۃ اور پھر رات دن اُسی کی تسبیح آخر سوچ کر
غیرۃ بیگم نے سوکن کو بے غیرۃ کا خطاب دیا اور جتنے لوگ غیرۃ بیگم کے طرف دار تھے
یہاں تک کہ ادنی ادنی نوکر اُس کی حمایۃ پاکر سب بے تامل ہریالی کو پکار پکار کر
بے غیرۃ کہتے تھے اور دیوار کے پیچھے ہریالی اپنے کانوں سے سنتی تھی بلکہ اُس نے
سیکڑوں بار مبتلا کو سنوا سنوا دیا۔ مبتلا کو نوکروں کے مُونہ سے یہ لفظ سُن کر سخت
رنج ہوتا تھا کیوں کہ ہریالی جو کچھ تھی سو تھی مگر راجہ کے گھر آئی اور رانی کہلائی اب تو
اُس کی منکوحہ تھی نوکروں کو اور گھر کی لونڈیوں کو کیا زیبا تھا کہ اُس کی منکوحہ کو یوں
مُونہ بھر بھر کر گالیاں دیں مگر وہ کیا کر سکتا تھا ہریالی کو سمجھا دیتا کہ کچھ تم سے پرخاش
نہیں مجھ کو نوکروں کے ہاتھ سے ذلیل کرانا منظور ہے خدا کی شان میرے نوکر میرے
لونڈی غلام اور ایسے گستاخ اتنے بے ادب کیا کروں کچھ کرتے بن نہیں پڑتا میں بھی
صبر کرتا ہوں تم بھی صبر کرو۔ غیرۃ بیگم کو سوکن کی طرف سے ہر طرح کی بدگمانی تو تھی ہی
بنول کو تو اُس طرف کوئی لے جانے نہیں پاتا تھا مگر معصوم اپنے پاؤں دوڑا دوڑا

پھرتا تھا اُس کو کون روکے غیرۃ بیگم بہتیرا اڈراتی دھمکاتی گھرکتی مگر یہ کس کی سنتا تھا آنکھ بچی اور چھوٹے گھر میں۔ غیرۃ بیگم سے اور مبتلا سے تو روز بروز عداوۃ بڑھتی چلی جاتی تھی۔ مبتلا کے جلانے اور چھیڑنے اور ایذا دینے کو جہاں غیرۃ بیگم اَور بہتیری باتیں کرتی تھی اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بچوں کے ساتھ اُس کی اگلی سی مداراۃ باقی نہیں رہی تھی اب تو وہ بات بات پر معصوم کو مار بیٹھتی اور کوسنا تو تکیۂ کلام ہو گیا تھا۔ بچوں کا تو قاعدہ ہی کہ وحشی جانوروں کی طرح ہلانے اور پرچانے سے رام ہوتے ہیں معصوم کا یہ حال ہو گیا تھا کہ غیرۃ بیگم کی شکل سے دور بھاگتا اور اُس کی پرچھائیں سے ڈرتا۔ چھوٹے گھر میں اُس کی ایسی خاطرداری ہوتی تھی کہ اُس نے اندر پاؤں رکھا اور ہریالی نے دوڑ کر اُس کو گود میں لیا ہاتھ مُونہ دُھلایا بالوں میں تیل ڈالا کنگھی کی آنکھوں میں سرمہ لگایا میوہ مٹھائی اُس کے لیئے لگا رکھتی تھی جو کچھ موجود ہوا کھلایا۔ گھنڈی تکمہ بند اگر ٹوٹ گیا ہی ٹانک دیا کبھی کبھار کوئی کھلونا منگوا دیا آپ پان کھاتی ہوئی تو اُس کو بھی ٹکڑا بنا دیا آئینہ ہاتھ میں دے دیا کہ دیکھو تو کیا مُونہ لال لال ہوا ہی۔ پس معصوم سارے سارے دن چھوٹے گھر میں کھیلتا اور اگر بڑے گھر میں بُلاتے تو روتا اور مچلتا۔ ایک دن غیرۃ بیگم معصوم کا انگرکھا قطع کر رہی تھیں کہ لونڈی سے کہا کہ جا ذرا معصوم کو جلد ہی بُلا لا میں انگرکھا اُس کے قد سے ناپ لوں ایسا نہ ہو اونچا ہو جائے۔ اُس نے چھوٹے گھر میں جا کر معصوم سے کہا چلو میاں بی بی بُلاتی ہیں لونڈی کی صورت دیکھ کر اور طلبی سُن کر معصوم زمین میں لوٹ گیا بہتیرا لونڈی گود میں اُٹھاتی ہی پر نہیں آتا ہی اسی کشتم کُشتا میں تھوڑی دیر لگ گئی اور وہاں غیرۃ بیگم ہاتھ میں کپڑا لیئے کر رہی ہیں آخر دوسری کو دوڑایا کہ الہی بستی معصوم کو بلانے گئی تھی وہیں مر کر رہ گئی

آپ بھی اُس کے ساتھ کھیل میں لگ گئی ہوگی جا دونوں کو پکڑ کے تو لا۔ غیرۃ بیگم جو
بگڑ کر اور خفہ ہو کر زور سے بولی تو اپنے گھر میں ہریالی نے بھی سُنا اور اُس نے جلدی
سے اُٹھ کر معصوم سے کہا آہا بڑی امّاں کے یہاں کیسے کیسے بہار کے کپڑے آئے ہیں جلدی
بھاگ کر جاؤ کہ تمھاری بھی اچکن بیونتی جائے وہ بڑی امّاں بیٹھی کہہ رہی ہیں آنکھیں میچیں کون آئے
آنکھیں میچیں کون آئے۔ معصوم سامنے گیا تو غیرۃ بیگم بولی موئے جان ہاریوں ہی سارے دن
خدائی خوار خاک چھانتا پڑا پھر دیکھ اب تجھ کو کیسے ظالم اُستاد کے پاس پڑھنے بٹھاتی ہوں
کہ تو بھی یاد کرے۔ معصوم۔ میں اپنی چھوٹی اماں کے پاس بھاگ جاؤں گا۔ غیرۃ بیگم۔
لا نا دسینے میں ایک بڑا سا انگارا کہ اس کم بخت ناشدنی کا مُونہ جلاؤں نگوڑا بدوں کا
بدگندی بوٹی کا بسا ہندا شوربا آخر اپنی اصالۃ پر گیا کنجنی کو میّا بنایا میرے سامنے
اگر پھر اُس مردار کو اماں کہا ہوگا تو جبّو[۱] پکڑ کر کاٹ ڈالوں گی۔ معصوم یہ سُن کر آدھی
دور سے پھر اُلٹا بھاگ گیا بسنتی پیچھے دوڑی بھی مگر اب وہ کس کے ہاتھ آتا تھا ڈیوڑھی
میں کھڑا ہوا غیرۃ بیگم کے چڑانے کو پکار پکار کر چھوٹی اماں چھوٹی اماں کہتا تھا اور جہاں
غیرۃ بیگم نے دیکھا تو آڑ میں ہو گیا اور پھر ذرا سی دیر میں سامنے آکر چھوٹی اماں چھوٹی
اماں کہنے لگا۔ غیرۃ بیگم نے دالان میں سے بیٹھے بیٹھے جوتی کھینچ کر ماری مگر وہ ڈیوڑھی
تک کیا پہنچتی غرض معصوم کو جو دھت لگی تو غیرۃ بیگم کو اسی طرح گھڑی بھر تک دق کرتا
رہا اور پھر چھوٹے گھر میں جا گھسا۔ غیرۃ بیگم ہریالی کی ساری باتوں کو بُرائی پر ڈھال
لے جاتی تھی معصوم کے ساتھ جو ہریالی عام ماؤں سے اور خصوصاً غیرۃ بیگم سے بڑھ کر
محبت کرتی تھی تو میاں کی خوشامد پر محمول کرنا شاید چنداں بے جا نہ تھا مگر ہریالی کی مخالفت
میں غیرۃ بیگم کے خیالات ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا بھی وہ دوسرا ہی مطلب لگاتی

[۱] جیب (زبان) کی تصغیر ۱۲

تھی اُس کا مقولہ یہ تھا دیکھا نامراد کٹنی کو کیسی معصوم کی للو پتّو میں لگی رہتی ہی اور مجھ کو یقین ہی کہ وہ ضرور اُس کو مجھ سے تڑا کر رہے گی ابھی سے اُس کو میری صورۃ سے بیزار کر دیا ہی نہیں تو اتنے بچے ماؤں سے ایک لمحے کے لیئے پرے نہیں ہٹتے اور معصوم کو تو اگر میں نہ بلاؤں کبھی بھول کر بھی ادھر کا رُخ نہ کرے۔ غیرۃ بیگم کو تو اُلٹے سیدھے ہر طرح ہریالی کو الاہنا دینا منظور تھا۔ معصوم اگر کبھی بیمار ہوتا اور چھوٹے بچے اکثر بیمار ہوتے ہی رہتے ہیں تو مصیبتہ یہ تھی کہ میاں کی ضد کے مارے دوا علاج کچھ نہ کرتی اور جو کوئی کہتا تو بگڑ کر جواب دیتی کہ کوئی دکھ ہو تو علاج کروں اس کو تو دشمنوں نے کچھ کر دیا ہی اور دشمن کون ہی لگلی گھونسا یہ کیا ہم میں سے کسی کو جیتا چھوڑے گی لیکن اگر میرے بچے کا بال بینکا ہوا تو کوٹھری میں کیا مارماری تھی اگر جان سے نہ مار ڈالوں تو سید کی جنی نہیں اور پھر اُس کے حمایتیوں کو دیکھ لوں گی۔ ہریالی عجب پس و پیش میں تھی اگر معصوم کو نہیں آنے دیتی تو کہیں خود جو بے اولاد ی ہی جلتی ہی دیکھ نہیں سکتی۔ اور آنے دیتی ہی تو اس کی ذمہ واری کون کرے کہ بچہ بیمار نہ پڑے یا بیمار پڑے تو ضرور اچھا ہی ہو جایا کرے پس ذرا بھی معصوم کا جی ماندہ ہوتا تو ہریالی کا کئی چلو لہو خشک ہو جاتا کہ خدا خیر کرے۔ انتظام خانہ داری کی یہ صورۃ ہوئی کہ آخر اُس کو بھی تو صاحب خانہ کی توجہ درکار ہی۔ یہاں آپس کی کہا سنی تاک جھانک لڑائی جھگڑے قصے قضیے سے اتنی فرصتہ ہی کس کو تھی کہ انتظام کی طرف متوجہ ہوتا اور فرصتہ تھی بھی تو دلوں میں شوق نہیں رغبتہ نہیں اطمینان نہیں اُمنگ نہیں کس کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ یہ دردسر مول لے۔ خانہ داری میں سب سے بڑا انتظام کھانے کا کہ صبح بھی ہو اور شام بھی ہو سو کھانے کا یہ حال کہ بڑے گھر میں تیغ بتلانے

کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہی نہیں۔ میاں بی بی میں ناخوشی تو سدا کی تھی تاہم کھانا
دونوں ایک ہی دسترخوان پہ کھایا کرتے تھے جس دن سے ہریالی نے الگ گھر کیا
غیرۃ بیگم نے میاں کے ساتھ بات چیت کرنی کیا چھوڑی بات چیت کے ساتھ کھانا اور کھانے
کے ساتھ دیکھنا بھالنا نکالنا سب کچھ چھوڑ دیا دو چار بار مبتلا نے مونہ پھوڑ کر کہا بھی
جواب نہ دارد پس کھانا تیار ہوتا تو گھر کے نوکروں میں سے کسی نے میاں کا حصہ نکال کر
لا آگے رکھ دیا اس بے وقری کے ساتھ جو کھانا دیا جاتا تھا تو مبتلا کو اس قدر طیش
آتا تھا کہ اگر اس کا بس چلے تو غیرۃ بیگم کو کچی اٹھا کر کھا جائے مگر وہ اپنا خون جگر پی کر
چپ ہو رہتا تھا ڈر کے مارے ذرا کی ذرا مونہ جھٹلایا اور کھڑا ہو گیا۔ غیرۃ بیگم خود تو
کبھی خبر نہیں لیتی تھی اگر کبھی کوئی نوکر خدا واسطے کو کہہ بیٹھا کہ میاں تو پوری ایک
چپاتی بھی نہیں کھاتے تو بولتی اس مال زادی کے بدون میاں کے حلق سے نوالہ
کیوں اترنے لگا اور ان کو اس گھر کا کھانا کیوں بھانے لگا۔ غیرۃ بیگم جلی تن کا مبتلا سے
بدتر حال تھا وہ آپ ہی اپنے دل سے باتیں پیدا کرتی اور آپ ہی ان کی ادھیڑ بن
میں دو دو وقت کھانا نہ کھاتی۔ نوکروں نے جو دیکھا گھر والے دو۔ میاں اور بیوی
اور دونوں کو کھانے کی طرف مطلق رغبۃ نہیں یہ لوگ بھی سستی اور بے پروائی
اور چوری اور طرح طرح کی خرابیاں کرنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ خرچ تو ڈیوڑھا اور دونا
بڑھ گیا اور برکۃ آدھی اور پاؤ بھی باقی نہ رہی۔ غیرۃ بیگم کی طرف تو بہت سویرے سے
سے خاک اڑنے لگی چھوٹا گھر خیر یوں ہی لشٹم پشٹم چلا جاتا تھا۔ گھر کی عزۃ ہوتی ہے مردانے
سے اور مردانے کی رونق مردوں سے مردوں کے شوق سے مردوں کے اہتمام سے
مبتلا جس کا کبھی یہ حال تھا کہ ایک دن بالوں میں تیل نہ پڑتا تو اس کا سر درد کرنے

لگتا دن میں اگر چار مرتبہ گھر سے باہر نکلتا تو چار طرح کی پوشاک پہن کر ایک چیز اگر جگہ سے بے جگہ رکھی ہوتی تو بے چین ہو جاتا۔ فرش پر سلوٹ پڑی دیکھی اور ماتھے پر بل پڑا۔ آندھی ہو مینھ ہو سردی ہو گرمی ہو چار گھڑی دن رہے گھوڑے کی سواری کبھی ناغہ ہونے ہی نہیں دی ہر چیز صاف ستھری قیمتی انوکھی۔ یا اب خانہ داری کے جھگڑوں نے اُس کو اس قدر عاجز اور ناچار کر دیا تھا کہ اُس کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا بال اُلجھ کر نمدہ ہو گئے ہیں کس کو دماغ ہے کہ کنگھی کرے معلوم ہے کہ کپڑے میلے چکٹ ہو رہے ہیں مگر بدلتے ہوئے آلکسی آتی ہے چیزیں بے ٹھکانے پڑی ہیں زبان کون ہلائے کہ اس کو موقع سے رکھو۔ سفید چاندنی دھبے پڑ پڑ کر جاجم بن گئی ہے نوکروں کو توفیق نہیں کہ بدلیں میاں کو خیال نہیں کہ بدلوائیں گھوڑا اصیل ولایتی جس پر مکھی پھسلتی تھی پُٹھوں پر نالی پڑی ہوئی سواری جو ہوئی موقوف تھان پر بندھے بندھے پانچوں عیب نکال لایا بادی نے آدبایا مالش میں ہوئی کمی اور دانے میں ہوئی چوری گھوڑے دن میں پر تل کا ٹٹو معلوم ہونے لگا۔ سیکڑوں روپئے کا اسباب صرف غور اور پرداخت کے نہ ہونے سے کوڑے کی طرح بے قیمت ہو گیا۔ غرض وہ جو لوگ کہاوت کہتے ہیں کہ دو مُلّاؤں میں مرغی حرام۔ دو بیبیوں کی کشمکش میں گھر کی مٹی ایسی پلید ہوئی کہ باہر سے لے کر اندر تک نکبت اور مفلسی اور بے رونقی چھا گئی۔ ایک مدت تک غیرۃ بیگم کی طرف سے انواع و اقسام کے ظلم ہریالی پر ہوتے رہے اور بدلہ لینا کیسا اس کی اتنی بھی مجال نہ تھی کہ اُف کرے نام لے لے کر پکار پکار کر سُنا سُنا کر گالیوں کی بوچھاڑ برسا رکھی ہے اور کوسنوں کا تار باندھ دیا ہے اور دم بخود مگر کتنا صبر کہاں تک برداشت آخر اُس کا مونہ کھلا تو ایسا کھلا کہ لوگوں نے اپنے اپنے

کان بند کر لیئے۔ برکۃ ۔ رونق ۔ فراغۃ ۔ عافیۃ ۔ محبۃ ۔ مروۃ ۔ سب کچھ غارۃ ہو ہوا کر ایک آبرو
وہ بھی محلے والوں کی نظروں میں باقی رہی تھی ہر وقت کی تُھکا فضیحتہ میں وہ بھی گئی
گزری ہوئی کم بختیں اس بیہودگی کے ساتھ آپس میں لڑتی تھیں کہ کنجڑنوں قصائنوں
کو مات کر دیا تھا اور دھوبنوں بھٹیاریوں کو شرمندہ ۔ غیرۃ بیگم تو کسی کے قابو کی تھی
نہیں مگر ہاں ہریالی کو اگر مبتلا منع کر دیتا تو وہ بے شک باز آجاتی پر غیرۃ بیگم کی طرف
سے مبتلا کو ایسے ایسے رنج پہنچے تھے کہ روکنا کیسا وہ تو کبھی کبھی ہریالی کو اور اشتعالک
دے دے کر اُس کی آڑ میں اپنے دل کے جلے پھپولے پھوڑ لیتا تھا ۔ ان لوگوں میں
جو باہمی رنجشیں اور عداوتیں تھیں پہلے چند روز تک دلوں میں رہیں بڑھتے بڑھتے
دلوں سے مُونہہ تک آئیں اب اور زیادہ ہوئیں تو پھوٹ کر ایسی بہیں جیسے کوہ آتش فشاں
کا ملغوبہ آگے آگے آپ اور پیچھے پیچھے تباہی اور بربادی ۔

تیئیسویں فصل ہریالی کا امید سے ہونا ۔ غیرۃ بیگم کا اس بات کو جاننا اور اپنی ماماخاتون سے اُس کو سنکھیا دلوانا ۔ مقدمے کا کوتوالی میں دائر ہونا ۔ اور آخر کار ناظر کی تدبیر سے دب جانا مگر مبتلا کا دوالہ نکال کر ۔

اتفاق سے ہریالی پڑی بیمار تھا موں شام سر دھویا سردی کھائی زکام ہوا بخار آنے لگا
چند روز کچھ دھیان نہ کیا بخار رہتا کہ چھچھڑ ہو گیا ۔ بلکہ ذرا ذرا کھانسی کی بھی دھسک
شروع ہو گئی معمولی طور پر حکیموں کے علاج کیئے منضج ہوئے مسہل ہوئے بخار بہ ہر
کہ جنبش نہیں کھاتا کھانسی کو اتنا آرام ہوا سمجھو کہ سوکھی سے تر ہو گئی ایک دن بلغم

میں کچھ سُرخی کی سی جھلک دکھائی دی تو تردد ہوا اور تردد کی بات ہی تھی خیال کیا کہ پان کی سُرخی ہو گی مگر پھر ثابت ہوا کہ نہیں خون کی ہے تب تو مبتلا بہت گھبرایا۔ غیرۃ بیگم کے ہاتھوں سے تو اس کو ایسی ایسی ایذائیں پہنچی تھیں کہ اُس کے نام سے اُس کا دل لرزا تھا اُس کو تھوڑی یا بہت جو کچھ دل بستگی تھی ہریالی کے ساتھ تھی اب جو اُس کو خون تھوکتے دیکھا قریب تھا کہ سودائی ہو جائے۔ شبہہ تو بہت دنوں سے تھا کہ ایسا نہ ہو کہیں غیرۃ بیگم نے کچھ کر کرا دیا ہو کھانسی کے ساتھ خون کا آنا تھا کہ یقین کیسا حق الیقین ہو گیا کہ غیرۃ بیگم نے پون بٹھائی۔ خدا نہ خواستہ ایسا تو پُرانا بخار بھی نہیں کہ سِل ہونے کا اندیشہ ہو ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیانے اور بھگت بلائے آئے سب نے اپنے اپنے جادو چلائے مگر کم بخت پون کی کچھ اصل جادو کی کچھ حقیقۃ ہو تو روگ ہیں کمی مرض ہیں خفقۃ ہو خبط کے جادو وہم کی پون اُس کو اُتارے کون۔ ہریالی کا حال بہت پتلا ہوتا چلا آخر کسی نے صلاح دی کہ سب کچھ تو کر چکے ذرا ڈاکٹر چنبیلی کو بھی تو ایک نظر دکھاؤ ڈاکٹر چنبیلی کا نام اصل میں مس بیلی تھا ولایۃ سے نئی آئی ہوئی تھی کہ اُس نے نواب اقتدار الدولہ بہادر کے محل میں ایک بڑے معرکے کا علاج کیا تب ہی سے شہر میں اس کی بڑی شہرۃ ہوئی نواب صاحب کی محل سرا میں اس کو چنبیلی چنبیلی پکارتے تھے وہاں کی سُنی سُنائی اور لوگ بھی چنبیلی کہنے لگے دایہ گری کے فن میں نہایۃ تجربہ کار اور مشاق تھی اور خود مبتلا کے گھر میں معصوم اور بتول دونوں کے ہونے میں بلائی جا چکی تھی ہریالی اور ہریالی کے بیمار دار کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہریالی کی حالۃ ڈاکٹر چنبیلی کے علاج کی متقاضی ہے۔ ڈاکٹر چنبیلی کو جب بلاوا گیا تو غیرۃ بیگم سمجھ کر معرفۃ سابقہ کے لحاظ سے بلا عذر بہت خوشی کے ساتھ فوراً چلی آئی۔ اُس کو

یہاں اگر معلوم ہوا کہ بتلانے دوسری بی بی کی ہے۔ اُس نے بیمار کو دیکھا تو سہی مگر بتلا
سے کہا کہ مجھ سے اور غیرۃ بیگم سے دوستی یا بہناپا تو نہیں ہے پر تم کو معلوم ہے کہ اُن کے
دو بچوں کے ہونے میں میں نے اُن کی خبر گیری کی ہے تو تمھاری اس بی بی کا علاج
کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا اس کو میں خلاف مروۃ سمجھتی ہوں اور میرے علاج
کی چنداں ضرورۃ بھی نہیں جس حکیم کا علاج کرتے ہو اُن کو صرف اتنا اشارہ
کر دینا کہ دو جانوں کی رعایۃ سے علاج کریں اتنا کہہ کر ڈاکٹر چنبیلی غیرۃ بیگم کی طرف
گئی معصوم اور بتول دونوں کو گود میں لے کر پیار کیا پھر غیرۃ بیگم سے بولی کہ اگر میں
دوسرے گھر میں نہ بلائی گئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتی کہ اس قدر دبلی کیوں ہو ہم
لوگوں میں مرد دوسری بی بی نہیں کر سکتے اور مرد اور عورۃ دونوں کے حقوق کو
تولا جائے تو شاید عورۃ ہی کا پلہ جھکتا ہوا رہے گا پھر بھی مرد اور عورۃ کا تعلق اس
قسم کا ہے کہ بیاہ ہو جانے سے عورۃ مرد کے بس میں آجاتی ہے یہی سمجھ کر میں نے اپنا بیاہ
نہیں کیا اور کرنے کا ارادہ بھی نہیں میں تمھاری حالۃ پر افسوس کرتی ہوں اور اُس سے
زیادہ افسوس اس مجبوری کا ہے کہ مدد کرنے کی جگہ نہیں لیکن اگر کبھی میرا کام آپڑے
تو ضرور مجھ کو یاد کرنا۔ غیرۃ بیگم نے اگرچہ دیہات میں پرورش پائی تھی پر وہ اتنی بھی
بے تمیز نہ تھی کہ چنبیلی کے آنے کا اُس کی محبۃ کا مروۃ کا ہمدردی کا شکریہ ادا نہ کرتی مگر
سوکن کے جھگڑے میں اُس کو کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ تھی چنبیلی اُس سے بات کر رہی تھی اور یہ
اس فکر میں تھی کہ کب چُپ کرے اور میں سوکن کا حال پوچھوں غرض غیرۃ بیگم نے
چھوٹتے ہی پوچھا کہو کیا دیکھا۔ چنبیلی بولی حکیم کو دھوکا ہوا اُس نے پہچانا نہیں کہ یہ
عورۃ چار مہینے ہوئے دوجی سے بیٹھی ہے میں نے تمھارے میاں کو جتا تو دیا ہے اب بھی

اگر سمجھ بوجھ کر علاج ہو گا تو بچے کو تو میں نہیں کہہ سکتی کیوں کہ اُدھر تو ہوئے جُلاّب
اور اِدھر بخار کی وجہ سے ملیں اوپر تلے ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں بچے کو سردی نے
پکڑ لیا مگر احتیاط کی جائے تو میرے نزدیک بچے والی کو ابھی تک کچھ بڑی جوکھوں
نہیں ہے۔ اس لیئے کہتے ہیں کہ آدمی فربہ شود از راہِ گوش۔ ہریالی نے جو سُنا تو
اُس کے دل کو اس قدر تقویت پہنچی کہ کیسی دوا اور کس کا علاج گھڑیوں اُس کا مزاج
خود بخود بحال ہوتا چلا یہاں تک کہ یا تو آپ سے کروٹ نہیں بدل سکتی تھی یا ایک
ہی ہفتے میں چلنے پھرنے لگی۔ یہ تو اُٹھ کھڑی ہوئی اور اُس کی جگہ اب غیرۃ بیگم پڑی
غیرۃ بیگم کا سارا غرور سارا گھمنڈ سارا ناز بےجا اولاد کے برتے پر تھا اب جو اُس نے
دیکھا کہ سوکن نے اس میں بھی سا جھا لڑایا تو حقیقۃً میں اُس کی کمر ٹوٹ گئی اور سمجھی
کہ بس اب ہریالی کے مقابلے میں نہیں پہنچتی اُس کو اس بات کی بڑی تسلی تھی کہ ہریالی
لاکھ میاں کی پیاری کیوں نہ ہو مگر آخر ہے تو بے اولاد نہ کوئی نام کا لینے والا نہ پانی کا
دینے والا کھالے جتنا اُس کی تقدیر میں ہے اور پہن لے جس قدر اُس کے نصیب کا
ہے پھر میں ہوں تو میں اور نہیں تو اللہ رکھے اور پروان چڑھائے میری اولاد اس
خیال سے کبھی اُس نے سوکن کو سوکن مانا ہی نہیں اب البتہ اُس کو سوکن کی حقیقۃ
کُھلی اور آدھی اور ساری کا سوچ پیدا ہوا۔ چنبیلی ایسا کوئی دو تین گھڑی دن
چڑھتے چڑھتے آئی تھی اُس کے گئے پیچھے سے جو غیرۃ بیگم گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھی
تو دوپہر ڈھلتے ڈھل گئی مگر اللہ کی بندی نے گردن اونچی نہ کی۔ دو تین بار کھانے
کی اطلاع ہوئی مگر اُس نے یہی کہہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ اس کے گھر میں ایک
بہت پرانی نوکر تھی خانون وہ گھر کی داروغہ تو نہ تھی مگر کبر سنی اور قدیم الخدمتی

اور ہوشیاری اور سلیقے کی وجہ سے گھر کے نوکروں میں سب سے سر برآوردہ تھی۔
غیرۃ بیگم کو اُس سے مانوس ہونے کا ایک سبب خاص یہ بھی تھا کہ جس طرح مبتلائے
غیرۃ بیگم پر سوکن کی اسی طرح خاتون پر بھی اُس کے میاں نے سوکن کی تھی غیرۃ بیگم
کا تو ایسی باتوں میں بہت جی لگتا تھا خاتون گھڑیوں اپنی سوکن کی باتیں کرتی
اور غیرۃ بیگم کرید کرید کر پوچھتی اور ایک ایک بات کو بار بار کہلواتی۔ پس خاتون
نوکر کی نوکر تھی قصہ خوان کی قصہ خوان اور بیوی کی ہم درد۔ جب خاتون نے
دیکھا کہ جس گھڑی سے چنبیلی آئی بیوی کچھ ایسی سوچ میں گئی ہیں کہ پان تک نہیں
کھایا کھانے کا وقت بھی ٹل گیا تو اُس نے قریب جاکر پوچھا کہ بیوی آج جو تم اِس
قدر اُداس بیٹھی ہو اس کا سبب کیا ہے۔ غیرۃ بیگم۔ تم نے نہیں سُنا کہ بے غیرۃ کے
یہاں بال بچہ ہونے والا ہے ابھی اُس نے کیا اُٹھا رکھا ہے بال بچہ ہوئے پیچھے تو مجھ کو
اس گھر میں کھرا پانی بھی نہیں پینے دے گی۔ خاتون۔ بال بچہ ہونے والا ہوتا تو حکیم کیا
ایسے اندھے ہیں جُلابوں پر جُلاب کیوں دیتے۔ غیرۃ بیگم۔ حکیموں کو دھوکا ہوا
اُنھوں نے جانا ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں دی جارہی ہیں پیٹ میں بادی بھرگئی
ہے اب چنبیلی نے دیکھا تو بتایا۔ کیوں خاتون بی میں تو سُنتی تھی کنچنیوں کے اولاد نہیں
ہوتی کیا میری ہی تقدیر پر ایسے پتھر پڑے تھے کہ مجھ پر کنچنی بھی آئی تو آتے دیر نہ ہو
اور ماں بن جائے۔ خاتون۔ نہیں بیوی کون کہتا ہے کہ کنچنیوں کے اولاد نہیں
ہوتی ہوتی ہے اور نہیں بھی ہوتی کیا تم بھول گئیں میری سوکن کون تھی اصل نسل
کی کنچنی جب میرا میاں اُس کو لایا تو خدا جانے نامرادیں مردوں کی آنکھوں میں کیا
ٹکی ڈال دیتی ہیں وہ جانتا تھا کہ سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی ہے پیچھے معلوم ہوا کہ چار

بچوں کی ماں تو وہ اُس وقت تھی اور ہمارے یہاں تو بیوی پانچ برس وہ جی میری
اتنی روک ٹوک پر سات یا آٹھ دفعہ اُس نے تیاری کی مگر واہ ری چنیا دائی ہو تو
ایسی ہو کبھی چوتھا نہ لگنے دیا۔ غیرۃ بیگم۔ وہ چنیا اب ہے۔ خاتون۔ مدتیں ہوئیں
مرکھپ گئی ستّر پچھتر برس کی تو وہ میری سوکن کے وقت میں تھی۔ غیرۃ بیگم۔ پھر
خاتون کوئی ویسی ہی تدبیر یہاں نہیں کرتیں۔ خاتون۔ بیوی تمھارے یہاں افتاد
دوسرے طور کی ہے ہم تو غریب آدمی اب بھی ہیں اور تب بھی تھے میاں سات روپے
مہینے پر ایک عطار کی دکان پر بیٹھتا تھا سامنے تھا اُس بیسوا کا کوٹھا آدمی تھا وہ بھی
طرح دار یہ نامراد اُس کے سر ہو ئی میں بارہ آنے مہینے کرایے پر دینا بیگ خاں کے
کٹڑے میں رہتی تھی ذرا سا مکان میرے اکیلے دم کا اُس میں مشکل سے گزر ہوتا
تھا سوکن صاحب جو آئیں بس میری گود میں بیٹھیں مردوا کم بخت اس طرح کا ظالم
کہ گالی دے بیٹھنا اُس کے آگے ایک بات اور بات بات میں مُکّا اور لات اگر وہ کبھی
مجھ کو اور سوکن کو آپس میں لڑتے دیکھ پائے تو دونوں کے ڈنڈے لگائے سو بیوی اپنی عزت
اپنے ہاتھ میں نے تو چوں نہیں کی اور ظاہر میں سوکن سے ایسی گھلی ملی رہی جیسے
سگی بہن پر دل سے تو وہ میری جان کی دشمن تھی اور میں اُس کی ایک جگہ کے رہنے
سہنے اور ظاہر کے میل ملاپ سے ایک یہ فائدہ تو تھا کہ میں جو چاہتی تھی سو کر گزرتی
تھی اور اُس کو یا مردوے کو شبہہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ تمھارے یہاں بیوی اول
دن سے کُھلّم کُھلّا بگاڑ پڑے ہوئے ہیں ایسی جگہ کوئی تدبیر چلنی ذرا مشکل ہے نہیں تو کیا
بڑی بات تھی چنیا نہیں چنیا کی بہنیں اور بہتیری آور دائی کا بھی اس میں کیا کام
ایک سے ایک دوا مجھ کو ایسی معلوم ہے کہ چٹکی بجاتے میں کھڑا پھٹکا نہ کھائے غیرۃ بیگم

اُئی بوا اچھی میری خاتون ایسی کوئی دوا ہو تو ضرور مجھ کو بتاؤ۔ خاتون۔ دوائیں تو بہت
ہیں کارڈھے ہیں پینے کے کچھ لیپ ہیں لگانے کے آج کو دوا یہاں بنتی چھنتی ہوتی تو کچھ
بھی مشکل نہ تھا دوا تو بناتے ہیں اپنے ہاتھوں سے میاں کوئی کرے تو کیا کرے۔
غیرۃ بیگم۔ پھر تم ہی کچھ تدبیر نکالو گی تو نکلے گی ورنہ میں تو اپنی جان پر کھیلے بیٹھی ہوں
اور یہی بات اس وقت میں سوچ بھی رہی تھی خدا مجھ کو تو اُس دن کے واسطے نہ
رکھے ہائے کن آنکھوں سے دیکھوں گی کہ اُس کے بچے کھیلتے پھریں اور کن کانوں سے
سنوں گی کہ وہ اماں پکاری جائے تم سے کچھ ہوسکتا ہو تو کرو نہیں تو تم اکیلی کیا دنیا
دیکھ لے گی کہ جلا ہوا دل بہت بُرا ہوتا ہی اور کسی پر زور نہیں چلتا اپنی جان تو اپنے
بس کی ہی جان جائے گی بلا سے۔ غیرۃ میرا نام ہی نام کے پیچھے جان دوں تو سہی۔ خاتون
بیوی خدا کے واسطے تم ایسی ایسی باتیں میرے سامنے تو کرو مت سُن سُن کر میرے تو
ہوش اُڑے جاتے ہیں جان سی چیز کہاں پایئے تم اپنے ننھے ننھے بچوں کا مونہہ کرو۔
خدا تمھاری سلامتی میں ان کو پروان چڑھائے الٰہی تم کو ان کی بہاریں دیکھنی نصیب ہوں
اور قربان کی وہ نامراد سوکن خدا چاہے گا تو وہی نہ رہے گی ہراساں ہو تمھاری بلا
اور غم کرے تمھاری پاپوش جب خدا نہ کرے تمھاری ہی جان پر آ بنے گی تو ہم پندرہ
بیس بندے جو تمھاری جوتیوں سے لگے ہیں کیا مونہہ دیکھنے کے واسطے ہیں پہلے ہم
سب تم پر سے تصدق ہولیں گے تب جو بات سو بات۔ پر بیوی جو بات تم چاہتی ہو
جان جوکھوں کا کام ہی پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھولے تو اس کا بیڑا اُٹھائے پھر اس کو
چاہیئے آدمی دل کا پکا پیٹ کا گہرا بھروسے کا پورا کہ خدا نہ خواستہ کل کلاں کو کچھ ایسی ویسی
ہو تو اپنے اوپر جھیل لے جائے اور مالک کو بال بال بچائے سو تمھارے گھر میں تو میں

اس ڈھب کا کسی کو نہیں پاتی چھوکریاں ہیں چھچھوری کہ آدھی بات سن پائیں تو ایک ایک کی چار چار دل سے بنائیں اور سارے محلے میں دھوم مچائیں رہ گئیں مامائیں نوکریں تو ہر کسی سے کہتے جی لرزتا ہی اور مجھ اکیلی سے سارا سرانجام ہو نہیں سکتا۔ ایک میرا بھانجا ہی جو میرے میاں کی جگہ عطار کی دکان پر نوکر ہی اگر وہ گنٹھ جاے تو بس سارے کام آسان ہیں دیکھو میں اُس سے ذکر کروں گی پر بیوی تم اپنی جگہ بھی سمجھ لو میری تو اگر جان بھی تمھارے کام آجائے تو دریغ نہیں میں نے تمھارا نمک کھایا ہی اور میں اب دنیا میں جی کر بھی کیا کروں گی بہتیرا جی چکی پر میرا بھانجا بال بچہ دار آدمی ہی عمر بھی کچھ اُس کی ایسی بہت نہیں اُس کو تو کچھ ایسا ہی بھاری لالچ دیا جائے گا تو شاید وہ اس کام میں ہاتھ ڈالے تو ڈالے۔ غیرۃ بیگم۔ مجھ کو تو اگر کوئی کھڑا کر کے بیچ لے تو بھی عذر نہیں پر کسی طرح اس عذاب سے چھٹکارا ہو۔ خاتون۔ بیوی دیکھو خبردار میں تمھارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو نہیں تو سارے گھر پر آفت آجائے گی۔ غیرۃ بیگم۔ خیر خیر مناؤ تم نے کیا مجھ کو ایسا نادان سمجھ لیا ہی میں خوب سمجھتی ہوں کہ بڑے اندیشے کی بات ہی مجھ کو اپنے دونوں بچوں کی جان کی قسم کیا مجال کہ مونہ تک بات آجائے۔ خاتون۔ بس تو بات کو اپنے ہی تک رہنے دو جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو آپ خبر کر دوں گی اور میں تم کو یہی صلاح دیتی کہ مل جاؤ کیوں کہ ملاپ میں خوب کام نکلتا ہی مگر ملو نہیں تو یہ ہر وقت کا جھگڑا بکھیڑا تو موقوف کرو ورنہ کرے گا کالا چور اور پکڑے جائیں گے تمھارے دشمن بُرا چاہنے والے خاتون کے سمجھانے بجھانے سے غیرۃ بیگم نے باوجود دے کہ ناوقت ہو گیا تھا منگوا کر کھانا کھایا اور وہ جو سارے سارے دن ہر یالی کا جھگڑ لگا رہتا تھا وہ

بھی بند ہوا۔ آدمی لاکھ چھپائے پر دل کی کپٹ بے ظاہر ہوئے نہیں رہتی لوگ جو چوری یا دوسرے
جرموں کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے پندار میں بڑی بڑی پیش بندیاں کرتے ہیں اور آخر
کو وہی پیش بندیاں اُن کو رسوا اور فضیحت کراتی ہیں۔ یا تو تمام تمام دن دونوں سوکنوں
کی لڑائی کا ایک غل پڑا رہتا تھا یا ایک دم سے ہوا سناٹا تو غیرۃ بیگم اور خاتون کے
سوائے سبھی کو حیرۃ تھی کہ دلوں میں ایسی کیا نیکی خدا نے ڈالی کہ آپ سے آپ لڑتے
لڑتے رُک گئیں۔ باوجودے کہ خاتون نے سمجھا دیا تھا کہ جب سب ٹھیک ٹھاک
ہو جائے گا تو میں تم کو خبر کر دوں گی مگر غیرۃ بیگم کو اتنا صبر کہاں تھا اُس نے تو اگلے ہی
دن سے خاتون کی جان کھانی شروع کر دی۔ کیوں بی اب کب ہوگا کیا دیر ہے۔
کاہے کا انتظار ہے۔ اے ہے کبھی ہو بھی چکیگا یا نہیں۔ بس اب خاک ہوگا۔ تم کو نہیں
کرنا منظور تھا تو مجھ کو آس کیوں دی تھی۔ سختی سے سوم بھلا جو تُرت دے جواب۔ آخر
جب تقاضا حد سے گزر گیا تو ایک دن خاتون نے کہا لو بیوی خدا نے مجھ کو تم سے
سُرخ رو کیا اب کہیں اتنے دنوں میں جا کر بڑی مشکل سے معاملہ طے ہوا میں تو سمجھتی
تھی خدا جانے سر سے ہامی بھی بھرے یا نہ بھرے اور بھرے تو دس ہزار مانگے
پندرہ ہزار مانگے پر ماشاء اللہ قسمۃ تمھاری بڑی زبردست ہے سستا چک گیا ایک
ہزار روپیہ پہلے اور پھر چپ چپاتے خاطر خواہ کام ہوئے پیچھے ایک ہزار اور اور جو
خدا نہ کرے کہیں کھُل کھلا پڑے تو دو ہزار۔ غیرۃ بیگم تو کہہ ہی چکی تھی اگر مجھ کو کوئی
کھڑا کر کے بیچ ڈالے تو بھی عذر نہیں سنتے کے ساتھ لگی ہاتھوں سے سونے کے ٹھوس
کڑوں کی جوڑی اُتارنے کہ اتنے میں خاتون بولی بیوی کڑے مت دو میرا جی کڑھتا
ہے ننگے ہاتھ بُرے لگیں گے اور لوگوں میں بھی پرچول پڑے گی بلکہ جتنا گہنا تم پہنے

رہتی ہو اس میں سے کچھ بھی مت دو غرض جس جس طرح خاتون کہتی گئی کچھ نقد و جنس
ملا کر ہزار پورے کر اُس کے پلّے باندھے۔ ہزار معجل[۱] اور ہزار موجل[۲] کے بدلے خاتون
نے یہ کار نمایاں کیا کہ چوہوں کے بہانے سے تھوڑی سنکھیا بھانجے سے مانگ لائی
دونوں گھروں میں دودھ کا راتب بندھا ہوا تھا گھوسن بڑے سویرے آتی اور سب سے
پہلے یہیں کا راتب لاتی۔ خاتون اندھیرے مُونہ اُٹھ مردانے میں جا بیٹھی جوں
گھوسن نے پاؤں اندر رکھا کہ خاتون نے اُس سے لڑنا شروع کیا کہ ساری دنیا
میں جلوائی ہوئے گھوسی ہوئے دودھ میں پانی ملاتے ہیں یہ کہیں سے بے چاری
انوکھی گھوسن نکلی کہ پانی میں دودھ ملا کر لاتی ہے پرسوں کھیر پکی کسی نے مُونہ پر نہیں
رکھی کل جوں چاہا کہ سویّوں میں ڈالیں نیلا نیلا نسوت پانی۔ ہر روز بیوی کو ہم
لوگوں پر خفا کرواتی ہے لا تیری ہنڈیا بیوی کو لے جا کر دکھاؤں تب تو اُنھیں
یقین آئے گا۔ غرض زبردستی گھوسن کے ہاتھ سے ہنڈیا چھین ڈیوڑھی میں لے
گھسی اور سنکھیا کی پڑیا دودھ میں گھول ہنڈیا گھوسن کو پھیر دی کہ بیوی کہتی ہیں
میرے پاس حرام کا پیسا نہیں ہے جا دور ہو اب میرے گھر دودھ نہ لانا۔ برسوں
کی لگی ہوئی گھوسن اور روز کا راتب اس طرح ملونی کرتی تو اتنی مدۃ کیوں کر نبھتی
بے چاری رونکھی اور کھسیانی ہو کر خاتون کا مُونہ دیکھنے لگی اور چھوٹے گھر کی ماما
کو آواز دے بھری ہنڈیا اُس کے حوالے کی کہ بڑی بی بی نے تو آج کئی برس کے
بعد جواب دیا چھوٹی بی بی بھی اگر دوسری گھوسن لگا لیں تو میری ہر روز صبح سویرے
کی اتنی دور کی رہٹ بچے۔ ہریالی نے دیکھا تو دودھ ہر روز جیسا گاڑھا اور چکنا اُس کے
جی میں آ گیا کہ میاں کئی بار فیرینی کی فرمائش بھی کر چکے ہیں لاؤ آج قلفیاں جما دیں

سارے کا سارا دودھ لے لیا جب دودھ لے چکی تب اُس کو خیال آیا کہ آج[۱] تو بڑے گھر کی باری ہے ماما سے کہا دیکھو تو کیا مجھ سے بھول ہوئی بڑے گھر کی باری کا خیال نہ رہا اور فیرینی کے لیئے اتنا سارا دودھ لے بیٹھی اب کیا کروں ماما نے کہا مضایقہ کیا ہے جاڑے کے دن ہیں اس وقت کی جمی ہوئی باسی قلفیاں تو کل تک ٹھنڈی ٹھنڈی اَور بھی مزے کی ہوں گی۔ غرض فیرینی پکا قلفیاں بھر الماری میں رکھ اوپر سے قفل لگا دیا۔ جن لوگوں کے بال بچے نہیں ہوتے جی بہلانے کو اکثر جانور پال لیا کرتے ہیں۔ ہریالی نے بھی طوطا اور مینا اور بلی اور کبوتر اور مرغیاں بہت سے جانور پال رکھے تھے اچھا ایک پیالہ بھر کر فیرینی اُن جانوروں کے لیئے الگ نکال کر تھوڑی ماما کے لیئے دیگچی میں لگی چھوڑ دی تھی۔ دو سیر دودھ مسالا کر پاؤ بھر چاول برابر کی کھانڈ فیرینی کا ہے کو تھی اچھا خاصہ کھویا کہنا چاہیئے۔ جس نے پائی خوب مزے سے کھائی دو گھنٹے نہیں گزرنے پائے تھے کہ سب سے پہلے میاں مٹھو ٹیں ہوئے پھر تو باری باری سے اوپر سوپر[۲] کوئی جلدی کوئی دیر مینا سکڑ رہی بلّی بولائی کبوتر چکرائے مرغیاں اونگھنے لگیں ماما مارے قے اور دستوں کے بدحواس ہوگئی ڈولی میں لاد اُس کے گھر لو پہچوایا۔ اُس کا بیٹا تھانے میں نوکر تھا سنتے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا ماں کو دیکھا تو آدمی کو نہیں پہچانتی تھی نیم جان کو اُٹھا کر ہسپتال لے گیا ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا پانی جو پیٹ میں سے نکلا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال کر دیکھا تو سنکھیا تھی آخر ڈاکٹر نے سوچ سوچ کر یہ کہا کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس نے کتنی سنکھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اس کے پیٹ میں سے نکلی ہے اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہوگی تو قاعدے کی رو سے

[۱] یعنی میاں بڑے گھر میں رہیں گے ۱۲ [۲] یعنی مشکل سے ۱۲

اس کو مرنا نہیں چاہیئے۔ غرض سنکھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہوگا اوپر تلے دینا شروع کیا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہوتے بیمار کی طبیعت کچھ سنبھلی آخر لوٹ پیٹ کر اچھی تو ہوئی مگر کچھ ایسا روگ لگ گیا کہ جب تک زندہ رہی مارے دھڑکن کے بے چاری کو ساری ساری رات بیٹھے گزر جاتی تھی۔ اُدھر ہریالی کے یہاں جس جس جانور نے ذرا سی فیرینی کھائی سبھی کی تو موت آئی ہریالی اپنے اس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھڑی دن رہتے رہتے توکوتوالی کے لوگ مردانے میں آبھرے پکڑ دھکڑ ہونے لگی فیرینی کی قلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں توکوالی والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے دستور کے مطابق ایک ایک کو الگ لے جا لے جا کر پوچھ گچھ کرنے غرض چھ گھڑی رات کی توپ نہیں چلی تھی کہ کوتوالی والوں نے سارا مقدمہ مرتب کر لیا محلے والوں نے اظہار دیئے کہ دونوں گھروں میں ہر وقت کو سم کا ٹا رہا کرتی تھی اب ہفتے عشرے سے امن ہے۔ گھوسن نے بیان کیا کہ میں مدۃ سے دونوں گھروں میں دودھ کا رتب لاتی ہوں کبھی کسی نے دودھ کو برا نہیں بتایا کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملونی ہوتی ہے اور ہنڈیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس گئی اور پھر الٹے پاؤں ہنڈیا لے کر باہر آئی کہ ہوی نہیں لیتیں میں نے وہی ہنڈیا جوں کی توں چھوٹے گھر میں بھیج دی دونوں گھروں کی ماؤں نے ایک زبان گواہی دی کہ گھوسن نے دودھ کبھی برا نہیں دیا۔ حکیم عطار نے تصدیق کی کہ میری دکان پر خاتون کا بھانجا بیٹھتا ہے اور جس وقت میں دکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا ہے اور میری دکان میں سنکھیا بھی رہتی ہے مگر میری سخت تاکید ہے

کہ دیکھو سنکھیا۔ کچلا۔ جمال گوٹا۔ شنجرف۔ ہرتال۔ بچناگ۔ دھتورا۔ اس قسم کی چیزیں
ان جان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا۔ ان چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا
شہر میں کوئی عطار بھی نہیں رکھتا۔ خاتون کے بھانجے کو بلوایا بہتیرا ڈھونڈا
اتفاق سے اُس وقت نہیں ملا بلکہ کوتوالی والوں کو شبہہ ہوا کہ کہیں خبر پاکر روپوش
تو نہیں ہو گیا بس اسی کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اُسی وقت لکھا پڑھی
ہو کر چالان ہو جاتا۔ گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی
اور ڈیوڑھی تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی کوتوالی والوں کو ہوا تامل کہ اُس کو
دوسرے نوکروں کی طرح باہر بلوائیں یا آپ ڈیوڑھی کے پاس جا کر اُس سے پوچھ پاچھ
کریں اتنے میں تو سید ناظر خبر پاکر آموجود ہوئے اگر ناظر ذری دیر اور نہ آتے تو
خاتون کی کیا اصل تھی کوتوالی والے تو اُس کے اچھے سے قبول کروا لیتے بلکہ وہ
تو اس فکر میں تھے کہ اپنی طرف سے کسی عورت کو اندر بھیج کر خود بیگم صاحب کی مزاج پرسی
کریں۔ ناظر کا آنا تھا کہ مقدمے کا رنگ بدل گیا کوتوال نے مناسب سمجھا کہ رات گئی
ہی زیادہ اس وقت تحقیقات کو ملتوی کیا جائے فیرینی کی قلفیاں اور مرے ہوئے
جانوروں کی لاشیں یہی دو بڑے ثبوت تھے سو دونوں ہمارے ہاتھ میں ہیں اب
ناظر نہیں ناظر کے باپ بھی قبر سے اُٹھ کر آئیں تو کیا کرلیں گے ماما کے پیٹ میں سے
سنکھیا نکل چکی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اتنے سارے جانور سب سنکھیا سے
مرے اور فیرینی میں سنکھیا موجود اب رہ گئی یہ بات کہ سنکھیا دی تو کس نے دی سو
نہ دونوں سوکنوں سے انکار ہو سکتا ہے اور نہ دونوں کی عداوت سے۔ زہر خورانی کا
مقدمہ اس سے زیادہ اور کیا صاف ہوگا۔ صاحب مجسٹریٹ کو توالی کے چالان

کیئے ہوئے مجرم اکثر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اُن کو کوتوالی کے ساتھ خدا واسطے ایک ضد سی آپڑی ہے لیکن اگر اس مقدمے کو بگاڑا تو علم کی قسم صاحب سوپرنڈنٹ کو سمجھا کر صدر کو ایسی رپورٹ کراؤں کہ جواب دیتے نہ بن پڑے اور میاں ناظر کو بھی وکالہ کا بڑا گھمنڈ ہے بڑی مدۃ میں اونٹ پہاڑ کے تلے آیا ہے دیکھیں تو اب ہائی کورٹ کی کون سی نظیر پیش کر کے بہن کو بچاتے ہیں۔ غرض کوتوال خاتون کو ناظر کے سپرد کر حوالہ نامہ لکھوا گھوسن کو ساتھ لے چلتا ہوا اور سیدھا پونہچا صاحب سوپرنڈنٹ کے پاس اور اُن کو مقدمے کی روداد سمجھا کر کہا کہ مقدمہ ہے سنگین اور مجرم عورتیں پردہ نشین سیّد ناظر وکیل کا نام حضور نے سُنا ہوگا اصل میں اُن کی بہن نے سوکن کو زہر دلوایا مگر وہ اتفاق سے بچ گئی کل حضور بھی موقع واردات تک چلیں ورنہ وکیل صاحب بڑے شورہ پشت اور ثقہ بدمعاش ہیں ہم لوگوں کے قابو میں آنے والی اسامی نہیں۔ ادھر ناظر بہن پاس گیا تو دیکھا کہ مارے ہول کے دست پر دست چلے آرہے ہیں دیکھنے کے ساتھ ہوش ہی تو خطا ہو گئے اور سمجھا سب سے بڑا ثبوت تو خود ان کی حالۃ ہے آخر بہن سے اتنا کہا کہ بڑے بھائی نے تم کو اس قدر ڈرا دھمکا دیا تھا مگر تم نے نہ مانا اور دل کی بودی طبیعۃ کی کچی ہمۃ کی ہیٹی تھیں تو ایسے کام پر تم کو جرأۃ کیوں کر ہوئی بس اب تین پہر رات اور ہے صبح ہوئی اور تمھاری ڈولی کوتوالی چلی۔ بھائی کے مونہ سے اتنی بات سُن غیرۃ بیگم کو اور تو کچھ نہ سوجھا بہت دن ہوئے تولہ بھر افیون منگوا کر صندوقچے میں رکھ چھوڑی تھی دوڑی دوڑی کوٹھری میں جا صندوقچہ کھول افیون کا گولا نکال اوپر سے بھر اکٹورا پانی کا پی لیا۔ بتول کی انّا کو یہ حال معلوم تھا کہ انھوں نے صندوقچے میں افیون رکھ

چھوڑی ہی دالان کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی بھائی بہن کی باتیں سُن رہی تھی بیوی
کو جو اس طرح گھبرا کر اندھیری کوٹھری میں جاتے ہوئے دیکھا جلدی سے بتول کو
چارپائی پر لٹا ہیٹتی ہوئی بھاگی کہ اے ہے خاک پڑے اس جھگڑے پر لو اب تو دشمنوں
کو ٹھنڈک پڑی وہ بیوی نے افیون کھالی۔ اتنے میں تو غیرۃ بیگم بھی کوٹھری سے
یہ کہتی ہوئی نکلی کہ بھائی تم کچھ تردد مت کرو میں بُری تھی بُری سے خدا نے تم سب کا
پیچھا چھڑایا صبح تک میں ہی نہیں رہوں گی کوتوال کو اختیار ہے میرا مردہ لے جا
کوتوالی میں دفن کرے۔ زہر خورانی کا ایک مقدمہ تو قائم تھا ہی اقدام خ
دوسرا اَور ہوا۔ معصوم اور بتول دونوں بے خبر پڑے سوتے تھے۔
سوتوں کو گود میں لے کر پیار کیا اور دونوں کو گلے لگا کر ایسی بلک
کہ گھر میں قیامت برپا ہوگئی۔ ناظر نے جو بہن کا بلبلانا دیکھا اور
کہ بس یہ بھی دنیا میں تھوڑی دیر کی مہمان اَور ہے پھر کہار ... ہا س کے
سر پر ایسا جنون سوار ہوا کہ نہ پکارا نہ کنڈی کھڑکھڑائی ... اجازۃ لی
مُونہ اُٹھا سیدھا چھوٹے گھر میں جا گھسا دونوں ... ر جوڑے بیٹھے
ہوئے خدا جانے کیا صلاحیں کر رہے تھے ملبہ ... دور سے ڈانٹا
اَیں اَیں کیا بدتمیزی ہے اندھے ہو تم کو معا ... ر اس مرتبہ بہن کو
مداخلت بے جا کی نالش پر آمادہ کرتے تھے ... بے جا نہیں ہے۔ ناظر۔ اللہ سے
یرا پردہ تو سوچو ہے کھا کے بلّی حج کو ... پردے والی بنی تو پردے والی نے
افیون کھائی اور دنیا جہان سے ... ے لی تیاری کی۔ مبتلا۔ الحمد للہ
س کم جہان پاک مگر ذرا تم ... تے تو نظر آؤ۔ سامنے سے پرے ہٹنے ہو

یا میں اُٹھ کر تم کو رستہ دکھاؤں۔ مبتلا کا اتنا کہنا تھا کہ ناظر یا تو صحن میں تھا یا مبتلا
کی چھاتی پر۔ پھر تو دونوں میں خوب کشتی ہوئی۔ ناظر دیہات میں پیدا ہوا دیہات
میں پلا ہاتھ پاؤں کا ٹھلا۔ گٹھیلا۔ برسوں اکھاڑے کا لڑا ہوا بیسیوں داویا د
پچاسوں گھاتیں معلوم سیکڑوں پیچ رواں اور اب تک بھی دو وقتہ ڈنڑ مگدر
کبھی اُس نے ناغہ نہیں ہونے دیئے۔ مبتلا بے چارے نازنین میر پھو یا مرزا ہمین
ناظر نے وہ وہ پٹخنیاں دیں اور ایسا ایسا رگڑا کہ آنکھیں نکل نکل پڑیں اور سانس
اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے۔ مبتلا کے پاس بھکینی پچپیتی کل جمع تین حربے چٹکیاں
لینا نوچنا کاٹنا سو ناظر کی پھرتی کے مقابلے میں ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ مبتلا کو اگر
معلوم ہو کہ یہ کم بخت چھوٹا کھوٹا چھپا رستم ایسے غضب کا بجھا ہوا ہے تو کبھی بھول کر
بھی اُس سے دو بدو نہ ہو مگر اس کی تقدیر میں تو دو بیبیاں کر کے ہر طرح کی
مصیبت اُٹھانی تھی چھوٹا سمجھ کر اُس کو ایک ڈانٹ بتائی بیٹھے بٹھائے اور اپنی
شامت لوائی۔ ہریالی نے جب دیکھا کہ میاں کو ناظر گیند کی طرح اچھالے اچھالے
پڑا پھرتا ہے یہاں سے اُٹھایا اور وہاں دے مارا اور اُدھر سے اُچھالا اِدھر لا پٹکا
ایسی دہشت دل میں سمائی کہ اس کا حمل جس کے سبب سے اتنا سارا فساد ہوا ساقط
ہو گیا۔ ناظر کیا مبتلا کو جیتا چھوڑتا وہ تو خدا کا کرنا عین وقت پر سید حاضر آ پہنچے
دیکھا تو گھر میں مجموعہ تعزیرات ہند پھیلا پڑا ہے مگر کیا قائم مزاج آدمی تھا آتے کے
ساتھ سب سے پہلے تو ناظر اور مبتلا کو چھڑایا پھر نمک ڈال بھر بھر لوٹے گرم پانی
غیرۃ بیگم کو پلانا شروع کیا۔ غیرۃ بیگم اس طرح کی ضدی عورت تھی کہ اگر ساری دنیا
ایک طرف ہوتی تو گرم پانی کا کٹورا مونہ کو نہ لگانے دیتی مگر کچھ تو بڑے بھائی کا

لحاظ اور ادھر جھپکے سے کسی نے کان میں جھک کر کہہ دیا کہ مبارک ہو ہریالی کا حمل تو گر گیا
بے عذر خوب ڈکڈکا کر پانی پی لیا پانی کا حلق سے اُترنا تھا کہ استفراغ ہوا اور استفراغ
کے ساتھ کھٹ سے افیون کا گولا سموچے کا سموچا نکل کر الگ جا پڑا اُدھر ہریالی کی خدمت
کے لیئے دوہری دوہری دائیاں بلوائیں اور پھر مبتلا اور ناظر دونوں کو ساتھ لے جا کر
بیٹھا کہ ہر چند تم دونوں کی طبیعتیں اس وقت حاضر نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ مزاج میرا بھی
ٹھکانے نہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو آدھی رات ڈھل چکی ہو صرف سوا پہر کی مہلت ہے سامان
تو بدقسمتی سے ایسا جمع ہوا ہو کہ اب آبرو بچتی ہوئی نظر نہیں آتی اور جب آبرو پر
بنی تو سب سے پہلا شخص جو جان دینے میں دریغ نہ کرے میں ہوں دیکھو تو کتنے آدمی
ہم لوگوں کے ملاقاتی ہیں مگر ہم دردی اور مدد تو درکنار مرد عورۃ کوئی آکر بھی جھانکا
سچ کہا ہو گاڑی بھر آشنائی کام کی نہیں اور رتّی بھر ناتا کام آتا ہو۔ بڑے سخت افسوس
کی بات ہو کہ جب ناتے سے کام لینے کا وقت آیا تو تم لوگ آپس ہی میں لڑنے لگے جس طرح
پر تم دونوں میں لڑائی شروع ہوئی میں سب سُن چکا ہوں تم میں سے کسی کو مجھ سے
یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ میں ایک کو ملزم ٹھیراؤں اور دوسرے کو بری۔ جس طرح
تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اسی طرح لڑائی کبھی ایک کے لڑنے سے نہیں لڑی جاتی
میں تم دونوں کو برابر الزام دیتا ہوں لیکن رشتہ داروں میں اگر کسی بات پر رنج بھی
ہو جاتی ہو تاہم اُن کے خون ملے ہوئے ہیں وہ ظاہر میں جدا ہیں اور باطن میں ایک۔
غیرۃ بیگم کا افیون کھالینا سن کر مبتلا بھائی کو مُونھ سے الحمد للہ کہہ دینا بہت آسان تھا
لیکن جب غیرۃ بیگم کی مدۃ حیاۃ پوری ہو اور خدا کرے کہ مبتلا بھائی اُس کو اپنے
ہاتھوں سے مٹّی دیں تو دنیا میں سب سے بڑھ کر رنج کے کرنے والے بھی یہی ہوں گے

گھر کس کا برباد ہوگا ان کا۔ اولاد کس کی بے ماں کے ماری ماری پھرے گی ان کی۔ کنبے والوں کا میل ملاپ کس سے چھوٹ جائے گا ان سے۔ بھلے مانسوں میں جو خانہ داری کی ساکھ ہوتی ہے یعنی تمدنی عزۃ وہ کس کی جاتی رہے گی ان کی۔ اس میں شک نہیں چھوٹی بھاوج کی وجہ سے دلوں میں بڑے فرق پڑ گئے ہیں اور پڑنے ضرور تھے مگر پھر بھی غیرۃ بیگم کی ناموس کا پاس ہم کو چھٹانک بھر ہوگا تو مبتلا بھائی کو سیر بھر۔ میں جانتا ہوں کہ مبتلا بھائی بڑے ضبط کے آدمی ہیں مونہ سے نہیں کہتے مگر ان کے تلووں سے لگی ہے۔ ناظر کیا کوئی تم سے خیر کی توقع کرے گا جب تم ایسی مصیبۃ میں مبتلا بھائی کی مدد نہ کرو ہزاروں مقدموں میں تم بطمع صلہ پیروی کرتے ہو اس ایک مقدمے میں صلۂ رحم کو صلہ سمجھو اور میری خاطر سے اپنی بہن کی خاطر سے بھانجا بھانجی کی خاطر سے غصے کو تھوک کر بچاؤ کی کوئی صورۃ نکالو اور تم مبتلا بھائی از برائے خدا رحم کرو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بزرگوں کے نام پر خاندان کی عزۃ پر۔ تم کو معاملات مقدمات کا کبھی اتفاق نہیں پڑا کوتوالی والے مدۃ سے تم پر دانت لگائے بیٹھے ہیں خدا جانے کس بلا میں تم کو پھنسا دیں گے۔ ناظر تمھارا خرد ہی اگر اس نے بے تمیزی کی تو بہت برا کیا جھک مارا میں اس کی طرف سے معذرۃ کرتا اور تمھاری ٹھوڑی میں ہاتھ ڈالتا ہوں جانے دو معاف کرو۔ اس کے بعد ناظر کو پکڑ کر مبتلا کے پیروں پر گرایا اور ناظر اور مبتلا دونوں کو گلے لگوایا وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے مل کر روئے حاضر بہن کی تباہی کا تصور کر کے مغموم تو پہلے سے تھا اب ان کو روتا ہوا دیکھ کر آپ بھی رونے لگا۔ جب سب کے دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو حاضر نے ناظر سے پوچھا کیوں بھائی اب کرنا کیا چاہیئے۔ ناظر۔ خیر اب آپ فرماتے ہیں اور آپا کا قدم درمیان

میں ہو تو میں اس مقدمے میں ہاتھ ڈالتا ہوں مگر مبتلا بھائی نے آج اس رنڈی کے سامنے (آپ برا مانیں یا بھلا مانیں میں تو اس کو ساری عمر بھاوج کہنے والا نہیں) ایسا ذلیل کیا ہے کہ میں اس رنج کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب آپا نے میرے بیٹھے پر افیون کھائی تو میں گھبرا کر اس غرض سے ان کے پاس دوڑا ہوا گیا تھا کہ ہم دونوں ہم صلاح ہو کر تدبیر کریں۔ انھوں نے مجھ کو دروازے میں سے دیکھ کر اس طرح دتکارا کہ کوئی کتے کو بھی نہیں دتکارتا مجھ کو رہ رہ کر غصہ آتا ہے کہ انھوں نے تو شرم و حیا سب کو بالائے طاق رکھ دیا اب آپ کے سامنے میرا مونہ کھلواتے ہیں کل کی بات ہے کہ یہی نالائق جو آج بڑا لمبا چوڑا پردہ لگا کر بیٹھی ہے (بے اختیار جی چاہتا ہے کہ مارے جوتیوں کے بد ذات کے سر پر ایک بال باقی نہ رکھوں) ٹکے ٹکے پر ماری ماری پڑی پھرتی تھی اور کوئی اس پر تھوکتا بھی نہ تھا ان ہی سے پوچھیے کہ کئی بار میرے یہاں اس کا مجرا ہوا جب آتی تھی ڈیوڑھی میں سے فراشی سلام یا اب اس کو یہ بھاگ لگے ہیں کہ ہمارے سامنے ہونے سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ عزت بنائے سے نہیں بنتی بلکہ خدا داد چیز ہے آج تو یہ پردہ نشین بنی کل کو سیدانی بن کر چاہے گی کہ ہماری ماں بہنوں کے ساتھ بیوی کی صحنک کھائے پرسوں اس کے بال بچے ہوں گے اور کہے گی کہ سیدوں میں رشتہ ناتا کرتی ہوں تو کوئی بھلا مانس اس کو جائز رکھے گا۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ہماری آپا کا صبر پڑ رہا ہے اور ابھی کیا ہے یہ مظلمہ تو مبتلا بھائی کو ایسے ناچ نچائے گا کہ ہریالی کو ساری عمر ایسا ناچ ناچنے کا اتفاق نہ ہوا ہو گا۔ ناظر تو باتوں باتوں میں گرم ہوتا جاتا تھا اور مبتلا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں کہ اگر اب کے پھر کہیں یہ جن لپٹ پڑا تو ہڈی پسلی ایک کر کے رکھ دے گا۔ حاضر کے بیٹھے کی اگر ڈھارس نہ ہو تو قریب تھا کہ مبتلا کی گھگھی

بندھ جائے بارے حاضر نے کہا بھائی ناظر یہ تو تم پھر بگاڑ کی سی باتیں کرتے ہو یہ سچ ہی کہ مبتلا بھائی کی نادانی نے سارے گھر کو تہ و بالا کر دیا مگر یہ بھی تو نہیں ہو سکتا کہ ہم غیروں کی طرح دور کھڑے ہوئے تماشا دیکھیں۔ ناظر۔ یہ تو میں نے وہ حقیقۃ بیان کی جو میرے دل میں تھی رہ گیا مقدمہ اُس سے آپ اطمینان رکھیے۔ مبتلا بھائی کو روپیہ تو بہت خرچ کرنا پڑے گا ایسا کوئی پانچ چھے ہزار مگر خدا نے چاہا تو ان پر اور ان کے طفیل میں ہریالی پر کوئی گزند نہیں آنے پائے گا۔ اس وقت تک مبتلا کو مقدمے کی واقعی رودا د اور کوتوالی کی تحقیقات سے اپنی اور ہریالی دونوں کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور دونوں اپنی جگہ خوش تھے کہ چاہ کن را چاہ در پیش سنکھیا دی اسی غرض سے کہ ہم دونوں کھائیں اور مر کر رہ جائیں خدا کی قدرۃ ہم دونوں کے مونہ پر رکھنے کی بھی نوبۃ نہیں آئی اور او پر ہی او پر ماما کے بیٹے نے جا سرکار میں خبر پونہچائی اب لینے کے دینے پڑے غیرۃ بیگم کو پھانسی ہو تو پھانسی ورنہ عمر قید میں تو شک ہی نہیں چلو سستے چھوٹے اور روز کا ٹنٹا مٹا۔ ناظر کے مونہ سے یہ کلام سن کر کہ پانچ چھے ہزار روپیہ خرچ کرو تو تم پر گزند نہیں آنے پائے گا مبتلا تو حیران ہو کر اُس کا مونہ دیکھنے لگا اور بے اختیار بول اُٹھا کیوں صاحب اُلٹا چور کوتوال کو ڈانڈے مجھی کو زہر دیا جائے اور میں ہی گزند سے بچنے کے لیئے پانچ چھے ہزار روپیہ بھی خرچ کروں کیا انگریزی عملداری میں یہی انصاف ہی۔ ناظر۔ ہوش کی بنواؤ تماش بینی اور شے ہی اور مقدمہ کی باریکی کو پونہچنا کچھ اور چیز ہی تم کو اتنا تو معلوم ہی نہیں کہ معاملہ کس کو کہتے ہیں اور مقدمہ کس جانور کا نام ہی۔ میں تو زبان دے چکا ہوں اور بدعہدی کسی شریف آدمی کا کام نہیں اس لیئے چند تہ کی باتیں تم کو سمجھاتا ہوں۔ کوتوالی کی تحقیقات کو تو عدالۃ میں کوئی پوچھتا تک نہیں رو داد

وہی معتبر ہی جو عدالت کی مثل ہیں ہو گیا تم نے نہیں دیکھا کہ کوتوالی کے لوگ زبانی پوچھ گچھ کے
سوا کسی کا اظہار تک قلم بند کر نہیں سکتے۔ اصل بات یہ ہی کہ پہلے کوتوالی اور فوج داری
ایک تھی جب یہ لوگ لگے اظہار کارگزاری کے لیے ہر واردات بے سُراغ کے لیے مجرم
بنانے اور اصل مجرموں سے سازش کر کے بے گناہوں کو ناحق پھسانے تو سرکار
نے کوتوالی اور فوج داری کو الگ کر دیا۔ اب تو کوتوالی والوں کا اتنا ہی اختیار ہی کہ جس کو
اپنے نزدیک مجرم سمجھیں حاکم عدالت کے پاس چالان کر دیں۔ حاکم عدالت مدعی اور مدعا علیہ
گواہوں کے اظہار قلم بند کرتا ہی اور اپنے یہاں کی روداد پر سزا یا رہا کرتا ہی۔ کوتوالی
والے اناپ شناپ جس کو پکڑ پاتے ہیں چالان کر دیتے ہیں عدالت میں گئے اور رہا ہوئے
اور ہمارے صاحب مجسٹریٹ کوتوالی سے اس قدر بدظن ہیں کہ مجسٹریٹی کا اجلاس
کرتے ہوئے پورا برس نہیں ہوا اتنے ہی دنوں میں کوتوالی والوں سے جیل خانہ بھر دیا۔
غرض کوتوال اور اُن کی تحقیقات کی تو کچھ بھی حقیقت نہیں اب رہ گئی مقدمے کی روداد
سو اُس کا حال یہ ہی کہ سنکھیا تو حقیقت میں پکڑی گئی ہریالی کے یہاں پس مدعا علیہ اول
ہوئی ہریالی اور پہلے اُسی پر اشتباہ کیا جائے گا کہ اُسی نے فیرینی میں ڈالی یا ڈلوائی۔
بتلا۔ بھلا وہ کم بخت بد نصیب کس کو سنکھیا دینے اُٹھی تھی اپنے تئیں یا مجھ کو یا اپنی ماما
کو جو سالہا سال سے نوکر ہی اور کبھی اُس کو پھٹے مُونہ تک نہیں کہا یا اپنے پالے ہوئے
جانوروں کو جنھیں وہ بچوں کی طرح عزیز رکھتی ہی۔ ناظر۔ جانوروں کی تو بات الگ ہی۔ لیکن
دوسرے احتمالات میں تو کوئی استبعاد [1] کی بات نہیں۔ ہو سکتا ہی کہ اُس نے خود سنکھیا
کھانے کا ارادہ کیا ہو عورتیں اکثر خودکشی کر بیٹھتی ہیں یا تم کو اُس نے زہر دینا چاہا ہو تو
عجب نہیں بازاری خلقہ کا بھروسا کیا خدا جانے اُس نے کیا سمجھ کر تم سے نکاح پڑھایا

[1] بعید از قیاس ہونا ۱۲

اور اب جو اُس کی مراد بر نہ آئی تو اُس نے اپنا پنڈ چھڑانے کے لیئے یہ تدبیر کی اگر وہ اپنی
حالۃ سابقہ پر عود کرنے کی آرزومند ہو تو اُس سے کچھ دور نہیں۔ ماما تم خود کہتے ہو کہ
اُس کے پاس مدۃ سے ہو تو ضرور اُس کے پچھلے حالات سے بخوبی واقف ہو گی اور عداوۃ
کے لیئے اتنی بات کافی ہی۔ اور سنکھیا کے لیئے تمھاری اور ہریالی کی اور ماما کی کیا تخصیص
ہی۔ معصوم سارے سارے دن ہریالی کے یہاں رہتا ہی وہ یقیناً اُس کی جان کی
دشمن ہی۔ ان کے علاوہ ایک احتمال اَور ہی اور وہ سب میں زیادہ قرینِ قیاس ہی کہ آپا
کے پھنسانے کے لیئے یہ سارا منصوبہ سوچا گیا ہی ورنہ سبب کیا کہ جانوروں تک کو فیرنی
کھلائے اور آپ مُونہ تک نہ لے جائے۔ اور بدذات نے کیا چالاکی اور بے رحمی کی ہی
کہ بے زبان جانوروں کو تو اتنی فیرنی ٹھُسائی کہ ایک نہ بچا اور لہو لگا شہیدوں میں داخل
ماما کو بھی ذراسی چٹا دی کہ دوچار دست آکر اچھی خاصی کی خاصی۔ مبتلا۔ ہاں لیکن
کیا گھوسن کی گواہی پر کچھ لحاظ نہ ہوگا۔ ناظر۔ کیا معلوم کہ عدالۃ تک پہنچتے پہنچتے گھوسن
اپنے بیان پر قائم بھی رہتی ہی یا نہیں اور فرض کرو کہ قائم رہے تو اُس نے تو سنکھیا کا
نام تک بھی نہیں لیا بلکہ میری نظر سے دیکھو تو گھوسن کا بیان ہریالی کے حق میں سمّ
قاتل ہی وہ کہتی ہی کہ خاتون نے مجھ کو دودھ کی ہنڈیا واپس کر دی۔ بہت خوب۔
ہریالی نے جب یہ سُن لیا تھا کہ بڑے گھر سے دودھ برا سمجھ کر واپس کیا گیا تو اُس نے چُپ چپاتے
ضرورۃ سے زیادہ بھری کی بھری ہنڈیا رکھ کیوں لی۔ بس یہیں تو پانی مرتا ہی اس سے
صاف شبہہ ہوتا ہی کہ ہریالی نے گھوسن سے مل کر اُسی کے گھر دودھ میں سنکھیا گھلوائی
اور جب خاتون دھوکے میں نہ آئی تو دوسری چال چلی اور پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ہریالی
اور تم دو نہیں ہو ہریالی کا کرنا عین تمھارا کرنا ہی اور ابھی خاتون کے بیان کی تو نوبۃ

آنے دو دیکھو تو وہ کیا زہر اگلتی ہے۔ کوتوالی والوں کی کار روائی میں فی الواقع ہمیشہ ایک بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ تحقیقات سے پہلے مقدمے کو کسی ایک پہلو پر ڈھال لے جاتے ہیں اور پھر اخیر تک باصرار اُسی پہلو کی تائید میں لگے رہتے ہیں۔ جو باتیں میں نے تم سے سرسری طور پر بیان کی ہیں ان میں سے ایک کی طرف بھی کوتوال صاحب کا ذہن منتقل نہ ہوا ہوگا اور ہم لوگوں کو تو باتیں حاکم کی میز پر سوجھتی ہیں عین وقت پر کچھ اس طرح کا بہرہ کھل جاتا ہے کہ خودبخود بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔ مبتلا کی ساری ہمہ تمام عمر رہی مصروف حسن و عشق میں مدعی اور مدعا علیہ بننا درکنار اُس کو کبھی گواہی دینے کا بھی اتفاق نہیں پڑا بچپن کا لاڈلا جوانی کا چھیلا وہ وکیلوں کے چھل فریب کیا سمجھے ناظر نے جو اُلٹی سیدھی باتیں سمجھائیں چھکے ہی تو چھوٹ گئے اور سمجھا کہ بس اب نہیں بچتا۔ سنکھیا کا غصہ ہریالی کا رنج اپنی چوٹ اگلے پچھلے گلے شکوے سب کچھ بُھلا بسرا ناظر کے گلے سے لپٹ گیا کہ بس اب اوپر خدا ہے اور نیچے تم چاہو مارو چاہو جِلاؤ چاہو اُجاڑو چاہو بساؤ۔ ناظر۔ مقدمہ تو میری طرف آیا گیا ہوا اور سمجھو کہ مقدمے کا میں ہی پیرو ہوں، مقدمے کا خرچ کا بندوبست تم کرو۔ مبتلا۔ خرچ کا بندوبست بھی تم ہی کو کرنا پڑے گا تم کو تو گھر کا ذرا ذرا حال معلوم ہے۔ ناظر۔ کیا مضایقہ خرچ کا بھی انتظام ہو جائے گا مگر آخر دینا تو تم ہی کو پڑے گا۔ مبتلا۔ کوڑی کوڑی۔ ناظر۔ خیر تو آپ دو رقعے میرے نام لکھیے ایک تو کل کی تاریخ میں کہ چوہوں کی جیسی کثرت ہے تم کو معلوم ہے اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ کھونٹیوں پر لٹکے ہوئے کپڑے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کیے ڈالتے ہیں ناچار تھوڑی سنکھیا منگوائی پڑیا چھوٹے گھر کے بیچ والے دالان میں اس خیال سے کہ کسی کا ہاتھ نہ پڑے اونچے پر رکھوائی تھی یہ ذکر کوئی سات یا آٹھ دن پہلے کا ہے کل

کیا اتفاق ہوا کہ شام کے وقت ایک روپئے کی کھانڈ کا پڑا آیا اور جیسا دستور ہی پڑے کے ساتھ نمونے کی پڑیا۔ سنکھیا کا تو خیال نہ تھا کھانڈ کا پڑا اور پڑیا دونوں کو اُسی طاق میں رکھوا دیا جس میں سنکھیا کی پڑیا تھی آج خود گھر والی نے اپنے ہاتھ سے فیرینی میں کھانڈ ڈالی تو انھوں نے کہا پڑیا کی کھانڈ بھی کیوں ضائع ہو پڑا اور پڑیا دونوں اُتار لائیں مگر پڑیا سنکھیا کی تھی باورچی خانے میں بھی دھوئیں کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا اور چوں کہ دل میں کسی طرح کا کھٹکا نہ تھا انھوں نے دیکھا بھی نہیں فیرینی پک کر تیار ہوئی تو تھوڑی جانوروں کو دی جو گھر والی نے اپنے شوق کے لیئے پال رکھے تھے اور جو دیگچی میں لگی رہ گئی تھی ماما نے پونچھ کھائی۔ جانور تو مر گئے ماما کو کچھ دست آئے مگر بچ گئی کوتوالی کے لوگ مقدمے کو طول دینا چاہتے ہیں تم مختارکارانہ اس کی خبر گیری کرو۔ اور دوسرا رقعہ اب سے مہینے سوا مہینے جتنے دن پہلے کا چاہو لکھ دو کہ مجھ کو اتنے روپئے کی ضرورت ہی جہاں سے بن پڑے بندوبست کر دو بس اللہ اللہ خیر صلاح اور چلن سے پیر پھیلا کر سو رہو۔ سنکھیا کے رقعے کا مضمون سن کر تو مبتلا کی عقل دنگ ہو گئی اور سمجھا کہ ناظر بھی بڑا زہر کا بجھا ہوا ہی دیکھو تو کیا مغز سے بات اُتاری ہی بس ایسے شخص سے کیا پار لے جا سکتا ہوں میرا بچاؤ تو اسی میں ہی کہ جو یہ کہے اُس میں ذرا کان نہ ہلاؤں۔ غرض اُسی وقت دونوں رقعے لکھ ناظر کے ہاتھ دیئے اور پوچھا کہ بھلا صاحب اب صبح کو توال صاحب آئیں تو کیا کرنا ہوگا ناظر نے کہا اب بندہ درگاہ کے رہتے کو توال صاحب کیا آتے ہیں آپ آمدنیم برخاست اور اگر آئے بھی تو کوتوال بن کر نہیں بلکہ نڈھال بدحال سراپا اضمحلال۔ مبتلا۔ اور کیوں صاحب جیسا اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اگر اُس نے انگریز کو جو کوتوالی کا افسر ہی لا کھڑا کیا

ناظر۔ او ہم سگ زرد برادر شغال۔ باوجودے کہ ابھی جھٹ پٹا تھا ناظر فوراً سوار ہو سیدھا کوتوال پاس پونہچا کوتوال سمجھا کہ ایسے وقت آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہی ضرور کچھ نہ کچھ بوہنی کرائیں گے۔ دور سے ہنس کر بولا آئیے آج تو سویرے ہی سویرے اچھے سخی کے درشن ہوئے میں تو آپ کے یہاں آنے کو وردی پہن کر تیار لیں بیٹھا ہوں صاحب سوپرنٹنڈنٹ سے سات بجے کا وعدہ ہی۔ ناظر۔ کیا تیار بیٹھے ہو وہاں تو رات بڑا غضب ہوگیا۔ کوتوال۔ کیا کوئی اور صاحب سنکھیا کھا کر شہید ہوئے۔ ناظر۔ نہیں سنکھیا تو نہیں مگر آپ تو جانتے ہیں مبتلا بھائی کے گھر میں جو وہ دوسری عورۃ ہی پورے دنوں سے تھی کل نہیں معلوم آپ کے سپاہیوں نے اُس کو کیا کیا ڈرایا دھمکایا طبیعۃ تو اُس کی آپ کے رہتے ہی بگڑ چلی تھی آپ ادھر آئے شاید کوتوالی بھی نہ پونہچے ہوں گے کہ اُس کا حمل ساقط ہوگیا ساری رات اُسی کے تردد میں پلک نہیں جھپکی۔ خیر حمل تو حمل اب اُسی کی جان کے لالے پڑے ہیں دیکھیے وہ بھی بچتی ہی یا نہیں مبتلا بھائی کو اس عورۃ کے ساتھ اس درجے کا تعشق ہی کہ جس وقت سے یہ واردات ہوئی ہی سارے گھر میں بولائے بولائے پڑے پھر رہے ہیں۔ وہ تو ڈاکٹر چنبیلی کو بلاتے تھے میں نے بہ ہزار مشکل روکا کہ انگریزوں کے کان پڑی ہوی بات پھر اپنے قابو کی نہیں رہتی ایک چھوڑ دو دو دائیاں بلوادی ہیں بارے اب کہیں جاکر کسی قدر طبیعۃ سنبھلی تو میں آپ کے پاس بھاگا ہوا آیا میں تو رقعہ لکھنے کو تھا پھر خیال آیا کہ خدا جانے کس کے ہاتھ پڑے آپ چل کر کہنا چاہیے۔ یہ کہنا تھا کہ کوتوال کو کاٹو تو بدن میں لہو کی بوند نہیں گڑگڑا کر بولا آپ کے یہاں ہم تابع داروں کی مجال ہی کہ ڈرائیں دھمکائیں یا کوئی خلاف قاعدہ کارروائی کریں آپ جس وقت تشریف لائے ہیں آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ مردانے میں

صرف دو ہی کانسٹبل میرے ساتھ تھے اور وہ دونوں بھی بے چارے الگ اصطبل کے
پاس کھڑے تھے میں نے آپ کے آدمی وفادار کے ہاتھ ماماؤں اور لونڈیوں کو
بُلا بُلا کر ہولے سے دو دو باتیں پوچھ لیں اصل حقیقۃ تو یہ ہے اور ہم نے تو جس دن پولیس
میں نام لکھوایا اُسی دن سمجھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور قید ہوں گے یہ ایسی تیسی
نوکری ہی اس قسم کی ہے کوئلوں کی دوکان داری کہ بے کالا مونہ ہوئے نہیں رہتا
بڑوں کا کہا اور آنولے کا کھایا پیچھے مزہ دیتا ہے۔ لالہ جی بہتیرا سر ٹپکتے رہے کہ ہم لوگ
ٹھیرے لکھنی چند ہم کو سپاہیوں کا جیس سزاوار نہیں ہر کارے وہر مردے اُس وقت
اُن کی بات کچھ دھیان میں نہ آئی سو اپنے کیئے کی سزا پائی۔ ناظر۔ یہ میں خوب جانتا ہوں
کہ آپ نے کوئی بے جا کارروائی نہیں کی ہوگی آدمی کا حال چھپا نہیں رہتا سارا شہر
آپ کا مداح ہے اور اگر آپ احتیاط نہ کرتے تو اتنے دن کوتوالی کا چلنا بھی محال تھا خصوصاً
صاحب مجسٹریٹ حال کے وقت میں مگر عورتیں تو جیسی ڈرپوک اور کچے دل کی ہوتی ہیں
آپ خوب جانتے ہیں آپ کا ہی آنا سن کر اُن کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے ہوں گے اور
پھر کسی سپاہی نے کوئی ایک آدھ بات بھی کہہ دی ہوگی حالۃ تو نازک تھی ہی اونگھتے کو ٹھیلتے
کا بہانہ ہو گیا چھوٹے گھر میں تو خیر ایک واردات بھی ہوئی تھی کہ جانور مرے ماما کو دست
آئے فیرینی میں سنکھیا نکلی بڑا گھر جس کو واردات سے کچھ بھی تعلق نہیں وہاں کیا
حال تھا جا کر دیکھتا ہوں تو چولھا تک نہیں سلگا وہ تو جب میں نے سمجھایا کہ یہ کیا
اس سے بڑی بڑی اتفاقی اور ناگہانی وارداتیں ہو جاتی ہیں اور آخر کار مقدمہ داخل
دفتر تب سب کو تسلی ہوئی۔ کوتوال۔ اتفاقی کیسی۔ تب ناظر نے مبتلا کا رقعہ دیا کہ وہ
خونی دروازے میں جو ایک شخص نے اپنی آشنا کو دھتورا کھلا کر مار ڈالا تھا اور شاید

لہ [illegible]

آپ ہی نے تو اس مقدمے کی بھی تحقیقات کی تھی کل اُس کی پیشی تھی اور میں مدعا علیہ کا
وکیل تھا آپ کے اسسٹنٹ سوپرنٹنڈنٹ بھی سرکار کی طرف سے پیروی کے لیے موجود تھے
بڑے بڑے مباحثے رہے آخر ساڑھے چار بجتے بجتے مدعا علیہ کی رہائی ہوئی۔ ہاں تو
یہ رقعہ مجھ کو عین اجلاس پر ملا تھا اور اسی کو دیکھ کر میں کچہری سے سیدھا وہیں چلا گیا۔
کوتوال نے رقعہ پڑھا تو مقدمے کی طرف سے بھی اُس کی آس ٹوٹ گئی کمر سے کرچ کھول
ناظر کے پیروں پر رکھ دی کہ نوکری تو یہ حاضر ہے خدا واسطے کو ایک اتنا سلوک کیجیے کہ
عزت پر ہاتھ نہ ڈالیے۔ ناظر نے بہت تسلی کی کہ بھلا اتنا تو سمجھئے کہ اگر میرے دل میں کچھ
فساد ہوتا تو میں اس قدر سویرے اندھیرے مُونہ آپ کے پاس دوڑا ہوا کیوں آتا خیر
جو کچھ ہونا تھا سو ہوا میں جس طرح سے بن پڑے گا ہتیالا بھائی کو سمجھا لوں گا جب سے
انھوں نے دوسری عورت کر لی ہے ذرا تنگ دست رہتے ہیں یہی نہ کہ دوا درمن کا خرچ
اور اوپر سے سو دو سو روپیہ اَور اُن کو دے دیا جائے گا۔ اور ہاں سنکھیا کے مقدمے
میں آپ کچھ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کیجیے گا اُس میں کچھ ہونا ہوانا بھی نہیں۔ ناظر چلنے لگا
تو کوتوال نے کہا پھر اس کرچ کو تو آپ اپنے ہاتھ سے باندھ دیں گے تو میں کمر سے
لگاؤں گا ورنہ جہاں پڑی ہے پڑی رہے گی۔ ناظر نے جلدی سے کرچ اٹھا
بسم اللہ کر کے کوتوال کی کمر سے باندھی گویا اپنی طرف سے کوتوالی دی کوتوال نے کہا
بس اب ہاتھ پکڑے کی لاج آپ کو کرنی ہوگی۔ صاحب سوپرنٹنٹ کو وہاں ایک
اَور ضرورت پیش آگئی کہ کسی انگریز کے یہاں سوڈا واٹر کی ایک دو بھی نہیں اکٹھی آدھی درجن خالی
بوتلیں چوری گئیں صاحب نے چٹھی لکھی اور سوپرنٹنڈنٹ صاحب اُس کی تحقیقات کو
بھاگے گئے کوتوال سے کہلا بھیجا ہمارا آنا نہیں ہو سکتا پھر کوئی پندرہ بیس دن بعد خود

سوپرنٹنڈنٹ صاحب ہی کو خیال آیا تو پوچھا کیوں کوتوال صاحب وہ کس وکیل صاحب
کے یہاں کی زہرخورانی کا آپ نے تذکرہ کیا تھا اُس کا کیا ہوا۔ کوتوال نے کہا حضور فدوی
نے تو اگلے ہی دن ۲۲-۳ نمبر کا روزنامچہ خاص بھیج دیا تھا کہ واردات اتفاقی ہے۔
بات رفت و گزشت ہوئی۔ دو چار دن تو مبتلا کو کھٹکا رہا پھر اُس نے دیکھا کہ کوتوالی
والوں میں سے کسی نے آکر بھی نہ جھانکا تو اس کو یقین ہوا کہ ناظر کو حکام کے مزاج
میں کچھ اس طرح کا دخل ہے کہ آج جو چاہے سو کر گزرے۔ ناظر نے اس مقدمے میں
اچھی بُردماری ہزار روپئے تو چپکے سے اُس نے وہ اگلوائے جو خاتون کٹنی غیرۃ بیگم کو
بہکا پھسلا کر لے اُڑی تھی۔ اور رقعے کے بدلے مبتلا سے اُس کے حصے کی دکانوں کا
قطعی بیع نامہ اپنے نام کا لکھوا لیا اور پھر سب میں سرخ رو کا سُرخ رو۔ اب بے چارے
مبتلا کے پاس پینسٹھ روپئے ماہوار کی جگہ صرف ستائیس روپئے مہینے کی نری تنخواہ میں
رہ گئیں وہ بھی کس طرح کی کہ کوئی چھٹے مہینے آدھی یا وصول ہوئی تو کوئی برس بھر بعد
اور کوئی بار میں بھی آگئی اور غیرۃ بیگم کی یہ تاکید کہ بھلا کوئی ایک لوٹا پانی تو اُس کے
گھر میں سے مبتلا کو دے دیکھے۔ غیرۃ بیگم کے یہاں پہلے ہی مبتلا کی کو نسی قدر کی جاتی تھی
اب جس دن سے یہ معاملے مقدمے کھڑے ہوئے رہا سہا اور بھی نظروں سے
گر گیا پہلے بے رُخی تھی رفتہ رفتہ بدمزاجی ہوئی بدمزاجی سے بددماغی کی نوبت پونہچ گئی
بلکہ طرز مدارات سے ایسا مستنبط ہونے لگا کہ سید حاضر نے جو ایک دن بیچ کے آنے کا
معمول باندھ دیا تھا اب مبتلا کا اتنا آنا بھی گوارا نہیں۔ غیرۃ بیگم کو مبتلا سے بات چیت
کیئے ہوئے برسوں گزر گئے تھے لونڈیاں مامائیں میاں کا اتنا لحاظ کرتی تھیں
کہ باری کے دن بچھونا صاف کر دیا جب تک گھر میں بیٹھے حقے کی خبر رکھی کھانے

کو پوچھ لیا اور اب مقدموں کے بعد سے تو ان باتوں میں بھی مضایقہ ہونے لگا۔ مبتلا لاکھ گیا گزرا تھا مگر آخر تھا تو صاحب خانہ یہ بے وقری دیکھ کر وہ بڑے گھر کی باری کو تپ ولرزہ کی باری سے کم نہیں سمجھتا تھا مگر حاضر ناظر سے اس قدر ڈرتا تھا جیسا مردہ نکیرین سے ناخواستہ دل آتا اور برخاستہ خاطر رہتا۔ ایسی ایسی سنگین واردائیں گھر میں ہو جائیں اور کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے غیرۃ بیگم اور بھی بے محابا ہو کر لگی بادل کی طرح گرجنے اور بجلی کی طرح کڑکنے سقا اور دھوبی اور حلال خور وغیرہ جتنے اہل خدمۃ تھے اُن تک کی بندی ہو گئی کہ چھوٹے گھر کا کام نہ کرنے پائیں ناچار گلی کی طرف کا قدیم دروازہ جو مدتوں سے بند تھا تیغا توڑ کر کھولا تب کام چلا۔

چوبیسویں فصل مبتلا اور ہریالی کا بگاڑ

جب تک باتوں کا زبانی جمع وخرچ رہا کہ غیرۃ بیگم نے اپنے گھر میں کوس کاٹ لیا اور ہریالی نے اپنی جگہ پکار کر تو پکار کر نہیں تو چپکے سے جو کچھ مُونہ میں آیا کہہ دیا تب تک اگر سچ پوچھو تو ہریالی کی جیت تھی کیوں کہ مبتلا اُس کے پلے پر تھا اور آمدنی کے حساب سے دونوں گھر برابر سرابر اب جو پینیسٹھ کے رہ گئے ستائیس تو اُس کا ایمان ڈگمگا چلا اور مبتلا سے کہا کیوں صاحب اُدھر اکیلے گھر میں ساٹھ اور اِدھر مردانہ زنانہ دو گھروں میں پینیسٹھ نگوڑا پانچ روپے کا بل خدا جانے میں کیا کتر بیونت کرتی تھی کہ خیر گذر ہوئی چلی گئی تم اپنے ہاتھ میں خرچ رکھتے ہوتے تو حقیقۃ کھلتی اور میں تمھارے بڑے گھر میں جاتی نہیں تو آخر سنتی تو ہوں کہ آدمیوں کو اُبالی دال ملتی ہے اور وہ بھی ایک وقت بچوں کو سودا سلف تو درکنار کبھی ادھی کے چنے لے کر دینے نصیب نہیں ہوتے

اب تم نے ہپینٹھ کے ستائیس کرائے ہیں تو تم ہی خرچ کا انتظام بھی کرو میں کوئی اپنی بوٹیاں
کاٹ کاٹ کر تو کھلانے سے رہی۔ مبتلا۔ ہپینٹھ کے ستائیس میں نے کرائے ہیں۔ ہریالی۔
جانے بلا تم نے کرائے ہیں یا اُنھوں نے جو تمھارے کچھ لگتے ہیں۔ مبتلا۔ تم ہی نے فریبی
پکا کر بیٹھے بٹھائے سارا فساد برپا کیا اور اُلٹا مجھ کو اُلاہنا دیتی ہو۔ ہریالی۔ مجھے خبر تھی
کہ دشمنوں نے دودھ میں سنکھیا گھول کر میری جان کے لینے کا سامان کیا ہے۔ مبتلا۔ اسی کا
تو پتا نہ چل سکا کہ کس نے دودھ میں سنکھیا گھولی۔ ہریالی۔ تو کیا میں نے گھولی۔ مبتلا۔
تم نے گھولی تو نہیں مگر تم پر تُھپ تو گئی۔ ہریالی۔ تم نے تُھپوائی تو تُھپی۔ مبتلا۔ یک نشد
دو شد۔ بہینا میں نے کم کرایا سنکھیا کا الزام تم پر میں نے لگایا میں ہی بُرا ہوں تو خدا
بُرے کو موت دے۔ ہریالی۔ خدا نہ کرے تم کیوں بُرے ہونے لگے بُری میں کہ تمھارے
کارن گھر چھوڑا عیش چھوڑا آرام چھوڑا اُس کا یہ انعام ملا کہ تمھارے یہاں آکر کوسنے
سُنے گالیاں کھائیں بے عزتی کا کوئی درجہ باقی نہ رہا دو دفعہ جان کا خطرہ[1] اُٹھایا۔ مبتلا۔
تم کو تو معلوم تھا کہ میرے بی بی بچے ہیں پھر نہ آئی ہوتیں کسی نے زبردستی کی تھی اور اب
تمھارا جی چاہے تو اب چلی جاؤ تم سے کسی نے کچھ چھین تو نہیں لیا۔ ہریالی۔ ہاں ہاں
میں کیا مکرتی ہوں میں تمھاری بی بی کو بھی جانتی تھی اور بچوں کا ہونا بھی معلوم تھا
مگر مجھے خبر نہ تھی کہ تم اس طرح کے حیز[2] ہو کہ ناظر کی صورت دیکھے سے تمھارے ہوش
باختہ ہوتے ہیں اور میں اگر جاؤں گی اور جاؤں گی نہیں تو کیا مفت میں اپنی جان
گنواؤں گی تو ناظر کو جو دو کالے کے گھمنڈ میں بہت اکڑا ہوا پڑا پھرتا ہے اور اُس مکار
حاضر کو جو ہر مرتبہ بڑا مولوی بن کر وعظ کہنے کو آبیٹھتا ہے اور تیری بھینا کو توال
کی جورو کو اور اُس موئے کو توال کو جس نے رشوتیں لے لے کر خون کے مقدموں کو

[1] یعنی ایک بار غیرت بیگم نے مارتے مارتے ادھ موا کر دیا تھا اور دوسری بار اس کا حمل ساقط ہو گیا ۱۲ [2] بزدل۔ نامرد ۱۲

ملیا میٹ کیا ہے اور سب کے ساتھ تجھ کو دنیا جہاں میں الم نشرح کر کے جاؤں گی میرا جانا
گیا ایسا ہنسی ٹھٹھا ہے میں نے تیرے پیچھے اپنے تئیں خاک میں ملا دیا اور آج تو نے اُس کا
مجھ کو یہ پھل دیا لے اب دیکھ میرا تماشا تیرا تو کیا منہ ہے مگر مبتلا اپنے حمائتیوں کو کہ مجھے جاتی
کو روکیں یہ کہہ کر ہریالی کھڑی ہو سیدھی دروازے کی طرف چلی بارے مبتلا نے ساری
عمر میں ایک یہ بہادری تو کی کہ اُس کو کوٹھری میں دھکیل جھٹ اوپر سے کنڈی لگا دی
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ مبتلا تو ہریالی کو کوٹھری میں بند کر باہر چلا گیا
ہریالی کے پاس جو پرانی ماما تھی وہ بھی ایک طرح کی اُس کی کٹنی اُس نے ہریالی کو سمجھایا
بی بی مرد کا مزاج دیکھ کر بات کی جاتی ہے اُس کم بخت پر تو آپ ہی مصیبتیں پڑی ٹوٹ رہی
ہیں تم اُور چلیں گھاؤ میں اوپر سے مرچیں لگانے۔ تھوڑے دن صبر کیا ہوتا وہ اپنے
تئیں بیچتا چوری کرتا کہیں نہ کہیں سے تمھارا بھرنا بھرتا اور اگر تمھاری مرضی جانے کی
ہو گی تو اُس کی سو راہیں ہیں ڈھنڈورا پیٹنا اور ڈھول بجانا کیا ضرور ہے اُدھر پان
کے بہانے مبتلا کے پاس گئی اور اُس سے کہا میاں برا کہو فضیحتی کرو سب تم کو پہنچتا ہے
پر موئے منہ بھر کر یہ کہہ بیٹھنا کہ چلی جا تم ہی انصاف کرو بڑی سخت بات ہے خیر غصہ حرام ہوتا ہے کہ
میاں بی بی کی لڑائی کیا اور میاں بی بی بھی تم جیسے کہ وہ تمھاری عاشق زار اور تم اُس پر
دل و جان سے نثار اُٹھو گھر میں چلو بیوی کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی اب میں نے
اُٹھا کر زبردستی پانی پلایا ہے۔

پچیسویں فصل مبتلا کی خانہ داری دونوں بیبیوں کے ساتھ کس طرح پر تھی

مبتلا اور ہریالی کی یہ لڑائی تو خیر ایک اتفاقی بات تھی مگر دیکھنا چاہیئے کہ اُن میں باہمی

ارتباط کس درجے کا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلطی کی۔ ہریالی نے
سمجھا تھا کہ یہ آدمی ہی حسن پرست بیوی اس کو بھائی نہیں اور مجھ پر ہو رہا ہی لٹو ہیں گئی
نہیں اور اس کو بیوی سے تڑا چھڑا اپنے کھونٹے سے باندھا نہیں یہاں آکر دیکھا تو
بیوی کو میاں کا خصم پایا کہ وہ اس کو اس طرح لپٹی ہی جیسے مکھی کو شہد یہ بہتیری کوشش
کرتا ہی کہ اُس سے چھوٹ جاؤں مگر اور لتھڑتا چلا جاتا ہی۔ چاہیئے تھا کہ مجبور سمجھ کر معذور
رکھے خود غرضی جبر و اختیار میں فرق کرنے نہیں دیتی تھی وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا اور یہ
جانتی تھی کہ اپنے ہیٹے پن سے خود نہیں کرتا وہ واری اور قربان تھی جب تک توقع
میں جان تھی ناامیدی کا پیدا ہونا تھا کہ صاف ہتے سے اُکھڑ گئی۔ مبتلا تو اول
دن سے حسن صورۃ کے پیچھے ایسا فریفتہ تھا کہ خوب صورتی کے آگے حسب نسب سلیقہ
ہنر عقل نیکی دین داری کسی چیز کو دیکھتا ہی نہ تھا بیوی سے تھی اُس کو نفرۃ چوٹوں
کی طرح دو چار بار رات کو ہریالی کے یہاں گیا آنکھوں میں کُھب گئی نہ انجام سوچا نہ عاقبۃ کار
پر نظر کی گھر میں لا بٹھایا۔ مبتلا کے دل کو جو اچھی طرح سے ٹٹول کر دیکھا تو گھر میں آئے پیچھے
ہریالی کی طرف اُس کا اگلا سا رُخ نہ تھا اول تو اُس نے ہریالی کے جانچنے اور آنکنے
ہی میں غلطی کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہریالی خوب صورۃ تو تھی مگر نہ اس درجے
کی کہ مبتلا جیسا حسین آدمی اُس پر مفتون ہو۔ یونیورسٹی کی ڈگریاں اگر خوب صورتوں کو
ملتی ہوتیں تو ہریالی ہماری نظر میں اُس سرے بس ایف۔ اے۔ کے قابل تھی مگر مبتلا تو اُس کو
نکاح سے پہلے ایم۔ اے۔ کے درجے میں سمجھتا تھا۔ دوسری ایک وجہ یہ ہوئی کہ ہریالی کو ویسا
بناؤ سنگار نہ تو اب میسر تھا اور نہ اُس کا موقع تھا۔ اور سب سے بڑا سبب تو ہمارے
سمجھنے میں یہ تھا کہ کیسی ہی کوئی نعمۃ کیوں نہ ہو اُس کی قدر طلب تک ہتی ہے۔ حاصل ہوئی

اور اُس کی منزلت گھٹی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انسان کو اُس کا احساس بھی باقی نہیں رہتا
کہ یہ نعمت کچھ بھی ہے یا نہیں۔ اگر غیرت بیگم کو ذرا بھی عقل ہو کہ خدمت اور اطاعت سے میاں کو
اپنا کرنا چاہیئے تو ہریالی کی اتنی بھی قدر نہ ہو یہ اپنی صورت کو آئینہ لیئے بیٹھی چاٹا ہی کرے
اور اندر باہر غیرت بیگم ہی غیرت بیگم رہے مگر وہ چال بُری چلی اُس نے چاہا نکتوڑوں سے
دباؤ سے بھائیوں کی حمایت سے مبتلا کو زیر کرنا دل پھٹتے گئے اور طبیعتیں ہٹتی گئیں۔
ہریالی نے پایا میدان خالی مبتلا کے دل میں جگہ کرلی نہ خوب صورتی کے برتے پر بلکہ
سلیقے اور رضا جوئی کے بل پر۔ غیرت بیگم کے جھگڑے مبتلا کو چین تو لینے دیتے ہی نہ تھے
وہ ہریالی کی خوشی کیا مناتا دونوں میں میل جول رہا مگر عاشقی معشوقی کا سا نہیں بلکہ
جیسا عام طور پر میاں بیبیوں میں ہوا کرتا ہے۔

چھبیسویں فصل مبتلا نے تنگ ہوکر دونوں گھروں کا رہنا چھوڑا اور اُس کی حالت یوماً فیوماً ردی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک دن مر کر رہ گیا

جس شخص کی پینسٹھ کی آمدنی جاکر ستائیس کی رہ جائے اور وہ بھی غیر مقرر اُسی کے دل سے
پوچھنا چاہیئے کہ اُس پر کیا گزرتی ہوگی۔ تواتر مصائب اور ہجوم افکار نے مبتلا کو اس قدر
تنگ مزاج کردیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز اُس کو بھلی نہیں لگتی تھی اُس کو ہریالی کی لڑائی کا
ایک بہانہ مل گیا اور اُس نے دونوں گھروں کا جانا قاطبۃً موقوف کردیا سارے دن رات
اٹوانٹی کھٹوانٹی لیئے اکیلا مردانے میں پڑا رہتا تھا نہ خود کسی کے پاس جاتا اور نہ اپنے پاس
کسی کے آنے کا روادار ہوتا اگر اتفاق سے کوئی آنکلتا تو اُس کی طرف مطلق ملتفت نہ ہوتا
اس رنج نے اس کو رہا سہا اور بھی مجبور کردیا کہ دو دشمن اُس کے اور تیار ہوئے ناظر سے

بڑھ کر معصوم اور غیرۃ بیگم سے زیادہ بتول۔ مبتلا اپنی طرف سے بہتیرا دونوں کو لپٹتا تھا مگر
یہ دونوں اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ ہمارا باپ ہی۔ جب سے ہوش سنبھالا باپ کو سنا بُرا
پس دونوں کے ذہن میں اس کی برائی ایسی راسخ ہو گئی تھی کہ ابّا یا بابا وا یا باپ کہنا کیسا
دونوں خاصی طرح نام لیتے تھے معصوم گالی کے ساتھ اور بتول کوسنے کے ساتھ۔ مبتلا
نے جب دونوں گھروں سے ملول ہو کر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اُس نے یہ خاصی
تدبیر سوچی تھی کہ اگر ہو سکے تو معصوم اور بتول دونوں کو ورنہ اکیلے معصوم کو خالی بیٹھا
ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اپنا جی بہلاؤں مگر معصوم پیٹھ پر ہاتھ تو دھرنے ہی نہیں
دیتا تھا۔ مردانے مکان میں بے رونقی تو ہر بالی کے ساتھ آ چکی تھی اب تھوڑے ہی دن میں
خاک اُڑنے لگی جس مکان میں عمدہ اسباب کے اٹم کے اٹم لگے پڑے تھے اب اُس میں کیا
رہ گیا بانوں کے چند جھلنگے ایک کی چول ٹوٹی ہوئی ہی تو دوسرے میں ادوان نہیں
کسی کی پٹی چٹکی ہوئی ہی تو کسی کے سیروے میں جان نہیں شاید چھوٹی بڑی ملا کر چار
یا پانچ چوکیاں وہ بھی بے جوڑ بوسیدہ بے مصرف نوکروں میں صرف ایک وفادار سو بھی
کس طرح کہ یہاں سے تو اُس کو کھانا تک نہیں ملتا تھا اور ملے کہاں سے دینے دیں میاں
سو میاں بے چارے کے پلّے ٹکا نہیں دن کو مزدوری کرتا اور رات کو میاں کی پائنتی
آ کر پڑ رہتا دنیا کا کوئی کام یا دین کا روزہ نماز ہو تو صبح و شام کا تفرقہ اور دن رات کا
امتیاز ہو مبتلا کو سب وقت یکساں تھے اُس کو سونے جاگنے کھانے پینے کسی بات کا کوئی
وقت ہی مقرر نہ تھا جب دیکھو مُونہہ اوندھائے چارپائی پر پڑا ہی معلوم نہیں سوتا ہی یا جاگتا
ہی اپنی تباہی کا خیال ہی کہ کسی وقت دل سے نہیں جاتا جاگتا ہی تو اُسی کا سوچ ہی اور سوتا ہی
تو اُسی کا خواب دیکھ رہا ہی وہ کبھی اپنے پچھلے وقتوں کو یاد کرتا اور اُس کے چہرے پر ایک طرح

کی بشاشت آجاتی تھوڑی دیر بعد خود بخود یکایک چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا اور پھر اس کے مونہہ پر مردنی سے چھا جاتی۔ غیرۃ بیگم اور اس کے علاقہ داروں سے یہاں تک کہ اپنے بچوں سے تو اُس کو مطلق نا امیدی تھی وہ خوب سمجھ چکا تھا کہ اب کسی حالۃ میں جیتے جی ان لوگوں سے صفائی کا ہونا ممکن نہیں رہ گیا قطع تعلق اس کے لیئے چاہیئے ہمت جراءۃ اور یہی باتیں اگر مبتلا میں ہوتیں تو یہاں تک نوبۃ ہی کیوں پونہچتی۔ قاعدہ ہو کہ جس پر پڑتی ہو اُسی کی طبیعۃ خوب لڑتی ہو رنجوں سے بچنے کا کون سا پہلو تھا جو مبتلا نے نہیں سوچا مگر جدھر جاتا تھا راہ نجاۃ کو مسدود پاتا تھا۔ مارے غم کے وہ اس قدر نحیف و ناتوان ہو گیا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار شاید چھینکنے سے اُس کو غش آتا اور کھانسی کے ساتھ اُس کا سانس اُکھڑ جاتا۔ اللہ رے غیرۃ بیگم عورۃ ذات ہو کر اس قدر سخت دلی اور اس بلا کا غصہ کہ مبتلا گھلتے گھلتے چارپائی سے لگ گیا اور اس نے بھول کر بھی خبر نہ لی ہریالی تھی تو رزالی پر خیر دکھاوا اظاہرداری جو چاہو سمجھو بیسیوں بار تو اپنی ماما کو بھیجا اور آخر خود گئی ہر چند منت خوشامد کی مگر مبتلا تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لیئے بیٹھا تھا ذرا نہ پتیایا۔ مبتلا خوب سمجھتا تھا کہ میں اس رنج سے جاں بر نہیں ہو سکتا اختلاج قلب تو اُس کو مہینوں سے تھا اب کسی کسی وقت دل میں ایک طرح کا ہلکا ہلکا درد بھی اُٹھنے لگا تدبیر کچھ ہوئی نہیں دورے متواتر اور شدید ہونے لگے۔ آخر ایک دن اُدھر آفتاب ڈوبتا تھا اِدھر یہ بیکس و بے نصیب دل کے درد سے گھڑی چارپائی پر نہ تکیہ نہ بچھونا تڑپ تڑپ کر سرد ہو گیا۔

ستائیسویں فصل خاتمہ

ایک حسن پرستی کے پیچھے دنیا میں کیا کیا سختیاں اُٹھائیں کہ خدا دشمن کو بھی نہ نصیب کرے

اپنا یا بیگانہ مرنا تو سبھی کا قابل افسوس ہے مگر نہیں ہے تو مبتلا کا اس کا جینا قابل افسوس تھا
اور مرنا قابل خوشی کیوں کہ مر کر وہ دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ تو گیا مصیبتیں تو اُس کے
دم کے ساتھ تھیں نہ مرتا اور مصیبتہ بھرتا پھر بھی ہم اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ دنیاوی ایذائیں
اُس کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور بے چارہ مصیبتہ کا مارا حسن صورتہ کا بہت فریفتہ تھا خدا
اُس کو جنتہ میں بہت سی حوریں دے بشرطیکہ غیرتہ بیگم اور ہریالی کی طرح آپس میں لڑیں
عبرتہ کا مقام ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں موجود بیٹا موجود بیٹی موجود بیبیوں کے نوکر
چاکر موجود اور مرتے وقت مونہ میں پانی ٹپکانے کو مبتلا کے پاس کوئی نہیں۔ کہیں پہر رات گئے
وفادار محنتہ مزدوری سے فارغ ہو کر آیا اور اُس نے پکارا تو میاں کو مرا ہوا پایا چیخ اٹھا سارے
محلے کو خبر ہوئی اور محلے والوں کے ساتھ محل کے لوگوں نے ہریالی کو دیکھا تو وہ اور اُس کی
ماما اور اسباب سب ندارد گھر میں جھاڑو دی ہوئی پڑی ہے نہیں معلوم ایسا کون کالا چور
اُس کو بھگا کر لے گیا کہ پھر اُس کا پتہ نہ لگا۔ غیرتہ بیگم یا تو اس قدر میاں سے بگڑی رہتی تھی
یا میاں کا مرنا سنتے ہی ایسا روئی اتنا پیٹی کہ ابن جو بیوی میاں کی عاشق زار ہو گی وہ بھی اس سے
زیادہ کیا روئے پیٹی گی۔ اب اس کو معلوم ہوا کہ میاں اُس کے ظلم سہنے کے لیئے سدا کو بیٹھا رہنے والا
نہ تھا وہ میاں کے مرنے پر اتنا نہیں روتی تھی جتنا اپنے ظلموں پر جن کی تلافی اب کچھ اُس کے اختیار
میں نہ تھی۔ روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے تھے اور رہتی جیسا ڈیل ایسا سوکھا
تھا کہ جیسے کانٹا۔ مبتلا کی چھ ماہی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ غیرتہ بیگم اسی رنج میں تمام ہوئی
مرتے مرتے وصیتہ کی کہ مجھ کو بتول کے باپ کی پائینتی دفن کرنا تاکہ اگر جیتے جی میں اُن کے
پاؤں نہ پڑ سکی تو خیر قبر میں اُن کے پاؤں ہوں اور میرا سر۔ مبتلا کے مرنے پر تاریخیں
اور مرثیے تو بہت لوگوں نے کہے مگر عارف کے مرثیے کے چند بند یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں

مرثیہ

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے — ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے — جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں — لے جائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکاں بناؤ کہ بن کر گرا نہ ہو — پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو — حادث نہ ہو تو مدخل چون و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے — مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

اعمال نیک ہیں تو مرد کے ہیں قصور — خدمت کو لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
ہر طور کا ہے عیش تو ہر طرح کا سرور — یعنی خلاصہ یہ ہے کہ راضی ہوئے حضور
خوشنودیٔ خدا ہی عبادت کا دام ہے — جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل برے تو ہوئی عاقبت خراب — ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
اور سب سے بڑھ کے خالق کونین کا عتاب — گر پوچھنے پہ آئے تو کیا بن پڑے جواب
حق کو جو ناپسند ہو تُف ایسے کام پر — مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

توفیق کار نیک ہمیں ای کریم دے — دل میں صلاح دے ہمیں طبع سلیم دے
شوق سلوک جادۂ مستقیم دے — ایمان در میانۂ امید و بیم دے
ہم کو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے — تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے

اٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسباب کا حجاب — دنیا دکھائی دینے لگے نقش سطح آب
ذرے میں رونما ہو حقیقت کا آفتاب — لا ریب فیہ[1] ہو خبر ذٰلک الکتاب

[1] مراد یہ ہے کہ کلام اللہ کے مضامین کا پورا پورا یقین ہو ۱۲

کھل جائے اصل ازحیاۃ وممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا

دل لوث حب دولۃ دنیا سے پاک ہو
لالچ ہو فائدے کا نہ نقصان کا باک ہو
دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو
دیں سے شغف[1] ہو دین میں ہی انہماک[2] ہو

فرق نیاز فرش زمیں پر پڑا ہوا
ہمۃ کا پاؤں عرش بریں پر گڑا ہوا

ہر دم خیال موت کا پیش نظر رہے
رہ رو ہمیشہ چاہیئے باندھے کمر رہے
جب تک جیے جیے جب اجل آئی مر رہے
دنیا وطن نہیں ہے کہ آئے بسر رہے

آئے ہیں ہم جہاں میں تو جانا ضرور ہے
سارا ہی قافلہ سر راہ مرور ہے

پھر بعد مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں کہ اس کا بھی ڈر نہیں
یہ وہ خطر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں
عقل معاد سے ہمیں بہرہ مگر نہیں

رب العباد نعمۃ فکر معاد دے
فکر معاد دے ہمیں فکر معاد دے

کیا جانب خدا سے ہدایۃ ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورۃ و حاجۃ ہمیں نہیں
یا سوچنے کو عقل و درایۃ ہمیں نہیں
پر ہائے غور کرنے کی عادۃ ہمیں نہیں

ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ سے

غفلۃ کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں
اللہ رے دلبریاں کل بے جسارتیں
بنوا رہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں
دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں

غفلۃ کا کر علاج کہ اصل مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

غفلۃ نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو
بھائی کے پیٹھ پیچھے کبھی ذکر بد نہ ہو
جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
انساں مشارک صفۃ دام و دد نہ ہو

---

[1] شیفتگی ۱۲ [2] مصروفیۃ ۱۲

غفلت سے اس جہاں میں سارا فساد ہے — غفلت کو آؤ مار ہٹائیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ — مت مستمند زندگی مستعار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دین دار رہ — امیدوار رحمت پروردگار رہ
کس نے کہا ہے تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ — بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسول علیہ السلام کا — اصحابؓ کا ائمہ عالی مقام کا
سر کر دیا ہے امت خیر الانام کا — سکہ بٹھا گئے جو محمدؐ کے نام کا
ان میں سے ایک بھی کبھی راہب[ل] ہوا کوئی — دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل — گر سو گھروں میں دیکھو تو ننانوے رذیل
روٹی کی با ہزار مشقت ہوئی سبیل — کپڑے کے واسطے وہی ستار ہے کفیل
گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے — جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال — افلاس ہے مقدمۂ قہر ذی الجلال
افلاس کر ہی دیتا ہے انساں کو پائمال — ڈرپوک پست ہمت و سست و دنی خیال
مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست — مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاذ اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی — سمجھا کہ یہ جہاں ہے جہان گزشتنی
کے دن کی زندگی کے لئے اتنی سرزنی — اس کو نہ دوستی ہے کسی سے نہ دشمنی
ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہے — پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہے

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہے ہست سے — تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے

ل نصاریٰ میں جو لوگ ہندو جوگیوں سناسیوں کی طرح ترک دنیا کر لیتے تھے ان کو راہب کہتے تھے اس طرح کے ترکِ دنیا کی اسلام میں سخت ممانعت ہے لا رہبانیۃ فی الاسلام ۱۲

کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے
کوڑی تو لے اُدھار کوئی فاقہ مست سے
کیا اُس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں چیل سے بھی ملا ہی کسی کو ماس

گر مجھ سے پوچھتا ہی حقیقۃ میں ہم نشیں
ایصال نفع ہی مرے نزدیک اصل دیں
پر چاہیئے ہی اس کے لیئے نقدِ آستیں
خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چیں
دیں کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہی
دنیا نہیں تو دعوی دیں مکر و زور ہی

اس[1] واسطے جو معشر خیر القرون تھے
اور کلہم عمارۃ دیں کے ستون تھے
امۃ کو کالنجوم[2] سبھی رہ نمون تھے
اور مرجع ضمیر ہُم المُہتَدُون تھے
دنیا میں رہ کے دین کا برتنا سکھا گئے
دونوں کے جمع کرنے کا رستا دکھا گئے

راوی نے یوں لکھا ہی جناب عمرؓ کا حال
جن روزوں آپ امیر تھے با ہیبۃ و جلال
اپنے ہی دست خاص سے پاتھا کیئے سفال
تاریخ میں دکھائیے ایسی کوئی مثال
شاگرد تھے نبی کے پیمبر کے تھے جلیس
دنیا کو جانتے تھے پر پشہ خسیس

یسر اُن کا تھا فراغ عبادۃ کے واسطے
کی سلطنۃ فلاح رعیۃ کے واسطے
عزۃ طلب تھے دین کی عزۃ کے واسطے
القصہ جو وہ کرتے تھے امۃ کے واسطے
اُن کو کسی طرح طمع سیم و زر نہ تھی
ہرگز انھیں مفاد پر اپنے نظر نہ تھی

فیضان صحبۃ نبوی سے تھے مستفید
دیکھا انھوں نے نور رسالۃ کو چشم دید
پیدا ہوئے سعید جیئے اور مرے سعید
تھی اُن سے خواستگاری دنیا بہت بعید
لیکن یہ انتظام الٰہی ہی مہربان
چڑھتا ہی بام پر کوئی بے وضع نردبان

[1] اس میں حدیث خیر القرون قرنی کی طرف اشارہ ہی۔ معشر یعنی گروہ۔ پس معشر خیر القرون سے پیغمبر کے اصحاب کرام رض مراد ہیں ۱۲
[2] یہ مضمون اُس مشہور حدیث کا ہی۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم ۱۲

زاہد تھے اور ملک ستانی کا اہتمام
دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوح شام
دنیا میں اُن کی دین تھا کالملح فی الطعام
دونوں کا پاس کر لئے تھے قصہ ہوا تمام

بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہے
اسلام جب کا اَور تھا اور اب کا اَور ہے

دنیا سے اُن کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز
اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی رستخیز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز
تب دیکھتے زمانے کی کج دار او مریز[1]

پھر کون پوچھتا تھا خدا ئے یگانہ کو
پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو اُن ہی کا طفیل ہے
کم ہیں سب کو جانب توحید میل ہے
اعمال و شرک جوں خس و خاشاک[2] و سیل ہے
اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہے

مشرک کی کوئی شے نہیں کرتا خدا قبول
اُس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوست دار
واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار
مونس رفیق موجب تسکین غمگسار
ہمدرد بے ریا وہوا خواہ جاں نثار

وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا
دنیا میں اُس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دین کو بنا یا چھوئی موئی
دنیا میں اور دین میں لگانے لگے دوئی
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی
شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی

دین کی عوض تعصب و اوہام رہ گئے
دین دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار
اور کیوں کہ ہوتے مولوی جنت کا جو بدلہ
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پر آشکار
مفلس بمیر مومن و دست از طلب بدار

[1] کج دار مریز سے مراد ہے تکلیف مالا یطاق کیوں کہ ٹیڑھا رکھ اور گرنے نہ دے طلب محال ہے

[2] اس میں لف و نشر مرتب ہے یعنی اعمال خس و خاشاک ہیں اور شرک سیل ۱۲

دنیا و دین کے [illegible]ی رسی کو کاٹ کے — دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

ادبار کا یہی تو ہی سب سے بڑا سبب — دنیا میں اور دین میں عداوۃ ارے غضب
دنیا بغیر سخت مصیبۃ ہی روز و شب — لازم ہی دین کا بھی کما حقہ ادب
خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے مٹ گئے — ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہی دیکھ کے دنیا کا انقلاب — افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتح یاب — آپس میں رحم و لطف عدو کے لئے عذاب
مسجد میں سر بسجدہ پڑے ہیں زمین پر — میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پر

لوگوں کو گر مناصب دنیا گناہ ہوں — داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں
دنیا کی آبرو سے اگر دین تباہ ہوں — اُن کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں
اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے — [۵۱] پیشانیوں پر اُن کی تھے گھٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار — بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار
[۵۲] وہ چھینتا نہیں ہی کبھی دے کے ایک بار — شایاں اُسے نہیں ہی کہ بندوں کو دے دغا
دنیا بدل گئی ہمہ نعمۃ بدل گئی — اس واسطے کہ قوم کی ہمۃ بدل گئی

افسوس قوم میں عصبیۃ نہیں رہی — ہم میں کسی طرح کی غیرۃ نہیں رہی
مضبوطی ارادہ و نیۃ نہیں رہی — جراۃ کہاں سے ہو کہ حمیۃ نہیں رہی
ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں — پس لاجرم ذلیل ہیں اور تنگ دست ہیں
اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم — اے قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم

---

۵۱ دو بندوں میں اشارہ ہی قرآن مجید کی اس آیۃ کی طرف "محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تریٰہم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود" ۵۲ اشارہ ہی طرف آیۃ "ما کان اللہ مغیرا النعمۃ انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسہم"

اس درجہ ضعفِ قوتِ احساس جاے شرم | تقصیر (ف۱) فی مقابلۃ [illegible] جاے شرم
تم اور تمھاری نسل ہو مشغول کھیل میں | اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہی کوئی شخص خوش خیال | لفظ عرب میں نحن (ف۲) رجالٌ و ہُم رجال
اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہی یہ سوال | کیوں آگیا ہی قوم کی حالت میں اختلال
اقوام روزگار میں بیٹھے ہو کس لئے | بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لئے

کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں | لوہا تمھارا مانتے جمہور کیوں نہیں
مونھ پر تمھارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں | دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں
آخر تمھاری قوم پہ یہ کیا وبال ہی | جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہی

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا | ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا
کس کس کا نام لیں کہ چناں اور چنیں رہا | ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا
ہم مالکِ خزائن روے زمین تھے | اہل زمانہ قاطبۃً خوشہ چین تھے

یسر و فراغ دولت و حشمت ہزار حیف | وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف | صد حیف قابلیت نعمت ہزار حیف
گو حور بعد کور (ف۳) اَشَدُّ العَذاب ہی | یاد از قبیل (ف۴) لیت یَعُودُ الشباب ہی

کیا فائدہ جو تذکرہ ماضی (ف۵) کریں | کیوں یادِ رفتگان میں ماتم بپا کریں
بے سود اگرچہ تا بہ قیامت بکا کریں | اک امر اختیار سے خارج ہی کیا کریں

ف۱ یعنی لوگوں کے مقابلے میں ہیٹا ہونا شرم کی بات ہی ۱۲ ف۲ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں ۱۲ ف۳ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہی نعوذ باللہ من الحور بعد الکور یعنی ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اُس کمی سے جو زیادتی کے بعد ہو ۱۲ ف۴ حور بعد کور بڑا عذاب ہی مگر اُس کا یاد کرنا ایسا ہی ہی جیسے کوئی گئی ہوئی جوانی کی پھر تمنا کرے ۱۲ ف۵ گزشتہ ۱۲

فرہاد[1] وار در صددِ جوے شیر کیا
اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

پھر بھی ہے ایک وجہ تسلی بہت بڑی
قسمت ہمارے ملک کی چھوں سے جا لڑی
جن کو فلاحِ خلق ہے منظور ہر گھڑی
لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آپڑی

ناو جب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارِ فرات پر

دروازہ کون سا ہے جو ہم پر کھلا نہیں
ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یاں تفرقہ نہیں
آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں

بے جوتے بوئے آپ اُگے گا اناج کیا
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضدِ احمقانہ کو للہ کم کرو
جانوں پر اپنی بہرِ خدا مت ستم کرو
چاہو ہمیں برا کہو یا متہم کرو
پر ردشیوں کا فکر تو بہرِ شکم کرو

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہی ہو اگر دل پہ ٹھان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم پر مدار اسے خوب جان لو
اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو

رکھتی ہے اپنا وقتِ مناسب ہر ایک شے
تسویف تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

جاگو کہ شرط باندھ کے مردوں سے سو چکے
خارِ قنوط[2] راہِ تمنا میں بو چکے
جو کچھ تمھیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے
سن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے

قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے
ان میں ہمارا حصہ و اجب ہو کا۔ تنکے
بودے ہیں جست جو کے طلب کے تلاش کے
ہاں مبتلا کی وضع کے اس کی قماش کے

[1] یہ ایک مشہور قصہ ہے کہ فرہاد اپنی معشوقہ شیریں کی فرمائش سے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر لانے کی فکر میں تھا ۱۲ [2] قنوط بالضم نا امیدی ۱۲

اگر چاہیئے تو لاکھ میں نوے ہزار ہیں
طوطی چمن میں ایک ہے کوّے ہزار ہیں

عبرۃ کی داستاں ہے احوالِ مبتلا
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تمثالِ مبتلا
اللہ رے جمال خد[1] و خالِ مبتلا
اور عنفوان عمر سن و سالِ مبتلا
جس وقت وہ شرابِ جوانی سے چور تھا
بے شک و شبہہ رشکِ غلمان و حور تھا

لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال تھی
بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی
وہ زلف جو کبھی دلِ عاشق کا جال تھی
خود دوش مبتلا پہ بلا تھی وبال تھی
دیکھا تو آخرش خورشِ کرمِ گور تھا
جس کے جمال و حسن کا عالم میں شور تھا

وہ مبتلا جو ناز و نعم میں سے پلے کبھی
سانچے میں ہاتھ پاؤں تھے جس کے ڈھلے کبھی
خنجر چلیں گر ایک قدم بھی چلے کبھی
تیغِ ادا سے کٹتے تھے جس کو گلے کبھی
بس جنتری میں قبر کی سب بل نکل گئے
رکھتے کے ساتھ لحد کے سانچے میں ڈھل گئے

آفت ہے موت خاصۃً مبتلا کی موت
تکلیف و درد و محنت و رنج و عنا کی موت
قہرِ الٰہی و غضبِ کبریا کی موت
دشمن کو بھی نصیب نہ ہو اس بلا کی موت
انجامِ کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بارِ خدایا نہ دیجیو

تھی اس پہ ابتدا سے مسلط بلائے حسن
طفلی میں تھا وہ آئینۂ رونمائے حسن
مضمر ہر ایک وضع میں اس کی ادائے حسن
اک عالم اس کا شیفتہ و مبتلائے حسن
اول سے شوقِ حسن جو خاطر نشاں ہوا
خواہانِ روئے خوب ہوا جب جواں ہوا

شامت جو اس کی آئی کیا دوسرا نکاح
سمجھا کہ چار شرعِ پیمبر میں ہیں مباح
آئی مگر نظر نہ کبھی صورتِ فلاح
کیا ہی بری وہ رائے تھی اور کیسی بدصلاح

[1] خد عربی میں رخسارہ کو کہتے ہیں شاید خط و خال غلط العام ہے ۱۲

فرصت نہ دی پھر اُس کو نزاع و جدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اس اک حلال نے

امن و فراغ و عافیۃ و راحۃ و قرار
نام و نمود و عزۃ و توقیر و اعتبار
حسن معاشرۃ کہ تمدّن کا ہی مدار
اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار
سب چیز جا کے فقر ہوا گھر میں جا گزیں
جس چیز کو مکاں میں لو چھو نہیں نہیں

جب مبتلا پر آہی گیا وقتِ احتضار
بیس پڑھ رہی تھی کھڑی پاس غم گسار
مونہ میں چوانے پانی لگی چشم اشک بار
اور دونوں آنکھیں ضعف نے دیں ڈھانک ایک بار
یوں بے کسانہ ہا جوانی میں جان دے
جنت میں اس کو بار الٰہا مکان دے

جو لوگ ہیں سعادۃ عظمیٰ سے بہرہ مند
کرتے ہیں بات بات سے وہ اکتساب پند
پرواز کو خیال کے رکھو ذرا بلند
مت ہو لذائذ حیوانی کے پائے بند
میری سنو اگر نہیں سمعِ قبول کر
دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھول کر

تمّ

اپاہج۔ معذور
آپے سے باہر ہونا بے خود ہو جانا
اتا پتا۔ نشان
اُتّو کرنا۔ اُدھیڑ دینا اصل میں اُتّو اُس نقش و نگار کو کہتے ہیں جو کپڑے پر بنایا جاتا ہے
اَٹل۔ سیر۔
اٹم۔ ڈھیر۔
اُچاپت۔ اُدھار۔ قرض
اُداس۔ غمگیں۔
اَدبدا کر۔ بے اختیارانہ
اَدھر معلق۔ لٹکا ہوا۔

اَدوان۔ وہ رسّی جو چارپائی کی پائینتی چارپائی کھنچی رہنے کو لگائی جاتی ہے
اُدھیڑ بُن۔ فکر۔
اڑنگا۔ جھگڑا۔ اٹکاؤ
اڑی پر آڑے آنا۔ مصیبت کے وقت کام آنا
اضعاف مضاعفہ چند در چند۔
اکارت ضائع۔
اُکتانا۔ گھبرانا۔ بیزار ہونا
اُلاہنا۔ طعنہ۔
الکسی سستی

اکلوتا۔ صرف ایک ہی
اچھوکر دینا۔ سکھلا دینا
اَمرد۔ بے ڈاڑھی موچھ کا لڑکا۔
اُمڈا ہوا۔ بھرا ہوا۔ گھرا ہوا
اُمنگ۔ ولولہ۔ شوق
انابۃ اللہ کی طرف رجوع کرنا۔
اناپ شناپ فضول و مہمل بے تمیزی سے
انٹوانٹی کھٹوانٹی جب کوئی شخص سنجیدہ ہو کر الگ جا کر پڑ رہتا ہے تو اُسے کہتے ہیں کہ انٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑا ہے
انوکھا اور نرالا عجیب و غریب۔
آن ہونی۔ ناممکن۔
اودھم۔ دنگا غل غپاڑا۔
اوراد۔ وظائف۔
اہلیۃ۔ قابلیۃ۔
ایک بر۔ ایک عرض
ایف۔اے اور ایم۔اے یہ دو درجے انگریزی امتحان کے ہیں۔

ب

باندیہ دار - حصہ دار -
بانجھ - جس عورت کے بچہ نہ ہوتا ہو
بُتّے دینا - مغالطہ دینا
بٹّا لگنا - عیب لگنا
بدّھیاں - لکڑی یا چھڑی کی مار کے جو نشان پڑ جاتے ہیں -
بِرتا - بھروسا -
برتن بھانڈا - برتن وغیرہ
بساندی - ہلدی گوشت یا انڈے میں جو بو ہوتی ہے
بطلیموس - ایک مشہور حکیم کا نام ہے -
بگارے - بڑے بڑے سوراخ
بکھرنا - ضد کرنا - اڑ جانا
بل - زور -
بلکنا - بیتاب ہو کر رونا
بگٹٹ - بے تحاشا بھاگنا
بوچھاڑ - اصل میں پانی کے چھینٹوں کو کہتے ہیں یہاں گالیوں کی بوچھاڑ سے مراد مسلسل گالیاں ہیں
بھاری بھرکم - باوقار -
بھاگ - خوش قسمتی -
بھرم بنا رکھنا - لوگوں کی نظروں میں معزز بنا رہنا -
بھڑاس - غصہ جو دل میں بھرا ہوا ہو -
بھلمنساہت - شرافت -
بھنّانا - چکرانا -
بھونرے میں پلنا - اگلے زمانہ میں بادشاہوں کے بچے بڑے ناز و نعم سے پلا کرتے تھے اور تمازت آفتاب اور تغیرات موسم سے بچانے کے واسطے تہ خانوں وغیرہ میں رکھے جاتے تھے - پس جو شخص لاڈ سے پالا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ بھونرے میں پلا ہے -
بیچا - بچوں کے ڈرانے کے ایک ہیبت ناک صورت بنا دیتے ہیں اُسے بیچا یا اللہ کا فضل یا ہوّا کہتے ہیں -
بے رُت - بے موسم - بے فصل -
بیرسٹر - اعلیٰ درجے کا وکیل -
بیڑا پار ہونا - مطلب حاصل ہونا - خاطر خواہ کام ہو جانا

پ

پتیانا - اعتبار کرنا -
پٹّی ڈالنا - اندھا کر دینا - آنکھیں بند کر دینا -
پڑنا - جھگڑا تم کو ہی کا پٹنا پڑا رہتا ہے یعنی ہر وقت اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو -
پٹی پڑھانا - سکھانا -
پچی ہونا - جم جانا - مضبوط بیٹھ جانا -
پترنا - اوسط -
پتّل - لدّو ٹٹو -
پرچونیے - چھوٹے کم حیثیت بنیے جو متفرق سامان فروخت کرتے ہیں -
پرنسپل - مدرسے میں سب سے بڑا اُستاد -
پروان چڑھانا - پھولنا پھلنا - جوان ہونا -
پلے باندھنا - حوالے کرنا سپرد کرنا -
پلّے پر ہونا - حمایت لینا -
پنڈ - پیچھا -
پوں بٹھانا - جادو کرنا

-پون ایک خاص قسم کا جادو ہوتا ہے۔
پھٹے مونہ زجر و توبیخ کا لفظ ہے
پھنکا نہ کھائے یعنی فوراً مر جائے
پھٹکار۔ لعنت۔
پھٹیل متفرق۔
پھپولا۔ آبلہ۔
پھڑکنا۔ بے قرار ہونا۔
پھوہڑپن بے سلیقگی
پیڑھی۔ چھوٹی چارپائی مثل چوکی کے۔

ت

تابڑ توڑ۔ لگاتار، متواتر
تاڑنا۔ سمجھ جانا، پہچاننا
تخلص شاعر جو اپنا نام آپ رکھ لیتے ہیں۔
تخمہ۔ بدہضمی، ہیضہ۔
تکا چلانا۔ اٹکل پچو تیر چلانا
تکلا۔ چرخے میں کاتنے کا سوا۔
توڑا۔ کمی۔
تھپنا۔ ذمے لگ جانا۔ ثابت ہونا۔
تھڑی تھڑی فضیحہ بدنامی
تھکا فضیحۃ۔ لعن طعن
تھوپ تھاپ دینا رفع دفع کر دینا دبایا مٹا دینا
تھونی لکڑی کا کھم جو کہ چھت کے سنبھالنے کو لگایا جاتا ہے۔
تھئی۔ روٹیوں کا ڈھیر

ٹ

ٹلس جمانا تقریب دینا کسی کو کسی جگہ لگا دینا۔
ٹکٹکی کسی چیز کو جمی ہوئی نظر سے دیکھنا۔
ٹنٹا۔ جھگڑا
ٹولی۔ گروہ۔
ٹوہ۔ سراغ، تلاش
ٹھاٹھ۔ شان، بناو۔
ٹھلا۔ مضبوط۔
ٹھوس۔ ضد خول، پُر۔
ٹیں ہو جانا مر جانے سے مراد ہے۔

ج

جبو زبان، تصغیر ہے یعنی چھوٹی جیب۔
جتھا گروہ۔
جنرل سردار۔
جوکھوں اندیشہ نقصان
جھولا (دیو مجہول) پھیلا
جھٹ پٹ فوراً، جلدی
جھڑ ایکساں مسلسل
جھکڑ ایک بات کے پیچھے پڑ جانا
جھلنگا ڈھیلی ٹوٹی ہوئی چارپائی۔
جھیلنا برداشت کرنا۔

چ

چپا۔ ذرا سی جائے۔
چچوڑنا۔ چوسنا۔
چکتہ مونہ سے کاٹنے کا داغ یا نشان۔
چکٹ۔ بہت میلا۔
چکوتا۔ تصفیہ۔
چگی ڈاڑھی۔ وہ ڈاڑھی جو صرف ٹھوڑی پر ہو۔
چلو۔ چلو بھر پانی سے مراد تھوڑا سا پانی ہے۔
چمچچڑ لیچڑ، چمٹ جانے والا۔
چمکار پچکار۔ لاڈ، پیار۔
چوتھی۔ شادی کے دوسرے دن منکوحات آپس میں ترکاری سے کھیلتی ہیں اس رسم کو چوتھی کہتے ہیں۔
چھپٹیاں۔ لکڑیوں کا

چورا۔ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں

چھٹکارا۔ نجاۃ۔

چھچھوری۔ خفیف الحرکات۔

چھپکا۔ جل کر جو داغ پڑ جاتا ہے۔

چیں چپڑ۔ فضول بکواس

خ

خالصے لگنا۔ برباد کر دینا۔ لٹا دینا۔

د

دو ٹوک۔ قطعی۔

دو جان یا جی سے ہونا۔ یعنی حاملہ ہونا۔

دو ہتڑ۔ دونوں ہاتھوں سے مارنا۔

دھت۔ عادۃ۔ لت

دھتکار۔ ڈانٹ۔

دھسک۔ کسک کسر۔

دھما چوکڑی۔ غل شور۔ اودھم۔

دھیان۔ خیال۔

ڈ

ڈاڑھیں مار کر رونا۔ بآواز بلند رونا۔

ڈگڈگا کر پینا۔ بیتاب ہو کر پینا۔ کھینچ کر پینا۔

ڈگری۔ درجہ مراد سند سے ہے

ڈگمگانا۔ لغزش کرنا۔

ڈنر۔ انگریزی کھانا۔

ڈھارس۔ امید۔ توقع۔

ڈھانا۔ گرانا۔

ڈھرّا۔ راستہ۔

ڈھئی دینا۔ بوجھ ڈالنا۔

ڈیل۔ جسم۔

ر

ربڑ۔ زد۔

رٹنا۔ ایک دم پڑھے جانا۔

رجسٹر۔ کتاب۔

رضاعی۔ دودھ کی۔

رکھانت۔ محفوظ رکھی ہوئی۔

رگیولیٹر۔ اصل معنی انتظام کرنے والا۔ گھڑی میں وہ پرزہ جو گھڑی کی رفتار کو درست کرتا ہے۔

رُوڑ۔ مستعملہ روئی کے ٹکڑے۔

رونکھی۔ روتی ہوئی۔

ریجھنا۔ فریفتہ ہونا۔

ریس۔ حرص۔

ریں ریں کرنا۔ مریل آواز سے پڑھنا۔

ریزگی۔ پرانے گوٹے کے ٹکڑے۔

س

سالم۔ پوری۔

سسکیاں۔ رونے کے بعد جو دیر تک ایک قسم کی ہچکی لگی رہتی ہے۔

ستھری۔ پاک صاف۔

سٹی بھولنا۔ ہوش گم ہو جانا۔

سج دھج۔ طرز و انداز۔

سحاب۔ ابر۔

سدھارنا۔ بنانا۔ سنوارنا۔

سراب۔ چمکتا ہوا ریت جو دور سے بہتا ہوا دریا دکھائی دے۔

سرٹیفکٹ۔ سند۔

سرشار۔ لب ریز۔

سفیہ۔ احمق۔

سکالرشپ۔ وظیفہ۔

سلوٹ۔ شکن۔

سمِ قاتل۔ زہر۔ مار ڈالنے والا۔

سموچا۔ ثابت۔
سناٹا۔ چُپ چاپ سکوت۔
سوانا۔ سرحد۔
سوبھا۔ رونق۔
سپرنٹنڈنٹ۔ پولیس کا افسر۔
سوڈا و ایسڈ۔ یہ دو دوائیں انگریزی ہیں جن کے ملانے سے اُبال آتا ہے
سڈول۔ خوش وضع
سہم جانا۔ خوف زدہ ہو جانا
سیرا۔ سراہنے کی پٹی چارپائی کی۔

ش

شغف۔ عشق۔

ع

عبودیۃ۔ بندگی۔

ف

فطری۔ خلقی۔
فیثاغورس۔ ایک مشہور حکیم کا نام ہے۔
فیل کرنا۔ مکر کرنا۔ حیلہ کرنا۔

ک

کارن۔ سبب۔ باعث
کاڑھا۔ زچگی کے ایام میں ایک قسم کی مرکب دوا پلائی جاتی ہے اُسے کاڑھا کہتے ہیں
کرکری۔ خفیف ہونا۔
کُریدنا۔ پرچول کرنا۔
کڑاکے کی سردی۔ شدۃ کی سردی۔
کڑھنا۔ رنج کرنا۔
کسک۔ کسر۔
کفران۔ ناشکری
کلنک کا سا ٹیکا۔ کلنک یعنی سیاہی یعنی بدنامی کا ٹیکا۔
کن انکھیوں سے دیکھنا۔ ترچھی نگاہوں سے دیکھنا
کنونڈا۔ بیل دبی ہوئی
کنی دبنا۔ مرعوب ہونا
کنی کاٹنا۔ رستہ بچانا۔
کوتک۔ خراب عادۃ
کوڑیوں۔ بیسیوں۔
کھانچا۔ کونا۔
کہاوت۔ مثل۔
کھرچن۔ کھانے کا وہ جزو جو پتیلی میں لگ جاتا ہے۔
کھسیانی۔ روکھی۔
کھل کھیلنا۔ آزاد ہو جانا۔

گ

گت۔ حالۃ۔
گجی مار۔ اندرونی مار۔
گل چھرے اُڑانا۔ مزے اُڑانا۔
گنڈے دار۔ غیر مسلسل
گونتھنا۔ خراب سینا۔
گھات۔ تاک۔
گھُٹنا۔ اونچا پائجامہ جو گھٹنوں سے اوپر ہو
گھرکنا۔ خفا ہونا ڈانٹنا
گھگی بندھنا۔ خوف سے آواز کا بیٹھ جانا۔
گیڑیاں۔ عوام کے بچے لکڑیوں سے ایک قسم کا کھیل کھیلتے ہیں اُسے گیڑیاں کھیلنا کہتے ہیں

ل

لاج۔ شرم
لایعقل۔ بے عقل
لت۔ خراب